کلیات آغا حشر کاشمیری

7

(سیتابن واس، دھرمی بالک، بھارتی بالک، دل کی پیاس)

مرتبین

آغا جمیل کاشمیری

یعقوب یاور

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

کلیات آغا حشر کاشمیری

7

(سیتا بن واس، دھرمی بالک، بھارتی بالک، دل کی پیاس)

مرتبین

آغا جمیل کاشمیری

یعقوب یاورؔ

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

Kulliyat-e-Agha Hashr Kashmiri-7
Edited by : Agh Jameel Kashmiri
&
Yaqoob Yawar

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : اپریل، جون 2005 شک 1927
پہلا اڈیشن : 1100
قیمت : -/204
سلسلۂ مطبوعات : 1214

ISBN: 81-7587-083-4

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
طابع: فہمی کمپیوٹرز، جامع مسجد دہلی- 110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی، و ادبی کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب دھیرے دھیرے نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے کما حقہ واقفیت بھی نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت عہدِقدیم کے شاعروں اور نثر نگاروں سے لے کر عہد جدید کے شاعروں اور نثر نگاروں تک تمام اہم اہلِ فکر و فن کی تصنیفات شائع کرنے کی خواہاں ہے تا کہ نہ صرف اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جا سکے بلکہ زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیات آغاحشر کاشمیری اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تا کہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ)
ڈائرکٹر

فہرست

دیباچہ 7

1۔ سیتا بن واس 21

2۔ دھرمی بالک 147

3۔ بھارتی بالک 263

4۔ دل کی پیاس 405

دیباچہ

ڈرامے کا تعلق تمثیل اور نقالی سے ہے یہی سبب ہے کہ اس کے ابتدائی نمونے ان علاقوں میں ملتے ہیں جہاں بت پرستی عام تھی ہندوستان اور یونان ایسے ہی خطے ہیں لیکن ان دونوں علاقوں میں ڈرامے کی روایت انفرادی طور پر پروان چڑھی۔ آگے چل کر جب دونوں میں تہذیبی روابط استوار ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ ہندوستان میں کالی داس کے ڈراموں کی فکری و فنی بلندی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ایک صدی قبل مسیح سے کافی پہلے ہوئی ہوگی۔ بدھ اقتدار میں آئے تو انھوں نے بھی اسے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے مفید پایا۔ رفتہ رفتہ مختلف ناٹک منڈلیاں وجود میں آئیں جنھوں نے اس کی شکل ایسی بدلی کہ اس کا تعلق سماج کے نچلے طبقے سے رہ گیا۔

مسلمان ہندوستان آئے تو ان کا سابقہ ڈرامے کی اسی شکل سے پڑا۔ اول تو ان کا عقیدہ ایسی چیزوں کی سرپرستی کی اجازت نہیں دیتا تھا دوسرے اس عہد میں ڈرامے شرفا کے معیار پسند سے نیچے کی چیز ہو گئے تھے۔ اس لیے اس فن کی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ البتہ شاہان اودھ کے آخری دور میں اس جانب توجہ دی گئی اور یہی اردو ڈرامے کے آغاز کا زمانہ ہے، جب سید آغا حسن امانت لکھنوی نے اندرسبھا کی تخلیق کی جسے اسٹیج پر بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں امانت کی نقل میں متعدد اندر سبھائیں لکھی گئی۔ حتی کہ یہ لفظ ڈرامے کے متبادل کے طور پر استعمال

ہونے لگا۔ یہ اندر سبھائیں ملک کے مختلف حصوں میں اسٹیج کی گئیں۔

اسی زمانے میں عروس البلاد بمبئی میں بھی اردو ڈراموں کی جانب لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ یہاں کی روایت کا سلسلہ اودھ کے بجائے انگریزی اور مراٹھی اسٹیج سے جڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی غیر معمولی دلچسپی نے اسے ایک منافع بخش کارو بار کی شکل دے دی تھی۔ کارو باری مسابقت نے اسے پھلنے، پھولنے اور نکھرنے کے وافر مواقع فراہم کئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اردو ڈراموں کے افق پر آغا حشر کاشمیری نمودار ہوئے۔

آغا حشر کی پیدائش بنارس میں 4/3 اپریل 1879 کی درمیانی شب میں ہوئی۔ ان کے اجداد کاتعلق ان کے والد آغا غنی شاہ تک کشمیر سے قائم رہا لیکن خود آغا حشر کا راست تعلق کشمیر سے نہیں تھا۔ والدین نے ان کا نام آغا محمد شاہ رکھا لیکن بعد میں انھیں شہرت آغا حشر کاشمیری کے نام سے ملی۔

جیسا کہ ان دنوں شرفا کے گھروں میں رواج تھا ،آغا حشر کو عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم مولوی حافظ عبد الصمد نے دی جو اس زمانے کے مشہور معلم تھے۔ آغا صاحب کے والد انھیں عالم دین بنانا چاہتے تھے لیکن خود آغا حشر کو انگریزی تعلیم سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ خاندان کے بعض افراد کے اصرار پر ان کا داخلہ جے نرائن اسکول میں کرا دیا گیا، جہاں انھوں نے درجہ چھ تک تعلیم حاصل کی۔ جب تک وہ اس اسکول میں زیر تعلیم رہے، اپنی ذہانت سے اپنے اساتذہ کا دل جیتتے رہے۔ اسی زمانے میں انھیں شاعری کا شوق ہوا اور وہ فارسی اور اردو میں شعر کہنے لگے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آغا حشر کو ڈرامے سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اپنے ہم جماعتوں کو ساتھ لے کر اسکول سے متصل قبرستان میں چادریں تان کر اندر سبھا اسٹیج کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں جبلی تھیٹریکل کمپنی بنارس آئی۔ طاب علموں کو رعایتی داموں پر ٹکٹ فراہم کرنے سے انکار پر آغا حشر نے رفیع الاخبار میں اس کمپنی کے ڈراموں پر شدید نکتہ چینی کی۔

کمپنی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا تو آغاحشر نے اور شدت سے حملہ کیا۔ اس اخبار بازی سے بچنے کے لیے کمپنی کے مالکوں نے حشر کو مفت ڈراما دیکھنے کی دعوت دے کر مصالحت کرلی اس طرح نہ صرف آغا حشر کو ڈراما دیکھنے کا موقع ملنے لگا بلکہ کمپنی کے ڈائریکٹر امرت لال اور ڈراما نویس مہدی حسن احسن لکھنوی سے بھی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ایک دن کسی بات پر احسن صاحب سے بحث ہوگئی جس کے دوران حشر نے ان سے کہہ دیا کہ جیسا ڈراما آپ لکھتے ہیں، میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں۔ احسن صاحب جیسے پختہ کار کے سامنے ایک نوجوان کا یہ دعویٰ تعلّی کے مترادف تھا تاہم اسے نبھانے کے لیے آغا حشر نے نہ صرف ڈراما ''آفتاب محبت'' لکھا بلکہ دوستوں کا ایک کلب بنا کر اسے اسٹیج بھی کر دکھایا۔ یہی آغا حشر کا پہلا ڈرامہ ہے جو 1897ء میں جواہر اکسیر پریس، بنارس میں چھپ کر شائع ہوا۔

ایک طرف آغا حشر کی دلچسپیوں کا یہ حال تھا، دوسری طرف ان کے والد آبائی کاروبار میں ان کی دلچسپی نہ دیکھ کر ان کے مستقبل کی طرف سے فکر مند تھے۔ چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد انھوں نے اپنے رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے بنارس میں میونسپل بورڈ میں ان کے لیے ایک معقول ملازمت کا انتظام کردیا۔ اس ملازمت کے لیے کچھ زرِ ضمانت مطلوب تھا۔ آغا غنی شاہ بیٹے کو ساتھ لے کر میونسپلٹی گئے لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے مطلوبہ رقم آغا حشر کے حوالے کر کے گھر چلے آئے۔ اتفاقاً کوئی ایسی صورت پیش آئی کہ یہ رقم اس دن میونسپلٹی کے خزانے میں جمع نہ ہوسکی۔ جب آغا حشر گھر لوٹ رہے تھے تو راستے میں انھیں کچھ دوست مل گئے جن کی خاطر مدارات میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوگئی اس کے بعد والد کی جواب طلبی کے خوف سے ان کا رخ گھر کے بجائے اسٹیشن کی جانب مڑ گیا اور وہ بمبئی جا پہنچے۔

بمبئی آغا حشر کے لیے نئی جگہ تھی۔ ان کے علم میں تھا کہ ان کے ایک دوست عبداللہ بمبئی میں رہتے ہیں۔ وہ انھی کے پاس پہنچے اور ان کے ساتھ رہنے

لگے۔ عبداللہ شاعری کے دلدادہ تھے۔ اتفاق سے اسی دن بمبئی میں کوئی مشاعرہ تھا۔ وہ آغا حشر کو لے کر اس میں شریک ہوئے۔ یہاں کسی بات پر بمبئی پنچ کے ایڈیٹر مولوی فرخ سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ اور یہ جھگڑا بمبئی پنچ کے صفحات تک آگیا۔ اس طرح آغا حشر شہر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر وہ الفریڈ کمپنی کے مالک کاوس جی پالن جی کھٹاؤ سے ملے۔ کاوس جی اس وقت چائے پی رہے تھے۔ حشر نے ان کے حسب فرمائش چائے پر ایک فی البدیہہ نظم کہہ کر سنائی۔ اس کے بعد انھوں نے حشر کو دوسرے دن ملنے کے لیے کہا۔ حشر یہ سمجھے کہ کاوس جی نے انھیں بڑے سلیقے کے ساتھ ٹال دیا ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونے کے بعد جب وہ کاوس جی سے ملے تو انھیں الفریڈ کمپنی میں ڈراما نویس کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا اور ۳۵ روپیہ ماہانہ مشاہرہ طے ہوا۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے سب سے پہلے مرید شک (1899) لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے چند ماہ بعد مار آستین (1899) تصنیف کیا۔ اس ڈرامے کو بھی اسٹیج پر غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

حشر کی مقبولیت بڑھی تو مختلف ڈراما کمپنیوں کی طرف سے انھیں ملازمت کی پیش کش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ڈیڑھ سو روپے ماہوار پر نو روز بی پری کی کمپنی کی ملازمت قبول کر لی۔ یہاں انھوں نے اسیر حرص 1901 لکھا۔ یہ ڈراما بھی بے حد پسند کیا گیا۔ حشر کی اس روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر کاوس جی کھٹاؤ نے انھیں دو بارہ ساڑھے تین سو روپے ماہانہ پر اپنے یہاں بلا لیا۔ اس بار اُن کی کمپنی کے لیے انھوں نے شہیدِ ناز 1902 لکھا جو حسب روایت کافی مقبول ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے اڈیسر بھائی ٹھوٹھی کی کمپنی کے لیے 1906 میں سفید خون اور 1907 میں صید ہوس اور سہراب جی اُگرا کی کمپنی کے لیے 1908 میں خواب ہستی اور 1909 میں خوبصورت بلا ڈرامے لکھے جنھیں خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈراما نویس کے طور پر بے حد مقبول ہونے کے باوجود آغا حشر اپنی موجودہ

حیثیت سے ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے۔ انھیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ مالکان کمپنی ان کی تحریروں میں اپنی صوابدید کے مطابق تحریف اور کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد کے ایک تعلقہ دار کے اشتراک سے 1909 میں انھوں نے دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدرآباد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے سہراب جی اگرا کی کمپنی کے لیے لکھا گیا ڈرامہ خوبصورت بلا اسٹیج کیا۔ اس کے بعد اگلے سال 1910 میں اپنا پہلا مجلسی ڈرامہ سلور کنگ عرف نیک پروین لکھ کر پیش کیا۔ اسی سال یہودی کی لڑکی عرف مشرقی حور بھی اس کمپنی کے اسٹیج پر دکھایا گیا۔ حیدرآباد میں مقبولیت کے ڈنکے بجانے کے بعد یہ کمپنی سورت ہوتی ہوئی بمبئی پہنچی اور یہیں ختم ہوگئی۔ اس کے بعد آغا حشر نے 1912 میں جالندھر کے بھائی گیان سنگھ کی نو تشکیل کمپنی میں پانچ سو روپے ماہ وار پر ڈرامہ نویس کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ لیکن جلد ہی امرتسر میں یہ کمپنی بھی بند ہوگئی۔

1913 میں آغا حشر نے اپنے ڈراموں کی اداکارہ حور بانو سے لاہور میں شادی کرلی۔ اسی زمانے میں انھیں دہلی میں ایک عوامی استقبالیہ دیا گیا جس میں انھیں انڈین شیکسپیر کے خطاب سے نوازا گیا۔ لاہور پہنچ کر انھوں نے اپنی دوسری کمپنی انڈین شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ یہ کمپنی مختلف شہروں کا دورہ کرتی ہوئی کلکتہ پہنچی۔ یہاں آغا حشر ریلوے پلیٹ فارم سے نیچے گر گئے جس کے نتیجے میں ان کے دائیں پیر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ انھیں کافی عرصے اسپتال میں رہنا پڑا۔ اسی علالت کے دوران انھوں نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا پہلا ہندی ڈرامہ بھگت سور داس عرف بلوا منگل 1914 لکھوایا جو ان کے چھوٹے بھائی آغا محمود شاہ کی ہدایت میں پہلی بار اسٹیج ہوا۔ اس کے بعد کمپنی کھڑگ پور، مظفر پور اور پٹنہ ہوتی ہوئی بنارس آئی۔ قیام بنارس کے دوران آغا حشر کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی جو صرف تین ماہ زندہ رہ کر لکھنؤ میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ کمپنی یوپی اور پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی لاہور ہوتے ہوئے سیالکوٹ پہنچی۔ یہاں آغا حشر اپنی زندگی کے ایک اور بڑے حادثے سے ہم کنار ہوئے۔ ان کی اہلیہ جن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی ایک طویل علالت کے بعد

1918 میں لاہور میں انتقال کر گئیں۔ شریک حیات کی اس مفارقت نے آغا صاحب پر کچھ ایسے نفسیاتی اثرات مرتب کیے کہ وہ کمپنی کا سارا سامان سیالکوٹ میں چھوڑ کر بنارس چلے آئے۔ اور بہت دنوں تک یہیں آرام کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ رستم جی کی دعوت پر کلکتہ گئے اور جے ایف مڈنس کمپنی میں ایک ہزار روپے ماہانہ پر ملازم ہوگئے۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے مشرقی ستارہ عرف شیر کی گرج لکھا (1918) چونکہ کلکتے کے مارواڑی عوام ہندی ڈراموں کے شوقین تھے، اس لیے آغا حشر نے اس زمانے میں بطور خاص ہندی میں لکھنا شروع کیا اور مدھر مرلی (1919) بھارت رمنی (1920) بھکیرتھ گنگا (1920) ایوم پراچین اور نوین بھارت (1921) جیسے ڈرامے لکھے اس کے بعد اردو میں ترکی حور (1922) اور ہندی میں سنسار چکر عرف پہلا پیار (1922) لکھا۔ اسی زمانے میں کلکتہ کی اسٹار تھیٹریکل کمپنی کے لیے انھوں نے بنگلہ زبان میں اپرادھی کے (1922) اور مصر کماری (1922) بھی لکھے۔ اسی کے ساتھ (1919اور 1923 کے درمیان انھوں نے مڈنس کمپنی کی خاموش فلموں میں اپنی اداکاری کے فن کا بھی مظاہرہ کیا۔ مڈنس کے لیے انھوں نے ترکی حور اور سنسار چکر عرف پہلا پیار کے بعد بھیشم پرتگیا (1923) اور آنکھ کا نشہ (1924) لکھے جنھیں زبردست عوامی مقبولیت ملی۔

شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی پر پہنچنے کے بعد آغا حشر کے دل میں ایک بار پھر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی کمپنی قائم کریں۔ چنانچہ 1925 میں بنارس میں دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ کی بنیاد پڑی۔ اسے لے کر آغا حشر دورے پر نکلے۔ یہ کمپنی جب بہار اور یوپی کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی الہ آباد پہنچی تو مہا راجہ چرکھاری نے جو ان دنوں الہ آباد آئے ہوئے تھے۔ آغا حشر سے سیتا بن واس کے موضوع پر ہندی میں ڈراما لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا حشر نے وعدہ کر لیا اور بنارس آکر اس ڈرامے کی تکمیل کی (1928) یہ ڈراما مہا راجہ کو بے حد پسند آیا چنانچہ انھوں نے اسے آٹھ ہزار روپے خرید لیااور آغا صاحب کو مع اپنی کمپنی کے چرکھاری آنے کی دعوت دی۔ وہاں انھوں نے نہ صرف آغا حشر کی

شاگردی اختیار کی بلکہ پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم کے عوض ان کی کمپنی بھی خرید لی اور آغا صاحب کو ہی اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ یہاں سیتا بن واس کا پہلا دیوناگری ایڈیشن جس کی تعداد اشاعت صرف دو جلد تھی (ایک آغا حشر کے لیے اور ایک مہاراجہ چرکھاری کے لیے) ولسن پریس چرکھاری سے مئی 1929 میں شائع ہوا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد کسی بات پر خوش ہو کر مہا راجہ نے کمپنی آغا حشر کو واپس لوٹا دی اور وہیں سے یہ معمول کے دورے پر کانپور کے لیے روانہ ہو گئی۔

اسی درمیان مڈنس تھیٹرز لینڈ نے آغا صاحب کو کلکتے بلایا۔ چنانچہ وہ کمپنی کو آغا محمود شاہ کے حوالے کر کے کانپور ہی سے کلکتے چلے گئے۔ وہاں رہ کر انھوں نے مڈنس کی بمبئی شاخ دی امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف بامبے کے لیے اردو میں رستم سہراب (1929) لکھا جو اسی سال اسٹیج کیا گیا۔ اس کے علاوہ کلکتے میں قیام کے اس زمانے میں انھوں نے مڈنس کے لیے ہندی کے تین ڈرامے دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا (1929) بھارتی بالک عرف سماج کا شکار (1930) اور دل کی پیاس (1931) لکھے جو ہندی ڈرامے کی روایت میں ایک گراں قدر بلکہ انقلاب آفریں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آغا حشر نے 1931 میں مڈنس کی ملازمت چھوڑ دی اور بنارس آ گئے۔ یہاں ان کے پیر میں چوٹ آ گئی۔ دیسی دواؤں سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو وہ علاج کے غرض سے کلکتے پہنچے۔ اس درمیان وہ اور بھی کئی امراض میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ ماہر امراض قلب ڈاکٹر سنیل بوس کا علاج شروع ہوا۔ یہ دور سخت پرہیز کا تھا۔ ان دنوں کلکتے میں بولتی فلموں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ مڈنس تھیٹرز کے مینیجنگ ڈائرکٹر فرام جی نے جو پانیر فلم کمپنی کے مالک بھی تھے، آغا حشر سے فلمی ڈرامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا صاحب نے ان کے لیے شیریں فرہاد لکھا جس میں ماسٹر نثار اور مس کجن نے بنیادی کردار ادا کیے۔ اس فلم کی مقبولیت نے دوسری فلم کمپنیوں کو آغا حشر کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے فرمائشوں کی یلغار ہونے لگی جن کی تعمیل میں انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے فلمی ڈراما عورت کا پیار لکھا جو کافی مقبول

ہوا۔ اسی زمانہ میں انھوں نے فرام جی کے لیے مزید دو ڈرامے دل کی آگ (1931) اور شہید فرض (1931) لکھے جو مختلف وجوہ سے فلمائے نہیں جا سکے۔ ان کے علاوہ نیو تھیٹرز کے لیے یہودی کی لڑکی اور چنڈی داس ڈرامے لکھے ان کا تیار شدہ فلمیں کافی مقبول ہوئیں۔ اسی دوران مڈنس نے بھگت سورداس (1914) شرون کمار (1931) اور آنکھ کا نشہ (1924) پر ہندی میں اور ترکی حور (1922) اور قسمت کا شکار پر اردو میں فلمیں بنائیں جنھیں عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

آغا حشر کی بیماری کا سلسلہ دھیرے دھیرے طول پکڑتا جا رہا تھا لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے شخص نہ تھے۔ اسی عالم میں انھوں نے 1934 میں اپنی فلم کمپنی بنائی اور رستم سہراب کو فلمانے کا ارادہ کیا۔ کرداروں کا انتخاب ہونے کے بعد ریہرسل ہورہی تھی کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں انھیں لاہور جانا پڑا۔ یہاں انھوں نے اپنے دوست حکیم فقیر محمد چشتی کا علاج شروع کیا اور یہیں چند دوستوں کے مشورے پر حشر کلچرز کی بنیاد ڈال کر بھیشم پتامہ کی شوٹنگ شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انھیں کئی بار جموں اور سری نگر کا سفر بھی کرنا پڑا۔ اس مسلسل تگ ودو نے ان کی صحت پر مزید برا اثر ڈالا اور مصروفیات کے سبب حکیم صاحب کا علاج بھی باقاعدگی سے جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسی بیماری میں 28/اپریل 1935 کو شام کے چھ بجے ان کا انتقال ہوگیا۔ حکیم فقیر محمد چشتی نے آغا محمود شاہ کو کلکتے فون کرکے ان سے لاہور ہی میں تدفین کی اجازت لے لی اور آغا صاحب مرحوم کی وصیت کے مطابق اگلے دن یعنی ۲۹/اپریل کو دن میں میانی صاحب کے قبرستان چار برجی میں انھیں ان کی اہلیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس کلیات میں شامل ڈراموں کے مطالعے سے پہلے مندرجہ ذیل بنیادی باتوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ دوران مطالعہ پیدا ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب مل سکے۔

ا۔ 'مار آستین' (1899) آغا حشر کا واحد ڈراما ہے جسے بہ ظاہر انھوں نے

اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنا کوئی ڈراما اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ برجستہ مکالمات بولتے جاتے تھے اور بہ یک وقت کئی منشی انھیں قلم بند کرتے رہتے تھے۔ منشیوں کے لکھے ہوئے ان مسودوں کو وہ شاید ہمیشہ دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اور ان منشیوں کی اردو بس واجبی سی تھی اور املا ناقص۔ چنانچہ ان مسودوں میں جگہ جگہ املا کی غلطیاں موجود ہیں، جنھیں مرتبین نے درست کیا ہے۔ آغا حشر کی نظر میں ان مسودوں کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے سنسر کے لیے مقرر حاکم مجاز کہانی کو سمجھ لے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور کردار ادا کرنے والے ایکٹر ان کی مدد سے اپنے مکالمے یاد کرلیں۔ انھوں نے ان مسودوں کی تیاری کے دوران کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ ان کا استعمال انھیں شائع کرنے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ آغا حشر چونکہ اپنے بیش تر ڈراموں کے ہدایت کار بھی خود ہی ہوتے تھے اس لیے اکثر حالات میں انھیں مسودو[illegible] ہدایات اور مناظر کی تفصیل تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی [illegible] جن ڈراموں میں ہدایات موجود نہ تھیں، ان میں مرتبین نے اس [illegible] یا ہے۔ جہاں ایسا کیا گیا ہے، اس کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

۳۔ ایک ہی ڈارمے کے ایک سے زائد مسودے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ریاست میں ڈراما اسٹیج کرنے سے پہلے اس شہر یا ریاست کے حاکم مجاز سے اسے سنسر کرانا ضروری ہوتا تھا۔ اس غرض سے ہر بار ڈرامے کی نئی نقل تیار کر کے حکام کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ جہاں سے مسودے پر checked and found nothing objectionable کا نوٹ لکھوا لینے کے بعد ہی اسے اسٹیج کیا جا سکتا تھا۔ بیش تر مسودوں پر یہ نوٹ موجود ہے۔

۴۔ عوامی مقبولیت حاصل کر لینے والے کسی ڈرامے کے چند شو مکمل ہوجانے کے

بعد اس میں نیاپن پیدا کرنے اور ناظرین کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی غرض سے اس میں کبھی بعض نئے مناظر جوڑ دیے جاتے تھے اور کبھی بعض مناظر نکال دیے جاتے تھے۔ ان مناظر کو ڈرامے سے نکال دینے کا سبب ان کی خامیاں یا کمزوریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایسا محض تبدیلی یا نیا پن پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ آغا حشر کبھی یہ کام ڈراما کمپنیوں کے مالکان کی فرمائش پر کرتے تھے اور کبھی اپنے طور پر۔ اپنے طور پر عموماً اس وقت جب وہ خود ہی کمپنی کے مالک بھی ہوتے تھے۔

۵۔ آغا حشر کا مرکز نگاہ (Target) وہ عام لوگ تھے جو اپنا پیسہ خرچ کر کے ان کے ڈرامے دیکھنے آتے تھے، وہ نہیں جو ادب کو فن لطیف کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے اپنے گھروں میں اس کا لطف لینے کے عادی تھے۔ ڈراموں کی تخلیق کے دوران ادب ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے ان کی پوری توجہ ڈرامے کو دیکھے جانے اور ان ناخواندہ اور کم سواد ناظرین کے نقطہ نظر سے پسندیدہ اور دلچسپ بنانے پر صرف ہوتی تھی، جن کے لیے یہ ایک سہل الحصول اور سستا وسیلہ تفریح تھا۔ شعر و سخن کے شائقین اور ادب کے سنجیدہ قارئین کی خاطر اس کی نوک پلک سنوارنے سے انھیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ تھیٹر دیکھنے آنے والوں کی اکثریت پہلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور انھی کی پسند پر مالی اعتبار سے کسی ڈرامے کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا تھا۔ ناقدین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ ڈراموں میں اپنی بھرپور ادبی صلاحیت کا استعمال نہیں کر سکے۔

۶۔ اکثر ایک ہی ڈرامے کے دو مسودوں میں کرداروں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات کرداروں کے ناموں کے ساتھ ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر 'آنکھ کا نشہ' (1924) کے ایک مسودے میں کردار کالی داس، گوری ناتھ، سوہن اور کامنی ہیں۔ اس کا پس منظر بنارس ہے۔ جب کہ اسی ڈرامے کے ایک دوسرے مسودے میں

کرداروں کے نام جگل کشور، بینی پرساد، مادھو اور کام لتا ہیں اور اس کا پس منظر کولکتہ ہے۔ ان صورتوں میں مرتبین نے بعد میں لکھے جانے والے مسودوں کو بنیاد بنایا ہے۔

۷۔ کلیات کی ترتیب میں مسودوں میں مستعمل قدیم املا کو جدید املا میں بدل دیا گیا ہے۔

۸۔ ایک ڈرامے کے ایک سے زائد ناموں سے موسوم ہونے کا سبب یہ ہے کہ آغا حشر ڈرامے میں معمولی تبدیلیاں پیدا کر کے عوام کو باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ ڈراما اس ڈرامے سے مختلف ہے جو وہ پہلے کسی اور نام سے دیکھ چکے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ بھی اسے دوبارہ دیکھنے آئیں جو پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح کی تبدیلی صرف آغا حشر نے نہیں کی ہے بلکہ اس عہد کی تمام ڈراما کمپنیاں یہی کرتی تھیں۔

۹۔ آغا حشر کی ہندی اپنے معاصر اردو فن کاروں کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ لیکن اردو ان کی فطری اور مادری زبان تھی۔ چنانچہ ان کے ہندی ڈراموں کو پڑھتے وقت بار بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندی میں مکالمے لکھواتے لکھواتے یک بہ یک اردو بولنے لگتے تھے۔ پھر جیسے ہی انھیں خیال آتا تھا کہ جو ڈراما لکھوایا جا رہا ہے وہ اردو میں نہیں ہندی میں ہے تو وہ پھر ہندی کی طرف آجاتے تھے۔ لیکن یا تو اپنی عدیم الفرصتی کے باعث یا محض تساہل کی بنا پر اتنی اردو رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ وہ مکمل ڈراما پہلے اردو میں لکھاتے رہے ہوں گے اور بعد میں اس کا ہندی میں ترجمہ کرتے ہوں گے۔ اس کا امکان کم ہے کیوں کہ ایسا ہوتا تو بے خیالی میں جہاں وہ فارسی آمیز اردو لکھوا گئے ہیں اسے درست ہوجانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے غالب امکان اسی بات کا ہی ہے کہ وہ فی البدیہہ اور براہ راست ہندی میں ہی ڈراما لکھواتے تھے۔ یہ بات تو اب سب ہی جانتے ہیں کہ وہ ڈرامے ٹہل ٹہل کر منشیوں کو لکھوایا

کرتے تھے۔

۱۰۔ آغا حشر کے ڈرامے بلا اجازت چھاپنے والے پبلشروں نے ان ڈراموں کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جو مکالمے یا حصے ان کی سمجھ میں نہیں آئے، ان کو اپنی طرف سے لکھ دیا ہے بلکہ اکثر ان کے ہندی ڈراموں کو کسی اچھے ہندی جاننے والے سے مشکل اور سنسکرت آمیز ہندی میں منتقل کروا کر چھاپا ہے۔ اس تعلق سے بنارس کے ٹھاکر پرساد اینڈ سنز کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جو آغا حشر کی ناک کے نیچے یہ کام دھڑلے سے کر رہے تھے۔ آغا حشر نے ذاتی طور پر کبھی اس جانب توجہ نہیں دی۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاحشر کے جعلی ایڈیشن چھاپنے والے پبلشرز اپنے منشیوں کو آغا حشر کے لکھے ڈرامے دیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، جہاں سے وہ اس کے مکالمات نوٹ کر لاتے تھے۔ یہ کام ایک ساتھ ایک سے زائد منشیوں سے کروایا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی تحریروں کو ترتیب دے کر اور جو حصے ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے ان میں حسب ضرورت اصلاح کر کے یا انھیں اپنی طرف سے ازسرنو لکھ کر ڈراما شائع کردیا جاتا تھا۔ اصلاح و ترمیم کا یہ کام عموماً وہی منشی انجام دیتے تھے جنھیں نمائش کے دوران ان ڈراموں کی نقل کے کام پر مامور کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ آغا حشر نے اپنے ہندی ڈراموں کے لیے جو گانے لکھے ہیں ان میں بیش تر فارسی وزن اور بحروں کا استعمال کیا ہے۔ البتہ جہاں جہاں انھوں نے لوک گیتوں، دوہوں یا موسیقی کی لوک دھنوں کو اپنایا ہے وہاں فطری طور پر عروضی ڈھانچہ بھی ہندوستانی ہوگیاہے۔ انھوں نے بعض ہندی الفاظ کو ان کے رائج عوامی تلفظ کے مطابق استعمال کیا ہے۔

۱۲۔ یہ معاصر ماحول میں رچی بسی انگریزی زبان کے اثرات کا نتیجہ ہے یا پھر شعوری طور پر ایسا کیا گیا ہے کہ عمومی بات چیت کے مکالموں میں آغا حشر

نے حال استمراری (Present Imperfect) کی بجائے حال قریب (Present Indefinite) کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اردو میں انگریزی کے اس صیغے (Tense) کا استعمال کم ہی ہوتا ہے۔ اردو میں عام طور پر 'وہ جاتا ہے' کے بدلے 'وہ جا رہا ہے' کا پیرایہ بیان زیادہ مقبول ہے۔ اور جب 'وہ جاتا ہے' کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عادت کے اظہار کا کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسی جگہوں پر اس کا مفہوم 'وہ جایا کرتا ہے' ہو جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ آغا حشر نے ڈرامے میں ایک مصنوعی فضا قائم کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا ہو۔

اس کلیات کی ترتیب کے دوران ہمیں مسلسل اردو کے معتبر محقق پروفیسر حنیف نقوی صاحب، سابق صدر، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں۔ اگر ان کی خاص توجہ نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہ پاتا۔ مسودوں کی تلاش، چھان بین اور انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں خانوادہ حشر کی تیسری نسل سے تعلق رکھنے والے جناب آغا نہال احمد شاہ کاشمیری نے جس طرح ہماری مدد کی ہے، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

آغا حشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت یا مسودوں کے تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیرمصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر

کی دین پر خاطر خواہ گفتگو ہو سکے گی۔ اس کام کے لیے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب اور دیگر اراکین بالخصوص ڈاکٹر روپ کرشن بھٹ اور ڈاکٹر رحیل صدیقی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہر طرح سے تعاون کیا۔

مرتبین

بنارس
31؍اکتوبر 2003

سیتا بن واس

1928

سیتا بن واس (1928)

اس ڈرامے کے سال تصنیف اور مقام تصنیف دونوں کے بارے میں محققین میں اتفاق رائے نہیں ہے۔ لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ مہاراجا چرکھاری اَرِی مردان سنگھ جو دیو کو یہ ڈراما بہت پسند تھا اور اسے اپنی اسٹیٹ میں اسٹیج کرنے کے لیے انھوں نے زر کثیر صرف کیا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ آغا حشر اپنی ڈراما کمپنی 'دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ' کے ساتھ دورے پر تھے۔ جب ان کا قیام الٰہ آباد میں تھا تو مہاراجا چرکھاری بھی ان دنوں الٰہ آباد آئے ہوئے تھے۔ وہ ڈرامے کے شوقین تھے۔ انھوں نے آغا حشر سے ملاقات کی اور ان سے سیتا جی کے بن واس (رام چندر جی کے ذریعے سیتا کو گھر سے نکال دیے جانے کے بعد رونما ہونے والے واقعات) پر مبنی ڈراما لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا حشر نے ان سے ڈراما لکھنے کا وعدہ کر لیا اور کمپنی کو اپنے بھائی آغا محمود کے سپرد کر کے بنارس آ گئے۔ یہاں رہتے ہوئے انھوں نے 1928 میں اس ڈرامے کی تکمیل کی۔ اس ڈرامے کا پلاٹ والمیکی رامائن کے آخری حصے 'اُتر کانڈ' سے ماخوذ ہے۔ مہاراجا نے جب یہ ڈراما سنا تو انھیں بے حد پسند آیا اور اپنی فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے انھوں نے آغا حشر کو اس کے عوض آٹھ ہزار روپے کا نذرانہ پیش کیا۔ نیز ان سے یہ درخواست بھی کی کہ وہ چرکھاری آ کر اس ڈرامے کو اسٹیج کریں۔ جب آغا حشر وہاں گئے تو مہاراجا نے نہ صرف ان کی شاگردی اختیار کی بلکہ پچاس ہزار کی کثیر رقم ادا کر کے ان کی کمپنی خرید کر آغا حشر ہی کو اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ (اس سے متعلق مہاراجا کے خطوط آغا حشر کے ذخیرے میں موجود ہیں) یہاں پر آغا محمود ان کے معاون کی حیثیت سے کمپنی کا کام کاج دیکھتے رہے۔ قیام چرکھاری کے دوران جب مہاراجا نے اس ڈرامے کی اشاعت کا ارادہ ظاہر کیا تو پہلے تو آغا حشر اس کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ پھر اس کی صرف دو جلدوں کی اشاعت کی اجازت دی۔ ایک مہاراجا کے لیے اور ایک خود آغا حشر کے لیے۔ چنانچہ بابو جھلن خاں کے زیر نگرانی 1929 میں ولسن پریس، اسٹیٹ چرکھاری سے اس ڈرامے کی صرف دو

جلدیں شائع ہوئیں جو دیوناگری رسم خط میں تھیں۔ ان میں سے ایک جلد آغا حشر کے ذخیرے میں موجود ہے۔ اس کا طرز اشاعت عام کتابوں کے انداز اشاعت سے یکسر مختلف ہے۔ اس کے لیے فولز کیپ سائز کا دبیز کاغذ استعمال کیا گیا ہے، اور طباعت کاغذ کے ایک ہی طرف کی گئی ہے۔ ہر ورق کی پشت سادہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد کسی بات سے خوش ہو کر مہاراجا چرکھاری نے یہ کمپنی بغیر کسی معاوضے کے آغا حشر کو واپس کر دی اور آغا حشر وہیں سے مختلف شہروں کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ اس واقعے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ آغا حشر نے یہ ڈراما مہاراجا کی فرمائش پر بنارس میں بیٹھ کر لکھا تھا اور اس کا سال تصنیف 1928 ہے۔ کلیات آغا حشر کاشمیری کی اس جلد میں شامل اس ڈرامے کا متن رسم خط کی تبدیلی کے ساتھ دیوناگری رسم خط میں چھپے ہوئے اسی نسخے کی ہو بہ ہو نقل ہے۔ چونکہ اس کی اشاعت کا سارا کام آغا حشر کے حسب فرمائش اور انھی کے سامنے ہوا تھا اس لیے اس ڈرامے کا یہ نسخہ معتبر ترین قرار پاتا ہے۔ یہ کتاب ساڑھے تیرہ انچ طول اور ساڑھے آٹھ انچ عرض میں ہے اور اس میں کل 122 صفحات ہیں۔ سرورق پر 'سیتا بن واس' لیکھک آغا حشر صاحب کاشمیری، حسب فرمائش جناب آغا حشر صاحب کاشمیری، زیر اہتمام بابو جھلن خاں، ولسن پریس، اسٹیٹ چرکھاری میں صرف 2 کاپی چھپ کر تیار ہوئی، تاریخ 20 مئی 1929 درج ہے۔

اس مطبوعہ نسخے کے علاوہ آغا حشر کے ذخیرے میں اس ڈرامے کے تین قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ ان میں سے پہلا نسخہ منتشر اوراق کی شکل میں ہے، لیکن مکمل ہے۔ اس کے پہلے ایکٹ میں صفحات کے نمبر پڑے ہوئے ہیں جو 1 سے 46 تک ہیں۔ دوسرے ایکٹ میں یہ نمبر نہیں ہیں جب کہ تیسرے ایکٹ کے صفحات پر 1 سے 28 تک یہ نمبر موجود ہیں۔ اس میں کاتب کا نام اور تاریخ درج نہیں۔ دوسرا نسخہ مجلد رجسٹر کی شکل میں پنسل سے لکھا ہوا ہے۔ یہ 113 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر بھی کاتب کا نام اور تاریخ کتابت درج نہیں۔ یہ نسخہ بھی قدیم معلوم ہوتا ہے۔ تیسرا قلمی نسخہ آغا جانی کاشمیری کا لکھا ہوا ہے جو مجلد کاپی کی شکل میں ہے اور اس پر 13 مئی 1954 کی تاریخ درج ہے۔ ایک قلمی نسخہ بہ عنوان 'سیتا بن واس کے مدھر گانے اور سارانش' بھی دستیاب ہے، جو صرف چار اوراق پر مشتمل ہے۔ مشمولہ متن کی تیاری میں ان میں سے کسی بھی نسخے سے مدد نہیں لی گئی ہے۔

ناٹک پاتر

پُرش پاتر:

1۔ شری رام	پرسدّھ اوتار
2۔ بھرت، لکشمن، شتروگھن	شری رام کے بھائی
3۔ منی وششٹھ	شری رام کے گرو
4۔ رشی والمیکی	شری رام کے بھکت، رامائن کے کرتا
5۔ کش۔لو	شری رام کے پُتر
6۔ ہنومان	وانر جاتی کے یودھا۔ شری رام بھکت
7۔ سگریو	کِشکندھا کا راجا
8۔ اَنگد	سُگریو کے بھائی بالی کا لڑکا
9۔ وبھیشن	راون کا بھائی
10۔ دُرمکھ	شری رام کا گپت چر
11۔ رجک	دھوبی
	ایودھیا واسی اور سیناگن اِتیادی

اِستری پاتر:

1۔ سیتا	شری رام کی دھرم پتنی
2۔ مانڈوی	بھرت کی سہ دھرمنی
3۔ اُرملا	لکشمن کی سہ دھرمنی
4۔ شُرتی کیرتی	شتروگھن کی سہ دھرمنی
5۔ گوتمی — دیوبالا	رشی کنیائیں
6۔ رجکی	دھوبن

انک پہلا — درشیہ پہلا

پُشپ واٹیکا

(سمے۔ پراتہ کال)

(گانا) جگت نوارن تارن ہار
شوک بھنجن سُر نر رنجن سرجن ہار
تیج وان گن راشی امراجر اَویناشی
داتا، تراتا، نرنجن نرِوکار
جگ دھر جگن ناتھ جگ سوامی
دُکھ ہرتا منگل سکھ کرتا
دین ہین کے تمھیں آدھار
کام، کرودھ، موہ، لوبھ سے سدا بچاتا
تمھرے ہی کمل چرن شرن میں ٹھکانا...... ہے کرتار۔

مانڈوی: ماتھے میں چندرما کا شیش پھول، گلے میں تاروں کا ہار اور انگ میں چاندنی کے بیل بوٹوں سے جگمگاتی ہوئی شکل پکش کی ساڑی پہنے کئی دن کی جاگی ہوئی دُلہن کے سمان پرتھوی گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اِس آلسیہ نِدرا سے جاگنے کے لیے مَلَے پون سے سُگندھت پراتہ کال کی پربھا نے اپنی سنہری انگلیوں سے گدگدانا، پکشیوں نے گنگنانا اور کل کل میّ ندیوں نے کومل سور میں گانا شروع کیا۔ آخر پرکرتی کے مدھر اَلاپ سے دیوی وسُندھرا ایک لمبی انگڑائی

لے کر جاگ اٹھیں اور اُن کے جاگتے ہی سارا سنسار کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ۔

سورن بھون، کُٹی، مٹھ، مندر، شیام وَرن بن شویت سُمیرو
دھرتی، گگن، پون، جل، اگنی، سجن، دُرجن، پشو، پکھیرو
سب کے من آنند میں ڈولت ہرکھت جب سکھ درشیہ درشٹی
کیسی سندر، شانت، منوہر، اُچ، پوتر، وشال، سرشٹی

اُرملا: پراتہ کال کی شوبھا سریو میں اشنان کرنے کے لیے کندھے پر سوریہ کا کلس رکھے۔ پروت کی شکھا سے دھیمے دھیمے نیچے اُتر رہی ہے۔ جب وِکست کلیوں سے مدھر سُگندھ کا فوّارہ چھوٹ رہا ہے، وایو روپی چترکار بہتے ہوئے جل پر نانا پرکار کے چتر کھینچ رہا ہے۔ آکاش کے پکشی سریو سے جل پی کر ہوا میں آنند سے ناچتے ہوئے اپنے بھیگے پروں سے 'رام' کی راجدھانی پر موتیوں کی ورشا کررہے ہیں۔ ۔

جاپ کرت کوئی نام پربھو کا، پاٹھ کرت کوئی وید رچائیں
شنکھ، گھنٹ اور منتر دھونی سے گونج رہی ہیں دسو دِشائیں

شرتی کیرتی: آہا۔ وہ دیکھو۔ وہ دیکھو، سوریہ ونش کے گورو کے سمان، پوجیہ پتا دشرتھ کی کیرتی کے سمان، ماتا کوشلیا کے سنتان اِسنیہہ کے سمان، رگھوویر کے یَش کے سمان، لکشمن کی رام بھگتی کے سمان سنسار کا سوندریہ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ بہنو۔ درشن کا سمے ہوگیا۔ چلو شری رگھونندن کے چرن کمل میں پرنام کرکے اپنا جنم کرتارتھ کریں۔ ۔

رام نام ہی اوم ہے رام نام ہی وید
رام نام کے پاٹھ سے نشٹ ہوں سارے کھید

مانڈوی:

جگت کتھا نِس سواد ہے رام کتھا رس کھان
رسنا یہ رس پان کر ترپت ہو جاسے پران

اُرملا:

رام نام کے جاپ سے پاوت دھیر اُدھیر
سوکھا کھیت ہرا کرے جیسا ورشا نیر

(گانا)

ہے اُجالا اندھ ے سنسار میں اُس نام کا
دھنیہ وہ رسنا جو گُن گائے سدا شری رام کا
○ہے پران پکھیرو بھج لے تو رام نام جگ میں
رس میں ڈوبی انمولی، بول بول میٹھی بولی
اس بولی سے بڑھ جائے گا تیرا دام جگ میں
دو دن ہے پران کا ڈیرا، کایا ہے رین بسیرا
چھوڑ دے میرا تیرا، جپ لے رام رام جگ میں

انک پہلا— درشیہ دوسرا

راج بھون

(رام اور سیتا کا آکر سنگھاسن پر بیٹھنا۔ بھرت، لکشمن، شترگھن اور اُن کی استریاں مانڈوی، اُرملا، شرتی کیرتی داسیوں سہت اُپستھت ہیں)

(گانا)

جے جے رگھونندن۔ اَشرن شرن سکھ کاری
براجت سنگ میں دیوی سیتا
جن کا جیون سوامی سیوا میں بیتا
سیس نوائیں چرنن پر نُر نر ناری
جگت پال، دشرتھ کے لال، دِین ہین بندھو
رگھوکُل اندرو، کرونا سندھو
دینا ناتھ تیج روپ گُن دھاری

رام: کلیانی۔ آج رام ایودھیا کا راجا اور سیتا اَودھ دیش کی مہیشوری ہے۔ کنتو تمھیں وہ دن بھی یاد ہے جب ہم تم پنچ وٹی میں سفید دھویں جیسے آکاش کے نیچے ورکشوں کی شیتل چھایا اور پھولوں کی سگندھ سے مڑھی ہوئی کُٹی میں سادھارن منشیہ کے سمان رہتے تھے۔ وہ دن کو سوریہ کی پرتبھا اور رات کو چندرما کی جیوتسنا کا گُنجار ورکشوں سے جھانکنا۔ وہ سانجھ سویرے چہچہاتے ہوئے پکشیوں کا پرتھوی پر مدھر راگنیوں کی ورشا کرنا۔ وہ گوداوری کے جل کا تٹ

پر ترنگوں سے تال دے دے کر دھیمے دھیمے سورگیہ راگ گاتا۔ وہ پاس سے بھاگتے ہوئے ہرن اور ہرنیوں کا ہمیں دیکھ کر ٹھٹھک جانا اور گردن پھیر کر سگندھ درشٹی سے ہماری اور تاکنا، یہ سب پنچ وٹی کے کیسے سندر اور الوکک درشیہ تھے۔ مجھے تو کبھی کبھی یہ بھرم ہوتا تھا کہ یہ تپووَن نہیں، سنگیت، کویتا اور بسنت رتو کی جنم بھومی ہے۔

مُکٹ سے بڑھ کے سر کی پُشپ مالا کا اجالا تھا
پرجا تھی وَن کی شوبھا اور سنگھاسن مرگ چھالا تھا
بتاؤ کون اچھا ہے، کہاں سنتوش تھا من میں
ایودھیا کے بھون میں ہے اُدھک آنند یا وَن میں

سیتا: جیون پربھو، آپ کی چرن سیوا ہی سیتا کا دھرم کرم، سیتا کی تپسّیا اور سیتا کے لوک پرلوک کا سُکھ ہے۔

ایودھیا کے بھون سے بڑھ کے نرجن ون کا کونا ہے
جو ان چرنوں کو چھو لے مجھ کو وہ مٹی بھی سونا ہے
محل کا سکھ ہے جنگل میں جو راگھو ساتھ ہیں میرے
وہی دنیا کی شوبھا ہے، جہاں پر ناتھ ہیں میرے

رام: سیتے۔ منگل مئی دیوی، یہ تمھارا پُنیہ پرتاپ ہے جو رام کا ہردے مندر سنیہہ، سُکھ، شانتی کے النکاروں سے سج رہا ہے— اور پر یہ بندھوؤ۔ یہ تمھارے ہی بھرات بھکتی کا پھل ہے جو رام راجیہ کے گورو کا ڈنکا سریو کے تٹ سے برہم لوک تک بج رہا ہے۔

تم سے دشرتھ کُل کی شوبھا، راج کا سمّان ہے
ایسی پتنی، ایسے بھائی بھاگیہ کا وردان ہے
شترگھن باہو کا بَل ہے اور بھرت جیون کا تیج
لکشمن میرا ہردے ہے اور سیتا پران ہے

بھرت: پوجیہ بھراتا۔ آپ کی چرن وندنا ہی ہمارا دھرم ہے۔

شترگھن: آپ کی سیوا ہی ہمارا جیون کرتویہ ہے۔

لکشمن: آپ کی آگیا پالن ہی میں ہمارا موکش ہے۔

رام: بھرات گن۔ جیسے پھل پھول کی اُتپتی ورکش سے اور ورکش کی مضبوطی جڑ سے ہے، ویسے ہی راجیہ کے سکھ شانتی کا آدھار پرجا کی سکھ شانتی پر اور پرجا کی سکھ شانتی کا آدھار راجا کے نیائے پوروک پرجا پالن پر ہے۔

میری اِچھا ہے کہ شاسن دھرم کے انوکول ہو
ٹوک دینا نیائے پالن میں جو مجھ سے بھول ہو
نیائے بل ہے ساتھ تو جے کل بھی ہے اور آج بھی
ہے پرجا کو سکھ تو راجا بھی سکھی ہے راج بھی

بھرت: دین بندھو۔ جیسی آپ کی اِچھا ہے آپ کا راجیہ ویسا ہی منگل مے ہے۔

لکشمن: ؎

وہی من میں، وہی وَن میں وہی آنند شہروں میں
جو سکھ یگ میں نہ ملتا تھا وہ اب ملتا ہے پہروں میں

شترگھن: ؎

اُمنگیں سب کو یوں اپنی ترنگوں میں کھلاتی ہیں
کمل کے پھول جیسے ناچتے ہیں جل کی لہروں میں

(دُرمکھ کا پرویش۔ گھٹنے ٹیک کر کہتا ہے)

دُرمکھ: پرجا پال۔ دین دیال شری راگھو کے کمل چرن میں داس پرنام کرتا ہے۔ لیش پرتاپ کی ورِدھی ہو۔

رام: آؤ۔ مجھے ہر روز پرجا کے سکھ، سنتوش کا شُبھ سماچار سنانے والے پریہ گپت چر آؤ۔ جیسے بوئے ہوئے کھیت کے کنارے کھڑا ہوا کسان جل سے بھرے ہوئے بادلوں کا، جاگ اُٹھا مسافر سوریہ کی پہلی کرن کا رستہ دیکھتا ہے، ویسے

ہی میں بھی تمھارے آنے کی پرتیکشا کر رہا تھا۔ سناؤ پرجا کشل ہے؟ اُسے کوئی دُکھ کوئی استنوش تو نہیں ہے۔

تمھارے شبد یوں آنند دیتے ہیں مرے من کو
بسنت آکر ہنسا دے جس طرح سوکھے ہوئے وَن کو
پرجا ہے لہلہاتا باغ راجا اُس کا مالی ہے
کہو مُکھ سے کہو پھولی پھلی ایک ایک ڈالی ہے

دُرمکھ: دھرم اوتار۔ جو دھرتی آپ کے چرن رج سے پوتر ہو رہی ہے۔ جس بھومی پر آپ کے ہردے گنگا سے دیا دھارائیں بہہ رہی ہوں وہاں دُکھ اور اشانتی کا کیسے نواس ہوسکتا ہے۔

اندھیرا تج شالی سوریہ کے سن مکھ نہیں رہتا
جہاں پر پنیہ رہتا ہے وہاں پر دُکھ نہیں رہتا
ایودھیا کے نگر کو سورگ بھی سُر دھام کہتا ہے
جسے دیکھو وہ جے رگھو بیر، جے شری رام کہتا ہے

رام: تو کوئی دُکھ نہیں ہے؟

درمکھ: کوئی نہیں۔

رام: رام راجیہ کی کہیں نندا نہیں سنی؟

درمکھ: کہیں نہیں۔

رام: اور یدی کسی دن پرجا کے مُکھ سے نِندا سنی تب۔

درمکھ: پربھو۔

رام: اس پرشن کا اُتر پربھو نہیں ہے۔ کہو کہ میرے ہونٹوں دوارا وہ نِندا بھی رام کے کان تک پہنچ جائے گی۔

درمکھ: نندا! شری رام کی نندا!!!

وہ رام جو پاپ کے راون کا اک اک پل میں سنگھار کریں
وہ رام جو اپنے چرنوں سے اس دھرتی کا اُدّھار کریں

وہ رام جو دکھ میں ڈوبوں کو اس بھو ساگر سے پار کریں
وہ رام کہ جس کی شیش، مہیش، سریش سبھی جے کار کریں
اُس رام کی نندا جگت کرے کس طرح پربھو سویکار کریں

رام: یہ کرتویہ پالن نہیں شرڈھا ہے۔ اپنے اور میری آگیا کے بیچ میں شرڈھا کو نہ آنے دو۔ بھرات گن۔ راج سبھا کا سمے ہوگیا۔ چلو پرجا سیوکوں کو سیوا پکار رہی ہے۔

دُرمکھ: بولو۔ مہاپرتاپی شری رام چند کی......

سب: جے۔

(گت)

(شری رام کے ساتھ بھرت، شتروگھن، لکشمن اور درمکھ کا پرستھان۔ پردہ گرنا)

اُرملا: جٹھانی جی۔

سیتا: کیوں دیورانی جی۔

اُرمیلا: مجھے آگیا دو کہ اب میں تمھاری جے پکاروں۔

سیتا: میری جے؟

اُرملا: ہاں۔ سیتا مہارانی کی جے۔

سیتا: میں نے کون سی لنکا جیتی ہے جو میری جے مناؤ گی؟

اُرملا: واستو میں تو تمھاری ہی جے منانی چاہیے۔ کیونکہ تم نے لنکا جیتنے والے کو بھی جیت لیا ہے۔

سیتا: شرتی کیرتی، میں انعام میں تمھیں ایک پیسا دوں گی۔ اس کا اترتم دو۔

شرتی کیرتی: ایک نہیں دس۔ کیوں جی۔

اُرملا: ہاں جی۔

شرتی کیرتی: دھنش نہیں بان نہیں۔ چھری نہیں کھانڈا نہیں۔ پھر انھوں نے کون سے شستر

سے لنکا وجئی راگھو کو جیت لیا؟

مانڈوی: نہیں جانتی؟ اُسی شستر سے جس سے انھوں نے ہمارے بھولے بھالے دیور لکشمن جی کا من جیت لیا ہے۔

ارملا: تم بھی بولیں۔ نہ بولتیں تو کیا کھانا نہ پچتا۔

مانڈوی: بگڑ گئیں۔ دیکھو رونا نہیں۔ اچھا جٹھانی جی بتا دو وہ کون سے شستر تھے؟

سیتا: اُس شستر کے دو نام ہیں۔

اُرملا: کیا؟

سیتا: پتی سیوا اور پتی بھکتی۔

(گاتا)

پتی چرنن میں دھرم کرم ہے، پتی میں دھیان لگانا
روم روم اور سانس سانس پر پریتم کے گن گانا
سب سکھ تجنا، پیہ پیہ بھجنا، پریتم کے گیت سنانا
جیون ناتھ کے سکھ چرنن میں پریم کے پھول چڑھانا
دھرم نہ دوجا۔ سوامی پوجا سے نج مان بڑھانا
وہی ستی ہے جس نے سوامی سیوا میں سکھ جانا

انک پہلا— درشیہ تیسرا

سریو ندی کا تٹ

(سمے پراتہ کال— سریو ندی کے ایک کنارے پر مندر اور گھاٹ اور دوسرے کنارے پر ایودھیا نگری کا درشیہ۔ لوگ اشنان، دھیان پوجا، پاٹھ کر رہے ہیں)

(گانا)

رام نام نش دن سُمرن کر من میں
من سکھ پائے رام نام سُمرن میں
راجا کھوجت رام بھون میں
تیاگی ڈھونڈھت ہیں سُکھ بن میں
سچا سُکھ ہے رام نام میں
بھج لے جب تک پران ہے اس تن میں
ساتھ رہے اور ساتھ ہی جائے
ہے من دھیان لگا اُس دَھن میں
ایسا دَھن شری رام نام ہے
سینت سینت کر رکھ لے جیون میں

ایودھیا واسی 1:

رام نام ہی اوم ہے، رام نام ہی وید
رام نام کا پاٹھ کر نشٹ ہو جا سے کھید

ایودھیا واسی 2: ۔

رام نام کے جاپ سے پاوت دھیر اَدھیر
سوکھا کھیت ہرا کرے جیسے ورشا نیر

ایودھیا واسی 3: ۔

جگت کتھا نس سواد ہے، رام کتھا رس کھان
رسنا یہ رس پان کر ترپت ہوجا سے پران

(دُرمکھ کا پرویش)

دُرمکھ: آہا۔ دھرتی پر سورگ کی شوبھا، منشیہ لوک میں دیولوک کا سکھ، دَرِدرتا، دُربھکش، مہاماری، اکال، مرتیو، اسمانتا، انیائے، اَدھرم سب کو اودھ دیش سے نرواست کردیا گیا ہے۔ باز آکاش میں بھٹکتے ہوئے پکشی کو گھونسلے کا راستہ بتاتا ہے۔ شیر اپنے پنجوں میں جل بھر کر پیاس سے ہانپتے ہوئے مرگ کی ترشا بجھاتا ہے۔ جے ہو ایودھیا بھومی تمھارے لیش پرتاپ کی جے ہو۔

کوئی کہت ہے موکش لوک اور کوئی کہت دیو دھام تمھیں
پنیہ مئی، جننی، کلیانی، شوبھت ہیں سب نام تمھیں
مات سمترا اور کوشلیا، جانت 'لکشمن' رام تمھیں
ہے نگروں میں اُچ 'شرومنی' کوٹی کوٹی پر نام تمھیں

ایودھیا واسی 1: وہ دیکھو بھراتا گن وہ دیکھو آکاش گنگا میں بہتے ہوئے اندر دھنش کے سمان رنگ رنگ کے النکاروں سے شوبھت نوکا، جس کے چرنوں کو سریو کی لہریں بارمبار بھکتی پورک چوم رہی ہیں، اسی طرف چلی آرہی ہے۔

ایودھیا واسی 2: اور جیسے دھرم پستکوں میں وید، گنوں میں ستیہ، کرموں میں پروپکار۔ ویسے ہی بھرت، لکشمن اور شتروگھن کے بیچ شری رام دکھائی دے رہے ہیں۔

— گیت —

(ایک سجی ہوئی سندر نوکا گھاٹ پر سے گزرتی ہے، جس میں شری رام اور سیتا براجمان ہیں اور ان کے سامنے لکشمن، بھرت، شترو گھن آنکھیں نیچے کیے بیٹھے ہیں)

سب: ایودھیا نریش راگھو کی جے۔ جنک سوکماری سیتا مہارانی کی جے۔

رام: پریہ پرجا۔ تمھارے پنیہ تیج سے ایودھیا سرودا پرکاش مان ہو۔

سیتا: تمھارا لوک پرلوک میں کلیان ہو۔

— گت —

(کشتی چلی جاتی ہے)

ایودھیا واسی 1:

ہوگیا مگدھ آتما، من لین ہے اُتساہ میں
ویوگ کے دُکھ بہہ گئے درشن کے سُکھ پرواہ میں

ایودھیا واسی 2:

ہے پربھو، ہر جنم میں سکھ پائیں سریو تیر کا
ہم سب اودھ کی ہوں پرجا اور راجیہ ہو رگھوبیر کا

دُرمکھ: بھرات گن۔ میں تمھارے سوبھاگیہ کو دھنیہ واد دیتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک بجن شری رگھونندن کے پریم کا ادھیکاری ہے۔ سوریہ ونش کے سمراٹوں میں جتنا ہریشچندر کو ستیہ، بھگیرتھ کو پرتگیا، دشرتھ کو بچن پیارا تھا، اُس سے ادھک شری رام کو اپنی پرجا پیاری ہے۔ ـ

جاگرت میں، سوپن میں، سُکھ میں، ہنسی میں، پیار میں
لین رہتے ہیں پرجا ہت اور پرجا اُپکار میں
اپنی اک چھن بھی پرجا چنتا بنا کھوئی نہیں
اس جگت میں رام کو تم سے اُدھک کوئی نہیں

ایودھیا واسی1: نشچے۔ شری رام نے دیا پوروک اودھ واسیوں کے سکھ شانتی کا تھیشٹ اُپائے کیا ہے۔ کنتو شوک ہے کہ انھوں نے اپنی کیرتی اور کل مریادا کے ساتھ گھور انیائے کیا ہے۔

ڈرمکھ: انیائے؟

ایودھیاواسی2: ہاں بھیشن انیائے۔

جس کی جے جے کار سن کر مون ہوا راون کا ڈنکا
جس نے پُل ساگر پر باندھا جیت لی وِش کندھر کی لنکا
جس نے پرشو رام کو جیتا، جس نے شیو دھنش کو توڑا
ایسا نر ناری کے وِش میں جتنا اچرج ہو وہ تھوڑا

ڈرمکھ: نگر نرناری، سنسار کویتا کا ارتھ، سرشٹی کی مدھر راگنی، پرلے تک جاری رہنے والی سکھ کی تان، پُرش جیون کا امرت مئی گیت ہے، کیا ایک سکھ مئی اور کلیان مئی پتنی کا پریم اور آدر کرنا پتی دھرم کے وِپریت ہے؟

ایودھیا واسی 3: نہیں۔

ڈرمکھ: کیا کہا؟

ایودھیاواسی1: کہنا یہ ہے کہ شری رام کا ورتمان وچار پرجا اور لوک مت کے انوسار نہیں ہے۔

ڈرمکھ: اَرتھات؟

ایودھیا واسی1: اَرتھات یہ کہ جو استری دیرگھ سمے تک پر پُرش کے گھر میں رہ آئی ہو اُسے سماج کے نیمانوکول پتی کے گھر میں رہنے کا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔

ڈرمکھ: کیا سوریہ کی کرن دھرتی پر آنے سے میلی ہو جاتی ہے؟ کیا راج بھون کا دیپک کُٹی میں رکھنے سے بجھ جاتا ہے؟ کیا گنگا کا جل کلسے میں بھر کر دوسری جگہ لے جانے سے اپنی مہما کھو دیتا ہے؟

پوتر اور شبھ چرتر، اس لوک میں ہے بھگوتی سیتا
جگت جننی ہے سیتا، لکشمی سیتا، ستی سیتا

نہ تو ماتیشوری سیتا، نہ وہ سیتا کی چھایا تھی
جسے ہر لے گیا راون، وہ کیول ایک مایا تھی

ایودھیا واسی3: کیا کہا مایا؟

دُرمکھ: ہاں سیتا روپی مایا جس کے چرنوں پر لنکیش نے سدا ماتا کہہ کر شیش نوایا۔

شترو کا روپ دھارا تھا، دکھانے کے لیے
شستر اٹھائے ہاتھ میں کیول بہانے کے لیے
جانتے ہو کیوں کیا راون نے سیتا کا ہرن
رام کے ہاتھوں سے مر کر موکش پانے کے لیے

ایودھیا واسی3: مہاشے دُرمکھ جی۔ لنکا کی اشوک واٹیکا میں مایا رہی ہو یا جنک سُکماری۔ دشانن لنکیش کامی ہو یا سداچاری۔ کنتو سیتا کو گرہن کرنا نشچے بھول ہے۔ کارن کہ جنتا کا وچار سیتا کے پرتی کول ہے۔

دُرمکھ: کنتو راون وِجئی شری رام نے اگنی پریکشا لینے کے پشچات پوجیہ نیہ سیتا کو سویکار کیا۔

ایوزھیاواسی2: یہ ایودھیا کی نہیں لنکا کی گھٹنا ہے۔

دُرمکھ: اس لیے؟

ایودھیا واسی2: اس لیے جس نے آنکھوں سے نہیں دیکھا اُس کے سنتوش کا کارن نہیں ہو سکتی۔

دُرمکھ: نشچے تم نے مہادیوی سیتا کی اگنی پریکشا کو نہیں دیکھا۔ لیکن سویم اگنی دیو نے دیکھا، دیوتاؤں نے دیکھا، آکاش نے دیکھا، پرتھوی نے دیکھا، دسوں دشاؤں نے دیکھا اور سب نے سمِلت شبدوں میں ساکشی دی۔

سوندریہ کی کمی ہے نہ لیش کا ابھاؤ ہے
جیسا ہے روپ ویسا ہی گن اور سبھاؤ ہے
پرنام یوگیہ جگت جننی کے چرتر ہیں
سیتا ستی ہیں، دوش رہت ہیں، پوتر ہیں

ایودھیا واسی2: شما کرنا، اس ساکشی سے کیول شرِدھا چپ ہوسکتی ہے، بولنے والوں کا دو یک چپ نہیں ہوسکتا۔

(سب اِدھر اُدھر جاتے ہیں)

دُرمکھ: یہ میں نے کیا سنا۔ متھلا کی سکماری، دشرتھ کی دُلاری، رام کی پیاری، جگت کی آدرش ناری کے وِرُدھ کیا سنا۔ وہ سیتا جس کے چرنوں میں پرنام کرنے سے دیوتاؤں کا اُدّھار ہوتا ہے۔ وہ سیتا جس کا نام لینے سے منشیہ بھو ساگر سے پار ہوتا ہے۔ وہ سیتا جس کے لَش اور پنیہ کا پرلے تک بکھان ہوگا۔ وہ سیتا جس کا چرتر سن کر آریاورت کی ستیوں کا کلیان ہوگا اُس سیتا کے لیے ایسے وِچار۔ دِھکار۔ دِھکار۔ بولنے والے تجھ پر لاکھ لاکھ دھکار۔

یدی ایشور کا نیم کچھ وِشے ہے
یدی پنیہ کا سوریہ پرکاش ے ہے
یدی کال اور ناش سے دھرم ابھے ہے
یدی انت میں ستیہ ہی کی وجے ہے
تو دنیا کہے گی کہ سیتا ستی ہے
نمسکار اُسے رام جس کا پتی ہے

(رَجک (دھوبی) اور رَجکی (دھوبن) کا پرویش)

رَجکی: شما کرو۔ شما کرو۔ ناتھ اپنی داسی کو شما کرو۔

رَجک: شما کروں؟ پشپ لتا کا روپ دھارن کی ہوئی کٹاری کو۔ پتی آگیا اُلنگھن کرنے والی ناری کو؟

رَجکی: میں اِس اَپرادھ کے لیے ہاتھ جوڑ کر شادان مانگتی ہوں۔

رَجک: میں اِس دان میں تجھ کو اپنی آنترک گھرنا اور ترسکار دیتا ہوں۔

نہ وہ ملتا ہے سولی سے نہ گھاتک کی کٹاری سے
جو دُکھ ملتا ہے اس سنسار میں اک دُشٹ ناری سے
مرتیو مول لینا، چھل کپٹ کو مان دینا ہے
شما کرنا تجھے وِش کی چھری پر سان دینا ہے

رجنی: ناتھ نشچے میری بھول تھی جو ماتا جی کی بیماری کا سماچار سن کر تم سے آگیا لیے بنا پترالیہ چلی گئی۔ کنتو ایسی سادھارن بھول کے لیے ایسا بھیشن دنڈ دینا تمھیں اُچت نہیں ہے۔

رجک: پتی کی اُپرسنّا کو ٹھکرانا، پتی کی آگیا بنا پتی کے گھر سے چلے جانا اور پھر چھن دو چھن نہیں پورے دو دن اور دو راتیں بتا کر گھر آنا، یہ سادھارن بھول ہے؟ یہ سامانیہ اُپرادھ ہے؟

اِس یُگ میں کیا آکاش نج استھل سے ٹل گیا
تریتا میں کیا وِدھان جگت کا بدل گیا
چُٹکی کا تیر، مکھ کا وچن، استری کا پاؤں
نکلا جو ایک بار سدا کو نکل گیا

رجنی: سوامی یدی میرا اُپرادھ شما یوگیہ نہیں ہے تو تمھارے ہاتھ سے مرنا اپنا سوبھاگیہ سمجھوں گی۔ مجھے چھری مار کر، گلا گھونٹ کر، وِش دے کر مار ڈالو، کنتو اپنی شرن اور اپنے گھر سے مت نکالو۔

رجک: میرے گھر کا دروازہ سدا کو تیرے لیے بند ہوچکا۔ میں نے تجھے اپنے گھر اور اپنے من دونوں سے نکال باہر کیا۔ پاپنی جا چلی جا۔

رجنی: کہاں جاؤں۔ پران یہاں ہیں تو جیون شونیہ دیہہ لے کر کہاں جاؤں۔

پتی پوجا، پتی سیوا، یہی ہے کام پتنی کا
پتی کے پاؤں کے نیچے ہے مکتی دھام پتنی کا
مرے جیون، مرے سکھ، مرے سورگ اور دیوتا تم ہو
یہاں بھی آسرا تم ہو، وہاں بھی آسرا تم ہو

رجک: ببول کے ورکش سے سگندھت پھولوں کی کیوں آشا کررہی ہو؟ میرے پاس اب تیرے لیے مان، پریم، دیا کچھ نہیں ہے۔

رجکی: نہیں نہیں۔ ایک ابلا دُربلا کے لیے اتنے کٹھور نہ بنو؟

کوئی شرن نہیں ہے رکھو اپنی چھاؤں میں
پربھو میں ہاتھ جوڑ کے گرتی ہوں پاؤں میں

(رجکی پاؤں پر گرتی ہے)

رجک: یہ پتھر کا ہردے ہے شکر کا ٹکڑا نہیں ہے جو تیرے نیتر جل میں گھل جائے۔ دُشٹا دور ہو۔

(لات مارتا ہے)

دُرمکھ: یہ کیا! کیا تریتا میں کل یگ آگیا جو پُرش کے ہاتھوں استری کا اَپمان ہو رہا ہے۔

رجکی: (اُٹھ کر) ناتھ، سوامی! کیا سچ مچ پتھر ہی بن گئے۔

رجک: ہاں۔

رجکی: نہیں دیا کرو گے؟

رجک: نہیں۔

رجکی: اپنے گھر میں نہیں رہنے دو گے؟

رجک: نہیں۔نہیں۔

پتی کے گھر کو اپنے یگیہ رکھا ہی کہاں تونے
پلٹ کر جا وہیں دو دن بتائے ہیں جہاں تونے

رجکی: ناتھ ایسا کٹھور نرنے نیائے کا اَپمان ہے۔ کہو کہو۔ اپنی اَردھانگنی کو تُچھ بھول پر تیاگ دینا ہندو دھرم کے کس شاستر کا ودھان ہے۔

رجک: ہویا نہ ہو۔ لیکن وہی ہوگا جو ایک مرتبہ میں نے وچار کرلیا۔ کیا تونے مجھے

بھی 'رام' سمجھ رکھا ہے جنھوں نے راون کے گھر سے آئی سیتا کو سویکار کرلیا۔

دُرمکھ: اُف پھر وہی بات۔ پھر وہی وَجر پات۔

رَجک: ے

تجھ کو چاہوں کالما چھائی ہے جس کے کام پر
تجھ کو پھر گھر میں رکھوں دھبّا ہے جس کے نام پر
مت سمجھ یوں ہی مجھے بھی موہ لیں گے تیرے منتر
چل گیا ہے جس طرح سیتا کا جادو رام پر

دُرمکھ: (سامنے آکر) ساوَدھان۔ دُشٹ، دراتما، تو مہاپرتاپی شری رام کے لیے پاگلوں کی طرح کیا بک رہا ہے؟

رجک: وہی جس کا ایودھیا کی گلی گلی میں چرچا ہورہا ہے۔

سیتا کو دیکھ کے جیتے ہیں دو دن بھی نہ اُس بن بیت سکے
راون کو رام نے جیت لیا پر ناری موہ نہ جیت سکے

— گت —

(رجک چلا جاتا ہے)

دُرمکھ: یہ کون ہے؟ منشیہ کہ راکشس؟

رجکی: جگت رچتا برہما دیکھ لی تمھاری دنیا، دیکھ لیے تمھارے بنائے ہوئے پُرش، دیکھ لیا ان پُرشوں کا وِدھان۔ وہ ناری جاتی جو ان پُرشوں کو ماتا بن کر جنم دیتی ہے۔ بھگنی بن کر جان چھڑکتی ہے، کنیا بن کر آگیا پالتی ہے، پتنی بن کر نہہ سوارتھ سیوا کرتی ہے، وہ ناری جاتی جو غریبی میں سنتوش سکھاتی، نراشا میں ساہس بڑھاتی، دکھ میں ڈھارس بندھاتی اور بیماری میں اپنا سکھ اور نیند تج کے پلنگ کے پائنتی بیٹھ کر پہاڑ جیسی لمبی راتیں آنکھوں میں کاٹ دیتی ہے۔

اُسی ناری کا یہ نرم پُرش اپمان کرتے ہیں
اسی ناری کا یہ نج سوارتھ پر بلیدان کرتے ہیں
یہی ہے دھرم پُرشوں کا یہی کیا ان کی ریتی ہے
اسی کو نیائے کہتے ہیں تو کس کا نام انیتی ہے

دُرمکھ: مند بھاگنی ناری۔ ایک پتت پُرش کے لیے سمست پُرش جاتی کو ہردے ہین نہ سمجھو۔ ہندو دھرم میں استری کو دیوی کی پدوی دی گئی ہے۔ لکشمی، پاروتی، سرسوتی، دُرگا، گنگا، یہ سب استریاں ہی ہیں، جن کے چرنوں میں ہر روز شیش نوا کر سارا آریاورت نمسکار کرتا ہے وہ ہندو ہی نہیں جو استری جاتی کا اپمان اور ترسکار کرتا ہے۔

رجکی: بس اب میں کسی سے سانتونا اور سہانوبھوتی نہیں چاہتی۔ اس ہردے کی جلتی ہوئی چتا میں کیوں ایندھن جھونکنے آئے ہو۔ تم کون ہو؟

دُرمکھ: میں دُرمکھ نامی شری رام چندر کا گپت چر ہوں۔ یدی تمھارے پتی کو تمھاری اُپستھتی اپنے گھر میں اَسویکار ہے تو چلو میرے گھر کی چھت سنیہہ مئی ماتا کے آنچل سمان تمھیں اپنی چھایا میں لینے کو تیار ہے۔

سمجھنا تم پتی کے گھر سے پترالیہ میں آئی ہوں
جگت میں اس گھڑی سے تم بہن ہو اور میں بھائی ہوں

رجکی: بھائی، پتا، پتر سب پُرش ہیں۔ اب میں کسی پُرش کا وشواس نہیں کرتی، کسی پُرش کی سہایتا نہیں چاہتی۔ جاؤ چلے جاؤ ہٹ جاؤ۔

جیتے جی جلنا لکھا ہے استری کے بھاگ میں
پھاندتی ہے جو پُرش کی پریم روپی آگ میں
ستیہ روپی چھل کھلتا پُرش روپی پاپ ہے
اس جگت پر پُرش جاتی ایشور کا شراپ ہے

دُرمکھ: بنا شرن اور سہایتا کے تم کیا کرو گی؟ اور کہاں جاؤ گی؟

رجکی: کیا کروں گی؟ کہاں جاؤں گی؟ سنو، سنو۔ میں سوریہ کی کرن بن کر چھتوں سے

اور ہوا بن کر دروازوں سے ہر ایک گھر میں پرویش کروں گی اور اپنی استری جاتی سے کہوں گی کہ پُرش انیائی، نرمم اور وشواس گھاتک ہیں۔ یہ استریوں کو بھوگ ولاس کی سامگری، جی بہلانے کا کھلونا، روٹی کپڑے پر مول لی ہوئی داسی، کٹُمب اور بچوں کی سیوا کرنے والی داسی، گھر کی وستوؤں میں ایک سادھارن وستو سمجھنے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے۔ استری کے دُکھ کو دُکھ نہ سمجھنا ہی ان کی مہانتا اور استری کا دل توڑنا ہی ان کی سب سے بڑی ویرتا ہے۔ اس لیے ان سوارتھی پُرشوں سے اپنی شردھا اور وشواس واپس لے لو۔ انھیں اپنے گربھ سے جنم مت مدو۔ ان کی سنتان کو اپنی گود سے پھینک دو۔ ان کے پریم کو گھرنا کی ٹھوکر مار کر ان کے پُرش ہونے کے ابھیمان کو چور چور کردو۔

ڈسنے والے سانپ سے بڑھ کر پُرش ہیں گھاتکی
ان کا پریم اور مسکرانا دھوپ ہے برسات کی
یہ بھی جھوٹے، اور جھوٹا ان کا آدر پیار ہے
آؤ سب بہنیں کہیں، دھکار ہے، دھکار ہے

— گت —

انک پہلا — درشیہ چوتھا

راج بھون کا ایک بھاگ

(گاتا)

کیسے جادو بھرے، کارے کارے نینوا
اس دو دھاری کٹاری کو روکنا
نینا باندھے کٹار، مارے کاجل کی دھار
کیسے روکوں ترچھی نظر کا وار
اس دو دھاری......
بھونہیں تانیں کمان ماریں نینا کے بان
دو دو بیری سے کیسے بچے گی آج جان
دیکھو دیکھو ہو نہ جائے جگر کے پار
اس دو دھاری......

لکشمن: ہردیشوری۔ اَست ہوتے ہوئے سوریہ کا درشیہ بھی کیسا وچتر ہے۔ جیسے دن بھر کا تھکا ہوا شکاری سانجھ کے سمے گھوڑے کی کھرجین میں شکار لٹکا کر گھر کی طرف جاتا ہے، ویسے ہی سوریہ کا رتھ اپنے وشرام بھون کی اور بڑھ رہا ہے اور دن کی شوبھا پہیوں سے بندھی ہوئی رتھ کے ساتھ ساتھ گھسٹتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔

اُرملا: ناتھ آپ ویر ہیں، اس لیے آپ کے اَلنکار اور اُپماؤں میں بھی ویر رس جھلک رہا ہے۔

لکشمن: تب پریے۔ کس طرح ورنن کرنا چاہیے؟

اُرملا: سنیے۔ است ہوتا ہوا سوریہ پرتھوی سے گلے مل کر اِس طرح وداع ہو رہا ہے جیسے آپ پتا اور ماتاؤں کے چرنوں میں انتم پرنام کر کے شری رام اور سیتاجی کے ساتھ وَن کو پدھارے تھے اور اب تھوڑی دیر میں نیلے آکاش پر تارے اسی طرح دکھائی دیں گے جس طرح شری رام کے ویوگ میں ایودھیا واسیوں کی آنکھوں میں آنسو دکھائی دیتے تھے۔

لکشمن: سہاسنی۔ تمھارے پاس آکاش جیسی اُچ کلپنا، ساگر کے بہاؤ جیسی ورنن شکتی، ریشم کے لڑھکتے ہوئے موتی جیسے شبد اور انگوٹھی میں جڑے ہوئے رتنوں جیسے النکار سب ہی کچھ موجود ہے۔ تم چاہو تو اچھی سے اچھی کویتا لکھ سکتی ہو۔ میں تمھیں آج سے اُرملا کے بدلے اُرملا کوی کہا کروں گا۔

اُرملا: پران ولبھ۔ آپ جانتے ہیں لوہا ایک جڑ وستو ہے مگر جب یہی وستو آگ میں تپ کر گھن سے کٹ کر ینتر میں کھنچ کر ستار کے تاروں کا روپ دھارن کر لیتی ہے تو ذرا سی ٹھیس کے ساتھ اس سے مدھر راگنیوں کی دھارائیں بہہ نکلتی ہیں۔ ٹھیک اُسی طرح پریم کی آگ اور وِرہ کی چوٹ ہردے کو کومل بنا کر اس کی دھڑکن اور اس کے بھاؤں کو کویتا میں بدل دیتی ہے۔

لکشمن: تب دنیا میں جتنے پریمی ہیں اُن سب کو کوی کہنا چاہیے۔

اُرملا: نشچے، پریم اور کویتا ایک ہی شبد ہے جو پریمی ہوگا وہ کوی ضرور ہوگا۔

لکشمن: پریہ، سچ کہتی ہو۔ شرمائی ہوئی کنیا کی طرح سفید بالوں کے گھونگھٹ سے جھانکتا ہوا چندرما، رنگ کے پیالے میں سگندھ کا نشہ پی کر جھومتے ہوئے پھول، آنند کے تان کی طرح لہراتی ہوئی ندیاں، پُرش کا پریم، ناری کا ہردے، بچے کی مسکراہٹ یہی سب پرماتما کی بنائی ہوئی کویتائیں ہیں، جن کا ارتھ سچا پریمی سچا کوی ہی سمجھ سکتا ہے۔

اس جگت کی ساری رچنا پریم ہی کا کھیل ہے
پریم ہی سے آگ، جل، مٹی، پون میں میل ہے

پریم میں کیا بَل ہے؟ اس کا ہے یہی پرمان ایک
اُرملا اور لکشمن کے دیہہ دو ہیں پران ایک

(ایک دوسرے کے گلے لگتے ہیں۔ اسی سمے اُرملا کو بلانے کے لیے شرتی کیرتی اور مانڈوی آجاتی ہیں)

شرتی کیرتی: اُرملا بہن۔ میں تمھیں کب سے ڈھونڈھ رہی...... (لکشمن کو دیکھ کر) ارے!

مانڈوی: (گھبرا کر) شرتی کیرتی بھاگو۔

لکشمن: کیوں بہن لوٹ کیوں چلیں۔ کچھ کہنے آئی تھیں؟

شری کیرتی: (شرما کر) میں...... میں (من میں) میں کے آگے تو کچھ یاد ہی نہیں آتا۔ کیا کہوں؟

لکشمن: مانڈوی بہن۔ بولو نہ کیسے آئیں؟

مانڈوی: اُرملا بہن کو ایک چھوی دکھانی تھی۔

لکشمن: (اُرملا سے) جاؤ۔ (جاتے جاتے من میں) واہ رے بھاگیہ۔ ابھی دو گھونٹ بھی نہیں پیے تھے کہ شربت کا پیالا ہی چھن گیا۔ (لکشمن کا پرستھان)

اُرملا: بہن چلو۔

شرتی کیرتی: ہوں۔ دل میں تو کہتی ہوگی کہ اس سمے یہ دونوں کہاں سے بلانے آگئیں اور منھ سے کہتی ہیں۔ چل...... لو۔

مانڈوی: اوف فو۔ تم تو پہلے جتنی بھولی تھیں اتنی اب چتر بن گئی ہو۔

اُرملا: جٹھانی جی۔ میں نے کیا چترائی کی؟

مانڈوی: من سے پوچھو، من سے۔ پہلے تو دیور جی سے سامنا ہوتے ہی شکاری کو دیکھ کر ڈر گئی ہوئی ہرنی کی طرح گھبرا اٹھتی تھیں اور جھٹ ساڑی کا آنچل منھ پر کھینچ کر دبے پاؤں کھسک جاتی تھیں۔

شرتی کیرتی: اور اب انھیں کے ساتھ دودھ شکر کی طرح گھل مل کر چھپ چھپ کے گھنٹوں باتیں ہوا کرتی ہیں۔

مانڈوی: اور باتیں بھی اتنی جن کا ساگر کی لہروں کی طرح انت ہی نہیں ہوتا۔

شرتی کیرتی: ذرا ہمیں بھی تو سناؤ کیا باتیں ہو رہی تھیں؟

مانڈوی: اجی اور کون سی باتیں ہوں گی۔ وہی جو پریمی اور پریمکا میں ہوا کرتی ہیں۔

شرتی کیرتی: پریمی اور پریمکا میں کس طرح باتیں ہوتی ہیں؟

مانڈوی: سنو۔ سامنا ہوتے ہی دیور جی نے مسکرا کر پریم رس میں ڈوبے ہوئے سر میں پکارا ہوگا۔ پریے۔ تب انھوں نے دانت سے ناخن کاٹتے ہوئے آنکھیں نیچی کرکے اُتر دیا ہوگا۔ ناتھ۔

شرتی کیرتی: پھر؟

مانڈوی: پھر دیور جی نے اِن کا شیش اپنے کاندھے پر رکھ کر اور ہر سانس کے ساتھ دبتے ابھرتے سینے پر لہراتی ہوئی موتیوں کی مالا کو اپنی انگلیوں میں لپیٹ کر کہا ہوگا۔

شرتی کیرتی: کیا کہا ہوگا؟

مانڈوی: بھدرے، تمھیں میری ہردیشور ہو۔

شرتی کیرتی: تب انھوں نے کیا کہا ہوگا؟

مانڈوی: تب دیور جی کے گلے میں اپنی گوری گوری کلائیوں کا ہار پہنا کر، تھوڑا گھونگھٹ سرکا کر، لمبی لمبی پلکوں کی چھایا میں آدھی سوتی اور آدھی جاگتی ہوئی آنکھوں سے ٹکٹکی جما کر یہ بولی ہوگی۔

شرتی کیرتی: کیا بولی ہوں گی؟

مانڈوی: آریہ تمھیں میرے ہردیشور ہو۔

شرتی کیرتی: اس کے آگے۔

مانڈوی: اس کے آگے کی بات میں نہیں جانتی۔

شرتی کیرتی: کارن۔

مانڈوی: کارن یہ کہ پھر مکھ کے بدلے ہردے سے باتیں ہوتی ہیں اور ہردے کی بھاشا کو ہردیشوری اور ہردیشور ہی سمجھ سکتے ہیں۔

شرتی کیرتی: چپ چپ سیتا جی آ رہی ہیں۔

(داسیوں کے ساتھ سیتا جی کا پرویش)

— گانا —

بانکے بانکے نینا ہیں کیا پربل بان چلانے میں
ایسے سندر سور سپاہی دیکھے نہیں زمانے میں
جھلک رہا ہے جوانی کا رنگ گالوں میں
بھرا ہے روپ کا امرت گلابی پیالوں میں
ہیں کالے بھوؤں کے تلے یہ مست آنکھیں
کہ براجمان ہیں دو دیویاں شوالوں میں
سن کے ہم سے روپ کہانی کیوں اتنی شرماوت ہے
تاہی بھاوت چھیڑ یہ موہ لیت شرمانے میں

سیتا: بھگوان۔ سیتا تم سے کوئی وردان نہیں مانگتی۔ اس کی کیول ایک ہی پرارتھنا ہے۔

اک ایک سانس لین ہو ستیہ اور سنیہہ میں
سوامی کا پریم پران کے بدلے ہو دیہہ میں
بھکتی بنا نہ دیہہ نہ ہیں پران کام کے
جیون وہی جو شیش ہوں چرنوں میں رام کے

مانڈوی: جے ہو۔ اس پنیہ پرتما کی جے ہو۔

مکھ پرکاش، گُن تیج سے رگھوکل جگ مگ ہوت
جیسے گنگا نیر میں چمکے چندر کی جوت

شرتی کیرتی:۔

سندر من کے بھاؤ ہیں سندر اک اک انگ
راج بھون کا پھول تم گُن، سگندھ اور رنگ

اُرملا:

روپ سے سندر گُن اَدِھک، گُن سے بڑھ کر روپ
کون کہے ان دونوں میں کس کا روپ انوپ

سیتا: بہنو۔ تم سدا میری پرشنسا ہی کرتی رہتی ہو۔ پاتر دیکھ کر دان دینا چاہیے۔ میں ان شبدوں کے یوگیہ نہیں ہوں۔

مانڈوی: تمھاری پرشنسا سے پرشنسا کے شبد بھی پوتر ہوجاتے ہیں۔ میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ ماتر بھاشا میں جتنی وچتر اپمائیں اور جتنے سندر شبد ہیں۔ سب اس روپ اور گن کی پرشنسا میں خرچ کردوں۔

سیتا: نا بہن۔ ایسا نہ کرنا۔ تم نے سب النکار اور اُپمائیں خرچ کردیں تو بچاری بھاشا کنگال ہوجائے گی۔

اُرملا: جب تک کویوں کی کلپنا کنگال نہ ہوجائے تب تک بھاشا کنگال نہیں ہوسکتی۔

شرتی کیرتی: وہ ستی روپ اور گُن کی نئی نئی اپمائیں رچ کر پھر بھاشا کے جھومر میں ہزاروں ہیرے جڑدیں گے۔

سیتا: کنتو بہنو۔

کیا یہ شبد اور کلپنائیں ہیں لٹانے کے لیے
کچھ تو دھن رہنے دو کویوں کے خزانے کے لیے
یاد ہی آتا نہیں کچھ روپ اور گُن کے سوا
اور بھی ساہتیہ میں ہیں راگ اس دُھن کے سوا

اُرملا: تو تمھاری یہ اِچھا ہے کہ اس روپ اور گُن کا ورنن چھوڑ کر ہم اور باتیں کریں۔

سیتا: بڑی کرپا!

اُرملا: اچھا بہنو سنو۔ میں تمھیں ایک وِچتر بات سناتی ہوں۔ جانتی ہو لکشمی جی کہاں رہتی ہیں؟

مانڈوی: شیر ساگر میں۔

اُرملا: نا___

شرتی کیرتی: دیولوک—

ارملا: نا—

مانڈوی: وشنو دھام میں—

ارملا: نا—

شرتی کیرتی: پھر؟

ارملا: وہ آج کل ناری کا روپ دھارن کرکے ایودھیا میں رہتی ہے۔

شرتی کیرتی: دھنیہ بھاگیہ۔ ایودھیا تیرے دھنیہ بھاگیہ۔

مانڈوی: کتنو بہن۔ جب انھوں نے ناری کا روپ دھارن کیا ہے تو منشیہ لوک کی ناریوں جیسا کوئی نام بھی دھارن کیا ہوگا۔

اُرملا: ہاں۔ وشنو لوک میں ان کا نام تھا دیوی لکشمی اور مانوی لوک میں ان کا نام ہے ستی سیتا۔

سیتا: —

تم اپنی دُھن کی پکی ہو، جو بات کہی بیکار گئی
بس اور نہ اب کچھ بولوں گی تم جیت گئیں میں ہار گئی

— گانا —

کیسی سندر شان۔ پیاری آن بان
سن سن کے بات لاگت ہیں بان
شُبھ انگ انگ پھولن کا رنگ
سُکھ کی ترنگ ہے رگ رگ میں
ہردے میں گنگ، گُنو تیج سنگ
یہ روپ ڈھنگ ناہیں جگ میں
رہنے دو بس اب یہ باتیں
بار بار کا ہے سُنات ہو

مدھر بین، امرت سمان۔ کیسی سُندر

(سب کا پرستھان۔ اتھاہ دکھ کے ساتھ سر جھکائے سوچتے ہوئے دُرمکھ کا پرویش)

دُرمکھ: کیسے کُھرِت شبد تھے۔ سنتے ہی وایولاج سے ورکش کے پتوں میں منھ چھپانے لگی۔ دھرتی پتھرائی ہوئی آنکھ کی طرح اِستبدھ ہوگئی۔ بولنے والے پر ٹوٹ پڑنے کے لیے آکاش کی جڑیں چرچرانے لگیں۔ کیا کروں۔ وہ بات جس کا سننا پاپ، یاد رکھنا پاپ، دہرانا پاپ ہے۔ کہتا ہوں تو ہردے کو گھور سنتاپ ہوتا ہے۔ نہیں کہتا تو رام کے وشواس کو دھوکا دینے کا پاپ ہوتا ہے۔

بھید اور بچھو کے ڈنک جیسے ہر ایک اکشر میں ویدنا ہے
یہ بات رگھو ویر کو سنانا ہردے کو رسنا سے چھیدنا ہے

(شری رام کا پُنہ پرویش)

رام: کون؟ دُرمکھ۔ تم آئے؟ سناؤ کیا سماچار لائے؟ ہیں بولتے کیوں نہیں۔ اُتر دینے کے بدلے دھیمی سانس لے کر سر کیوں جھکا لیا؟

دُرمکھ: سوامی......

رام: پھر چپ ہوگئے۔

دُرمکھ: پربھو، ایودھیا کی پرجا کتے سے بھونکنا، گدھ سے کلیجہ نوچنا اور بھیڑیے سے ہردے میں دانت چبھانا سیکھ کر منشیہ سے پشو بن گئی ہے۔

سیوا ہی یاد ہے نہ اسے پیار آپ کا
یہ آج بھول بیٹھی ہے اُپکار آپ کا
اس کے ہر اک وچار میں کالے کی لہر ہے
باتوں میں اس کی ڈنک ہے ہونٹوں میں زہر ہے

رام: دُرمکھ، دھرم انویائی پُرش کو ستیہ سن کر کرودھ نہ کرنا چاہیے۔ کیا پرجا کے مکھ سے کوئی کڑوی بات سنی؟

دُرمکھ: شما کیجیے پربھو، شما کیجیے۔ شبد گلے میں پھنستے اور ہونٹ سوکھے جاتے ہیں۔ جو سنا، نہیں کہہ سکتا۔

رام: تب تم نشچے میری آگیا بھول گئے۔ پھر سنو۔ میں کیول اپنی پرشنسا ہی سننا نہیں چاہتا، دوش بھی جاننا چاہتا ہوں۔ بولو۔ کیا میرے کسی وچار یا راج نیتی سے پرجا میں اساودھانی ہے؟

درمکھ: پرجا کہتی ہے کہ سیتا ہرن کے بعد شری رام کا پھر سیتا کو گرہن کرنا...... یہ...... لوک مت اور سماج نیم کی ہانی ہے۔

رام: دُرمکھ! درمکھ؟

درمکھ سوامی......

رام: یہ کیا کہا؟

درمکھ: جو نہ کہنا چاہتا تھا۔

رام: کیا پرجا کو سیتا کے شُدھ چرتر اور پوتر ہونے میں سندیہہ ہے؟

درمکھ: اس پرجا کے ہردے میں نہ دیا ہے، نہ اسنیہہ ہے۔

رام: یہ اِس کے مکھ سے کیا نکلا؟

درمکھ: وش اور آگ۔

رام: وہ رام سے کیا چاہتی ہے؟

درمکھ: رام پریے سیتا کا تیاگ۔

رام: چپ۔ انیائی گھاتک چلا جا، دور ہوجا۔ تو میری پرجا کی نندا کرتا ہے۔

درمکھ: پربھو۔ میں۔

رام: ہاں۔ تو۔ تو کیا میں تیرے کہنے سے یہ مان لوں کہ آج سریو اُلٹی بہہ رہی ہے؟ ایودھیا رساتل میں جارہی ہے۔ پرلے کے ہاتھوں سرشٹی کی چتا تیار ہورہی ہے۔ نشچے تجھ کو کسی چھلیے نے بھرمایا ہے۔ سویکار کر کہ تونے پرجا کے شبدوں کا ارتھ سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے۔

درمکھ: دیاندھان۔ انھوں نے جو بھی کہا، پانی جیسی سرل بھاشا میں کہا۔

رام: تب...... تب جو تو سمجھا۔ یہی اُن کے شبدوں کا اَرتھ ہے؟ پتی پتنی کا ویوگ، یہی ان کی کامنا ہے۔ ارے بتا بتا۔ رام نے اس پرجا کی رکشا اور سیوا میں کون سی کمی کی ہے؟ کلیان مئی سیتا نے اس پرجا کا کون سا دَھن، کون سا سُکھ لوٹ لیا ہے، جس کا یہ پرجا رام اور سیتا سے بدلہ لینا چاہتی ہے؟ ؎

یہی ہیں وہ جو اِن چرنوں کو مکتی دھام کہتے تھے
یہی ہیں رام کو جو جان کا آرام کہتے تھے
اسی کا نام شردھا ہے اسی کا نام بھکتی ہے
یہی مُکھ ہے کہ جس سے رام پیارے رام کہتے تھے

دُرمکھ: بھگون۔ جیسے گھٹاؤں سے منشیہ جیون، مایا سے سنسار، برہم سے برہمانڈ پری پورن ہے ویسے ہی آپ کا آدر اور پریم پرجا کے ایک ایک پرمانوں میں ویاپک ہے۔ کنتو......

رام: بس۔ یدی کنتو کے آگے یہ بولنا ہے کہ پرجا کو سیتا کے ستیہ پر وشواس نہیں ہے تو منھ بند رکھو۔ میں نیل کنٹھ مہادیو کی طرح وِش کا پیالا پی سکتا ہوں، مگر تیاگ شبد کا زہری گھونٹ نہیں پی سکتا۔ میں اپنے پورو پُرش آریہ ورت بھوشن مہاراج ہرش چندر کے سمان اپنا سکھ، دھن، دھام، راج، پاٹ سب چھوڑ سکتا ہوں۔ پرنتو پتی پرائنا سیتا کو نہیں تج سکتا۔ ؎

رام کا سُکھ، شانتی، جیون ہے سیتا نام میں
پران بن کر پریہ سیتا رم رہی ہے رام میں
ایک پل بھی جانکی سمرن بن بیتا نہیں
کس طرح جیتا رہے گا رام، اگر سیتا نہیں

درمکھ: (خود کلامی) پاپی درمکھ تونے یہ کیا کیا۔ تونے دانتوں سے جھوا کو کیوں نہ کچل دیا۔ ؎

گھائل کیا ہے دُشٹ نے سوامی کے پران کو
کیوں کاٹ کر نہ پھینک دیا اس زبان کو

رام: آہ آہ۔ وہ سیتا جو بھکتنی کے سمان اٹل وشواس، اگادھ پریم، اکشے بھکتی کے ساتھ سدا میری آرادھنا کرتی رہی ہے۔ وہ سیتا جو دکھ میں، سکھ میں، آشا میں، نراشا میں، بھون میں، ون میں، سمرت جیون میں میری سم بھاگنی رہی ہے، اُسے نرمم بن کر تج دوں۔ اس پریمی اور بھولی سیتا کو تیاگ دوں۔ تیاگنا ہی تھا تو متھلا نریش جنک کی سبھا میں کیلاش پتی شنکر کا دھنش توڑ کر سیتا کے ہاتھوں سے ور مالا کیوں پہنی۔ اُسے بنا کارن چودہ ورش تک ون واسی بننے کا کشٹ کیوں دیا۔ اس سے بچھڑ جانے پر اُس کے ویوگ میں بادل کی طرح جنگل جنگل کیوں روتا پھرا۔ اُس کی پراپتی کے لیے سگریو، انگد، ہنومان کے ہزاروں ساتھیوں، سمبندھیوں کا کیوں رَکت پات کرایا۔ اس کے لیے کُمبھ کرن، میگھ ناد، راون جیسے اَجے یودھاؤں اور لنکا جیسی سورن پُری کا کیوں ناش کیا؟ ۔

اتنے دن ون ون میں بھٹکے ہم اسی دن کے لیے
کیا یہی سکھ تھے اُٹھائے اتنے دکھ جن کے لیے

دُرمکھ: بس اور سہن نہیں ہوسکتا۔ شانت ہو جیے بھگون۔ شانت ہوجیے۔ میں نے جو کچھ کہا وہ میرے پاپی من کی کلپنا تھی۔ آتما کی گندھ تھی، جھوٹ تھا۔ وشواس کیجیے ایک ایک اکشر جھوٹ تھا۔ ۔

مجال کیا ہے پرجا کی جو ایسی بات کہے
وہ اتنی مورکھ نہیں ہے کہ دن کو رات کہے

رام: اوف۔ مجھے یہ بھرم بھی نہ تھا کہ ایودھیا کا راجا ہونے کے بعد ایک دن پرجا میرے ایک طرف اور سیتا دوسری طرف کھڑی ہوگی اور میں کیول پرجا کا مان رکھنے کے لیے نشپاپ اور نش کلنک سیتا کو مرتیو سے بھی ادھک کٹھور دنڈ دوں گا۔ یہ کیا۔ دھرتی کانپ رہی ہے۔ سرشٹی دھندلی ہوتی جارہی ہے۔ سنسار کی ہنسی، شوبھا، سوندریہ سب کچھ اتھاہ اندھکار میں لین ہوا جارہا ہے۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کہاں ہو سیتا، پران پیاری سیتا کہاں ہو؟ دیا کرو۔ دیا کرو۔ وویک ہین ہردے ہین ایودھیا واسیو دیا کرو۔

مرے پاس جو کچھ ہے سکھ ساج لے لو
مرے پنیہ اور مرے شبھ کاج لے لو
مرے شیش کا چھتر اور تاج لے لو
مرا دھن، مرا لیش، مرا راج لے لو
مگر اُس کو جس سے ہوں جیتا نہ چھینو
جگت چھین لو میری سیتا نہ چھینو

(رام مورچھت ہوجاتے ہیں)

دُرمکھ: (گھبرا کر) سوامی— سوامی۔

— گت —

انک پہلا — درشیہ پانچواں

راج بھون کا ایک بھاگ

(رات کا سمے۔ بجلی کے کڑکنے اور بادل کے گرجنے کی بھیانک آوازیں
سنائی دیتی ہیں۔ اُدوگن اور چنتت بھاؤ سے سیتا جی کا پرویش)

سیتا: اوہ ایسی بھیشن ورشا، ایسا گھور گرجن، ایسا سرشٹی کا وکرال روپ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (بجلی گرنے کی دھونی) وہ سنو، پھر کہیں بجلی گری۔ آج یہ کیا ہے؟ مانو مرتیو اور وناش سے بیچ بھوت کا سنگرام ہورہا ہے۔ مانو پرکرتی کسی دیوتا کے شراپ سے پاگل ہوگئی ہے۔ مانو اندھکار، بجلی، بادل مل کر دھرتی ماتا کی چھاتی سے ڈر کر لپٹ گئی ہوئی دیوی شانتی کی ہتیا کرنا چاہتے ہیں۔ ؎

گگن پہ یوں چھا رہے ہیں بادل کہ جیسے اڑتے ہوں سانپ کالے
یہ بجلیاں ہیں کہ گرجنائیں لیے ہیں ہاتھوں میں اگنی بھالے
پربل پون نے بڑے بڑے ورکش اکھیڑ کر جڑ سے یوں اچھالے
کہ جیسے بالک کو مست ہاتھی لپیٹ کر سونڈ میں اٹھا لے
وناش کا شستر ہاتھ میں ہے اُٹھا ہے جھنجھلا کے دِگ وجے کو
جگا دیا ہے سمے سے پہلے یہ کس نے سوئی ہوئی پرلے کو

(اُرملا کا پرویش)

اُرملا: بہن بادل گرج رہے ہیں۔ ابھی کدم کے ورکش پر بجلی گری ہے۔ تم گربھ وتی

ہو، اکیلے رہنا ٹھیک نہیں۔ اندر چلو۔

سیتا: کیا اندر یہ پرکرتی کا کولاہل سنائی نہ دے گا؟ ارملا، میرا ہردے کانپ رہا ہے۔ مجھے اپنے سوبھاگیہ کی آنکھوں میں آنسو دکھائی دے رہے ہیں۔ ایسا وِدِت ہورہا ہے کہ یہ سمے کا اسوبھاوِک روپ کالے بادلوں کے اوپر بجلی کے اکشروں میں لکھ کر مجھے کسی آنے والی آپتی کی سوچنا دے رہا ہے۔ بہن میں نے کم دکھ نہیں سہے۔ اب کون سا دکھ باقی رہ گیا ہے، جسے سہن کرنا ہوگا؟

اُرملا: بہن تم کہاں ہو اور کیا کہہ رہی ہو؟

سیتا: نا بہن۔ سمے کی بھوشیہ وانی ارتھ ہین نہیں ہے۔ آج پراتہ کال ہی سے میں اَپ شگن اور اشبھ چِنّھ دیکھ رہی ہوں۔ وہی ایودھیا ہے، وہی راج بھون ہے، وہی اس کی شوبھائیں ہیں۔ کنتو آج اِس کے مکھ پر روز جیسی ہنسی اور شانتی دکھائی نہیں دیتی۔ سارا درشیہ مانو کھلی ہوئی آنکھوں سے کوئی بڑا ہی بھیانک سوپن دیکھ رہا ہے۔ ـ

تمھیں بولو کہ دہنی آنکھ میری کیوں پھڑکتی ہے
تمھیں بولو نہیں کارن تو چھاتی کیوں دھڑکتی ہے
نہیں، نشچے کوئی سوبھاگیہ سکھ ہے ناش ہونے کو
جو رہ رہ کر مرا دل چاہتا ہے آج رونے کو

اُرملا: بہن۔ اس ایودھیا میں تمھارا سکھ تم سے کون چھین سکتا ہے؟ شما کرنا، تم اپنی کلپنا سے اپنے لیے دکھ کی سرشٹی کررہی ہو۔

سیتا:

ہے ورشا، بجلی، گرجن تم کیوں سہسا اُسے آئے ہو
کچھ سکھ کی باتیں کہنی ہیں یا دُکھ سندیشا لائے ہو
میں جس سوبھاگیہ پہ پھولی ہوں، وہ پیتل ہے یا سونا ہے
ہنسنا ہے یا پھر رونا ہے، بتلادو مجھے کیا ہونا ہے

— گت —

انک پہلا— درشیہ چھٹا

شینا گار

شینا گار کے سین کے پچھلے بھاگ میں محل کے پردے کی جگہ محل کا فلاٹ لگایا جائے گا۔ یہی فلاٹ پٹاخے کی آواز کے ساتھ پھٹے گا اور لکشمن کے ساتھ سیتا جی رتھ پر جاتی ہوئی دکھائی دیں گی۔ فلاٹ کے سوا سائڈ ونگ اور جھالریں اپنی جگہ پر قائم رہیں گی۔

— گت اور فوکس—

(رام سوچ میں بیٹھے ہیں۔ بھرت اور شتروگھن سامنے کھڑے ہیں)

رام: جب راجا کے دیش میں سکھ شانتی اِستھر رکھنے کے لیے پرجا اپنی سیواؤں کی بھینٹ دیتی ہے، راج کاج کے لیے اپنا کمایا ہوا دھن دیتی ہے، راجیہ کے شتروؤں سے لڑنے کے لیے اپنی کوکھ کی سنتان دیتی ہے تو راجیہ کی بھلائی کے لیے راجا کو پرامرش بھی دے سکتی ہے۔ ہے بھرت، جیسے پرجا کی بھول پر راجا کو روک ٹوک کا ادھیکار ہے۔ ویسے ہی پرجا کو بھی راجا کے آچار وچار پر آکشیپ کا ادھیکار ہے۔

بھرت: پرنتو بھراتا۔ یہ بات کسی دیوتا نے نہیں کہی، کسی رشی منی نے نہیں کہی، کسی براہمن یا شتریہ نے نہیں کہی۔ کس نے کہی؟ ہندو سماج کے اشکشت پرانی ایک مورکھ دھوبی نے۔

رام: تو کیا وہ دھوبی میری پرجا نہیں ہے؟

شتروگھن: ہے۔ کنتو......

رام: کنتو کیا؟

شتروگھن: وہ شودر ہے اور جب سماج شودور کو منشیہ نہیں سمجھتا تب اُس کے بولنے کو بھی منشیہ کا بولنا نہ سمجھنا چاہیے۔

رام: کیا براہمن، شتریہ، ویشیہ کے سمان شودر پُرش اور استری سے جنم نہیں لیتے۔ منشیہ سماج میں پل کر بڑے نہیں ہوتے۔ منشیوں جیسا روپ، گُن، سوبھاؤ، ہردے، بدھی، گیان، وویک نہیں رکھتے۔ امیری غریبی، مان اپمان، امرت وِش، شراپ اور آشیرواد کا بھید نہیں سمجھتے۔ ورتمان کی اُنتی اور بھوشیہ کا سکھ نہیں چاہتے۔ پھر شکتی اور شکشا کے ابھاؤ کے سوا اُن میں اور دوسرے منشیوں میں کیا بھید ہے۔ ہے شتروگھن۔ جس کی جڑ کھوکھلی ہو وہ ورکش، جس کے استمبھ بودے ہوں وہ چھت، جس کی نیو ہل رہی ہو وہ گھر، جس کے نیچے کے بھاگ میں آگ لگی ہو وہ جہاز اور جس میں تھوڑے سے آدمی اُونچ جاتی میں جنم لینے کے کارن اپنی ماتر بھومی کے کروڑوں بچوں کو بل ہین، شکشا ہین، ادھیکار ہین داس بنا کر سدا اپنے پیروں کے نیچے رکھنا چاہتے ہوں وہ دیش کبھی دیرگھ سے تک سر اونچا کیے ہوئے اپنی جگہ پر استھر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے شودروں کو بھی منشیہ سماج کا مہاپریوجنیہ انگ جانو۔ ان کے ساتھ نیائے کرو اور ان کی پکار کو بھی منشیہ کی پکار سمجھو۔

بھرت: پوجیہ بھراتا۔ میں پھر ونے کرتا ہوں کہ نردوش سیتا کا تیاگ نہ کیجیے۔ ایودھیا کی شوبھا رام اور رام کی جیون شوبھا سیتا ہے۔ سیتا کے وداع ہوتے ہی رام نگری اور رام جیون دونوں شونیہ ہوجائیں گے۔

رام: بس بھرت بس۔ رام کا ورتمان اور بھوشیہ گاڑھے اندھکار سے ڈھک جائے۔ رام کی ہنسی سدا کی ہائے ہائے میں لین ہوجائے۔ رام کا سکھ، سنتوش رام کے آنسوؤں میں بہہ جائے مگر رام سے پرجا اِچھا کا نرادر کبھی نہیں ہوگا۔

دونوں ہی جا رہے ہیں جگت کے بہاؤ پر
بیٹھے ہیں راجا اور پرجا ایک ناؤ پر

چلتا نہیں ہے راجیہ پرجا سہتی بنا
بڑھتی نہیں وہ ناؤ چلو جو چڑھاو پر

(لکشمن کا پرویش)

لکشمن: داس اُپستھت ہے۔ آگیا ہو۔ سوامی نے کیوں یاد کیا؟

رام: لکشمن۔ میرے دکھ سکھ کے ساتھی...... (دُکھ سے گلا بند ہوجاتا ہے)

لکشمن: پربھو آپ کی آواز کیوں کانپ رہی ہے؟ یہ کیا— یہ کیا۔ کمل کے پھول میں ڈھل ڈھل کرتی ہوئی اوس کی طرح آپ کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے ہیں۔

رام: لکشمن۔ آدھی رات کے سناٹے کی طرح استبدھ اور طوفان میں اٹل چٹان کی طرح نشکمپ ہوجاؤ۔ اُس دن اندرجیت نے شکتی بان مارا تھا۔ آج رام سویم اپنے بھائی کے ہردے میں بان مارے گا۔ دیکھو چونکنا نہیں کانپنا نہیں، مورچھت ہوکر گرنا نہیں۔ مجھے سیتا کا تیاگ کرنا ہوگا۔

لکشمن: تیاگ! کس کا؟ بھگوتی سیتا کا۔ پربھو میں سمجھا نہیں۔ شبد بانوں کی بھانتی کان چھیدتے ہوئے نکل گئے۔ پھر کہیے۔ کس کا تیاگ؟

رام: کس طرح کہوں۔ تیاگ شبد کے ساتھ پران بھی کھنچ کر ہونٹوں تک آجاتا ہے۔ یدی میری پرجا کہتی ہے کہ رام مانس سے جیتا ناخن الگ کردو، اپنی آنکھوں میں آگ کے اندر تپائے ہوئے سوجے بھونک لو، اپنی چھاتی چیر کر اپنا ہردے نکال دو تو دھرتی پر پڑا ہوا تنکا اٹھا کر توڑ دینے جتنا سہج ہے، میں اس بات کو بھی اتنا ہی سہج سمجھتا۔ لیکن سیتا کا تیاگ سہج نہیں، میرے جیون کا مہاکٹھن کرتویہ ہے۔ پھر بھی پران جائے یا رہے، تیاگنا ہی ہوگا۔

لکشمن: کنتو کس دوش پر؟

رام: پرجا کہتی ہے کہ سیتا راون کے گھر میں رہ کر آئی ہے، اس لیے......

لکشمن: بس دیو بس اور نہیں سن سکتا۔ اُس کے آگے پرجا نے جو شبد کہے اُسے سن کر کیا دھرتی کی چھاتی پھٹ کر اس سے ہائے نہیں نکلی۔ آکاش ہاتھ کے چھالے

کی طرح پھوٹ کر بہہ نہیں گیا۔ سرشٹی چتا کی طرح دھک دھک جلنے نہیں لگی۔ ـ

یوں ہی یہ مون رہے کان جب بھرسٹ ہوئے
نہ اُن کو ناش کیا اور نہ خود ہی نشٹ ہوئے

رام: پریہ ور۔ راجا اپنے ہر کام کے لیے ایشور اور پرجا کے سامنے اُتردائی ہے۔ اُسے نیائے سنگھاسن پر بیٹھنے کے بعد بندھو، باندھو، پتر، سکھ، سوارتھ، موہ، مایا سب سے منھ پھیر کر کیول اپنے کرتویہ کی طرف دیکھنا ہوتا ہے۔ ـ

اپاہج اور وِوَش یوں ہوگئی ہیں میری تدبیریں
کہ جیسے دو طرف سے شیر کو جکڑے ہوں زنجیریں
بجھائی کچھ نہیں دیتا، بنائے کچھ نہیں بنتا
اِدھر پریم اور اُدھر کرتویہ، اِدھر سیتا اُدھر جنتا

لکشمن: پربھو، یدی کوئی پشاچ آریوں کے وید، دھرم، ودیا، سبھیتا کے رکشکوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر آریہ بھومی سے نکال دینا چاہیے، یدی ایک راکشس لنکا دہن کا بدلہ لینے کے لیے سمست آریہ ورت میں آگ لگا کر اُس آگ سے نکلی ہوئی آنچ اور دھوئیں پر ایک راکشسی سامراجیہ استھاپت کرنا چاہیے تو کیا ایسی دھتکار یوگیہ اِچھا آپ کی سہایتا کا پاتر بن سکتی ہے۔ ـ

اِچّھا وہی ہے جس میں کپٹ ہو نہ بھول ہو
سمبھو ہو، نیائے یکت ہو، دھرمانوکول ہو
مت سنیے اُن کی بات کو جھوٹا وِلاپ ہے
جو دھرم کے وِرُدّھ ہو وہ اِچّھا ہی پاپ ہے

رام: پریہ لکشمن، یہ کرتویہ پریکشا کا سمے ہے۔ اس لیے خود بھی درڑھ ہو اور مجھے بھی ساہس دے کر درڑھ بناؤ۔ جاؤ۔ سیتا کو گنگا پار کسی نرجن استھان میں سدا کے لیے چھوڑ آؤ۔

لکشمن: شما کیجیے۔ میں پھر پوچھوں گا۔ اس کٹھورتا کا کارن؟

رام: شنکا۔ شنکا۔ پرجا سیتا کے ستیتو پر وشواس نہیں رکھتی۔

لکشمن: پربھو۔ یدی جگت جننی جانکی اَستی ہے، تب یہ سمجھنا چاہیے کہ سرشٹی کی رچنا برہما نے نہیں کسی راکشس نے کی ہے۔ اب سے کسوٹی پر کھے ہوئے سونے کو بھی پیتل کہنا چاہیے۔ آج سے گُنڑو، کو اَوگُنڑو سَتیہ کو اَستیہ، دھرم کو اَدھرم، پنیہ کو پاپ نام سے پکارنا چاہیے۔ ۔

سوریہ پھر سوریہ نہیں شیام ورن تارا ہے
میگھ آکاش میں اُڑتا ہوا انگارا ہے
برف شیتل نہیں، نشکمپ انل دھارا ہے
سورگ کا پھول بھی درگندھ کا فوارہ ہے
جڑ میں چیتنیہ میں نردیہہ میں ونیتا میں نہیں
پھر کسی میں بھی نہیں سیتہ جو سیتا میں نہیں

رام: لکشمن۔ میں جانتا ہوں کہ نردوش سیتا کو نہیں، ایودھیا کی کلیان مئی لکشمی کو، ماتا کوشلیا کے بوڑھے نیتروں کی جیوتی کو، تم بھائیوں کے سر کی چھایا کو بن واس دے رہا ہوں۔ مگر کیا کروں پرجا کے پریم یگیہ میں ان کی آہوتی دینی ہی ہوگی— جاؤ۔ میری آگیا کا پالن کرو۔

لکشمن: پوجیہ بھراتا۔ لکشمن نے من، وچار، کرم سے آج تک آپ کی آگیا کا اُلنگھن نہیں کیا۔ کنتو یہ بھیشن اور پیشاچک کاریہ— شما کیجیے— مجھ سے......

رام: نہ ہو سکے گا۔

لکشمن: ہاں۔ نہ ہو سکے گا۔

رام: تب میں یہ مان لوں کہ آج لکشمن رام کا آگیا کاری نہیں رہا۔

لکشمن: پربھو، کیا کہوں گا، کیسے کہوں گا۔ جب وہ ڈالی سے ٹوٹ گئے ہوئے پھول کی طرح دھرتی پر گر کر اور ٹپ ٹپ آنسو بہاتی آنکھوں سے میری اور دیکھ کر کمپت سور سے پوچھیں گی کہ ہے وتس، راگھو نے مجھے کس دوش پر تیاگا ہے، تب میں انھیں کیا اُتّر دوں گا۔ جب وہ ہاہا کرتی بَن کی شونیتا آنکھیں پھاڑ کر گھورتے ہوئے نیلے آکاش اور ہوا کے ساتھ راکشسوں کی طرح یدھ کرتے ہوئے ورکشوں

کے درشیہ سے بھے بھیت ہوکر اور رام نام کی دہائی دے کر کہیں گی کہ ہے لکشمن اس نِس سہائے ابلا کو کہاں چھوڑے جاتے ہو تو کیا سانتونا دوں گا؟۔

کلیجہ ٹوٹ جائے گا ستی کا میری وانی سے
بچا لیجیے جگت کو ہے پربھو ناش اور ہانی سے
سرشٹی بھسم ہوجائے گی ایک آنسو اگر ٹپکا
جو روئی جانکی تو آگ لگ جائے گی پانی سے

رام: پر یہ لکشمن۔ رام کی چھاتی میں پتھر کا ہردے نہیں ہے۔ وہ سیتا کے دکھ کا، اپنے دکھ کا، اِن کے اور تمھارے دکھ کا پوری طرح انوبھو کر رہا ہے۔ پھر بھی یہ آشا نہ رکھو کہ میں اپنے سوارتھ رکشا کے لیے راجا اور پرجا کا سمبندھ توڑ دوں گا۔ میری پرجا چاہے گی تو اس کی اِچھا پوری کرنے کے لیے سیتا ہی کو نہیں، پرانوں سے اُدھک بھائیوں کو بھی چھوڑ دوں گا۔

یہ آنسو پونچھ ڈالو، ہوکے رہتا ہے جو ہونا ہے
ابھی تو سارا جیون مجھ کو، ان کو، تم کو رونا ہے
مری آگیا سنو، گر میرے بھکت اور میرے بھائی ہو
یہی پراربدھ میں تھا رام سیتا میں جدائی ہو

لکشمن: آہ کیسی بھیشن آگیا۔ سر چکر کھاتا ہے، ہردے بیٹھا جاتا ہے، بڑھنے کا وچار کرتا ہوں تو روم روم تھرتھراتا ہے۔۔

میں جانتا ہوں کہ جو ہورہا ہے، نیائے نہیں
مگر ہے سوامی کی اِچھا تو کچھ اپائے نہیں

(گھور دکھ کے ساتھ پرستھان)

رام: کیا کیا؟ یہ میں نے کیا کیا۔ سیتا چلی جائے گی۔ رام کی ہنستی کھیلتی ہوئی دنیا شمشان بھومی بن جائے گی۔ نہیں نہیں سہن کرسکتا۔ سیتا کا ویوگ نہیں سہن کرسکتا۔ ٹھہرو۔ لکشمن ٹھہرو۔

بھرت: ہاں پربھو بلا لیجیے۔ واپس بلا لیجیے۔ آپ ویدیہی کا نہیں اپنے جیون کے ہر ایک سکھ کا تیاگ کر رہے ہیں۔ شتروگھن، بندھو کو لوٹا لاؤ۔

(شتروگھن کا پرستھان)

رام: نہیں بھرت نہیں۔ ایودھیا کی پرجا سنگھ واہنی درگا کے سمان پریم کی چھاتی پر کھڑی ہوکر اور اپنی رکت رنجت جھوا ہونٹوں پر پھرا کر رام کے سکھ شانتی کی رام سے بھینٹ مانگ رہی ہے۔ جاؤ جاؤ شتروگھن کو روک دو۔ اس پرجا کو شتروگھن کی سہانو بھوتی، تمھاری سیوا، لکشمن کا پریم رام کا آشیرواد کچھ نہیں چاہیے، کیول سیتا کا تیاگ چاہیے۔ (بھرت کا اتھاہ شوک کے ساتھ پرستھان) میں اتنا ہی جانتا تھا کہ پرجا کے اَپرادھ کا دنڈ راجا دیتا ہے کنتو اب جانا کہ راجا ہونا سویم ایک اَپرادھ ہے، جس کا دنڈ پرجا دیتی ہے۔ اوہ کیسا بھیشن دنڈ۔ بس بس ہردے شانت ہو۔ آنسوؤ سوکھ جاؤ۔ جاؤ دشرتھ کل کی لکشمی، لکشمن، بھرت، شتروگھن کی پوجیہ دیوی، ابھاگے رام کی جیون سنگنی جاؤ۔ پرجا کی اِچھا پالن اور پتی کی کرتویہ رکشا کے لیے پھر بن کو جاؤ۔

جگت دیکھے ستی سوامی کا کتنا دھیان رکھتی ہے
دکھا دو تم کہ یوں پتنی پتی کا مان رکھتی ہے
کرے پرکاش سے ہر گھر کو دیپک بن کے کرم اُس کا
سکھا دو استری جاتی کو پھر اک بار دھرم اُس کا

(ورشیہ بدلتا ہے)

پٹاخے کی آواز پر محل کا فلاٹ پھٹتا ہے۔ رتھ پر لکشمن کے ساتھ سیتا جی پتووَن کی اور جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

رام: سیتا۔ سیتا۔ سیتا۔

انک پہلا — درشیہ ساتواں

تپوون

(لکشمن کے ساتھ سیتا کا پردیش)

— گانا —

کیوں تو ہے جیون کا ابھیمان ہے
ہے مورکھ جیون سوپن سمان ہے، دو دن کا ہی یہ سکھ سمان ہے
یہ سنسار مسافر خانہ
کیوں تونے اس کو اپنا جانا، تیرا انتم گھر شمشان ہے
گیان رتن کو مت کر مندا، جیون ہے اک گورکھ دھندا
موہ لوبھ کا توڑ دے پھندا، کرلے کچھ اس دیہہ میں جب تک پران ہے
جگ ہے چلتی پھرتی چھایا، دکھ سکھ کا ہے کھیل بنایا
سب کو ٹھگتی ٹھگنی مایا، جو اس کے چھل کو سمجھے وہ سُجان ہے

سیتا: سَومترے، بہت دنوں سے میری ابھیلاشا تھی کہ ایک بار پھر تپوَن میں جاکر رشیوں کے درشن اور رشی پتنیوں کی امرت بانی سے آتما کو ترپت کروں۔ میں نے جس دن اپنی یہ منوکامنا پرکٹ کی اُس کے دوسرے ہی دن راگھو نے دیاپوروک میری اِچھا پورتی کا پربندھ کردیا۔ کنتو جب راس کے اشارے پر رتھ کے گھوڑے تپوَن کی اور بڑھے تب یہ وِدِت ہوا کہ اُس کے پہیے رو رہے ہیں۔ ایودھیا کی بھومی رتھ کے دھرے سے لپٹی جارہی ہے۔ سریو کی

لہریں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر مجھے آگے بڑھنے سے روک رہی ہیں۔

جدھر دیکھا یہ دیکھا آنکھ سے آنسو ٹپکتے ہیں
پون، جل، پھول، پکشی سب کے سب روتے سسکتے ہیں
چلی آتی ہیں رتھ کے پیچھے پیچھے ایسی آوازیں
کہ مانو اپنی ماں سے چھوٹ کر بچے بلکتے ہیں

لکشمن: ماتا......

سیتا: وتس۔ میں بہت دیر سے دیکھ رہی ہوں کہ تم کچھ کہنا چاہتے ہو اور نہیں کہہ سکتے۔ یہ کیا! تم تو رو رہے ہو۔ بولو بولو۔ آدرش دیور بولو۔ ایودھیا میں تو کشل ہے؟ سیتا شرومنی شری رام تو اچھے ہیں؟ ۔

اُن کے سکھ کے سامنے نج دُکھ کو دُکھ گنتی نہیں
وہ سکھی ہوں ایشور سے اور کوئی بنتی نہیں
بن میں مت سمجھو، ابھی تک ہوں ایودھیا دھام میں
دیہہ سیتا کی یہاں ہے پران ہیں شری رام میں

لکشمن: (من میں) شبد لاج کے مارے ہونٹوں سے باہر نہیں نکلتے۔ کہوں یا نہ کہوں۔ کنتو کب تک...... انت میں کہنا ہی ہوگا۔ (سیتا سے) ماتا ایودھیا نگری بڑی ہی دُربھاگنی ہے۔ یہ اب دوبارہ آپ کے چرن کمل کے درشن نہ کر سکے گی۔

سیتا: ارتھات۔

لکشمن: لنکا میں رہنے کے کارن پرجا کے مورکھ جن آپ کی نندا کرتے ہیں۔

سیتا: نندا۔ میری نندا؟ جس سیتا نے کبھی ایک چیونٹی کو بھی دکھ نہیں دیا اُس سیتا کی نندا۔

لکشمن: ہاں۔ اور اسی نندا کو سن کر نردوش اور نش کلنک جانتے ہوئے بھی شری رام نے کیول پرجا کی پرسنتا کے لیے آپ کا...... پری تیاگ کیا ہے۔

سیتا: کیا؟ تیاگ۔ ہائے رام۔

(نراش ہوکر دھرتی پر گر پڑتی ہے)

لکشمن: دیولوک کی پرتما کا ہردے ٹوٹ گیا۔ سورگ کی لتا مرجھا گئی۔ ہے دھرماوتار۔ ہے سیتا کے جیون آدھار، راگھو۔ ایسے دیالو ہوکر تم نے ایسی کٹھور آگیا کیوں دی۔ ماتا۔ ماتا۔ اُٹھو۔ جگت جننی اٹھو۔

یہ اپنے آپ کو اپنے ہی آنسو میں ڈبو دیں گے
پھٹی جاتی ہے چھاتی، پرتھوی آکاش رو دیں گے

سیتا: ہردے اپمان جوالا میں جل جا۔ پران اس اپمانت شریر سے نکل جا۔ ورکشو، میری چتا تیار کرو۔ بجلیو میرا اگنی سنسکار کرو۔

آج سے مجھ کو چتا اور بن کا کونا ایک ہے
اب مرا سنسار میں ہونا نہ ہونا ایک ہے
مرگئے جیون کے سکھ شمشان ہے سینہ مرا
تج دیا سوامی نے جب تب ویرتھ ہے جینا مرا

لکشمن: شانت ماتا شانت۔ ایشور کی ایسی ہی اِچھا تھی، یہ سمجھ کر اس دکھ کو سہن کیجیے۔

سانتونا کس مکھ سے دوں ڈوبا ہوا ہوں شرم میں
بھوگنا پڑتا ہے سب کو جو لکھا ہے کرم میں

سیتا: کیسا دکھ، کیسی ویدنا۔ یدی رام کی سنتان میرے گربھ میں نہ ہوتی تو میں تیاگ شبد سنتے ہی گنگا میں ڈوب کر پران تیاگ دیتی۔ بولو لکشمن بولو۔ جب رشیوں کی استریاں مجھ سے پوچھیں گی کہ رام جیسے دیالو پتی نے تمھیں کیوں تیاگ دیا۔ تب میں انھیں کیا اُتر دوں گی۔ لاج سے سر جھکالینے کے سوا انھیں اپنے پتی ورت دھرم کا کیسے وشواس دلا سکوں گی۔

اس نِندا سے بچنے کے لیے سیتا جاکر کس دھام بسے
وہ نین سدا اب روئیں گے جن نینوں میں ہیں رام بسے

لکشمن: ماتا۔ میں ایشور، دھرم سرشٹی سب کو ساکشی کر کے اور جن رام کو میں اپنا اِشٹ دیوتا سمجھتا ہوں، انھیں رام کی سوگندھ کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کے اس دکھ کا کارن رام نہیں رام کی پرجا ہے۔

ہردے میں پچھلے سکھ کی دیکھ کر تصویر روتے ہیں
یہاں پر آپ روتی ہیں وہاں رگھوویر روتے ہیں

سیتا: کیا کہا۔ کیا کہا؟ رام رو رہے ہیں۔ میرے لیے۔ ابھاگنی سیتا کے لیے۔ نہیں نہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا وہی راجا کا دھرم تھا۔ جاؤ لکشمن جاؤ۔ اُن کے آنسو پونچھو۔ انھیں سانتونا دو۔ انھیں میرے دکھی نہ ہونے کا وشواس دلاؤ۔ پرجا کے سکھ میں رام کا سکھ اور رام کے سکھ میں سیتا کا سکھ ہے۔ رام نے بن واسی بن کر پتا کے پرن کی رکشا کی تھی، تو سیتا بن واسی بن کر اپنے پتی کے راجیہ کرتویہ کی رکشا کرے گی۔

ساتھ سکھ کے دھرم کی شکشا بھی دی اور گیان بھی
رام سیتا کے پتی بھی ہیں، گرو، بھگوان بھی
ان کے ہاتھوں سے ملے کانٹا تو وہ بھی پھول ہے
جگ کا سکھ کیا سورگ بھی ان کے چرن کی دھول ہے

لکشمن: کیسا آشچریہ۔ اتنے دکھ پر بھی میں ابھی تک جی رہا ہوں۔

رنگ چہرے کا مرے لاج سے کٹ جاتا ہے
ہونٹ تک آتا ہے پران اور پلٹ جاتا ہے

سیتا: نہ رو لکشمن نہ رو۔ اپنے ہاتھ کے لکھے کو للاٹ سے برہما بھی نہیں مٹا سکتے۔ میں اب کیول تم سے اتنا ہی چاہتی ہوں کہ جب شرنگ رشی کے یگیہ سے میری ماتائیں لوٹیں تب انھیں میرا انتم پرنام کہنا۔ دیورانیوں اور دیوروں کو آشیرواد دینا اور راگھو کے چرنوں میں میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر نویدن کرنا کہ ہے پربھو۔ سیتا آپ کی تھی، آپ کی ہے اور جنم جنم میں آپ ہی کی رہے گی۔

جس آشا سے جیے گی اب اُسے بھی چور مت کرنا
کیا ہے دور آنکھوں سے ہردے سے دور مت کرنا

لکشمن: جننی۔ دنیا میں رام کے پریم اور رام بھکتی سے بڑھ کر کوئی سکھ نہیں ہے۔ سب سکھ چھوٹ جانے پر بھی یہ سکھ سدا آپ کے ساتھ رہے گا۔ ایشور آپ کی رکشا کرے۔ پرنام — ماتا پرنام۔

(پرستھان)

سیتا: سنو سنو لکشمن۔ چلے گئے۔ ارے پران جا — جا۔ جب شانتی گئی، آشا گئی، سکھ گیا، تب تو بھی جا۔ ارے سیتا کے پھوٹے بھاگ، جب تو نے رام جیسا پتی دے کر چھین لیا، تب یہ رام شونیہ جیون بھی چھین لے۔ یم دو تو۔ پھول پتے کی طرح اس بن کے ایک ایک ورکش سے پھوٹ پڑو۔ جل اور بجلی کے بوجھ سے دبے ہوئے بادلو۔ پرلے کی گرجن کے ساتھ میرے شیش پر ٹوٹ پڑو۔

میں نہیں کہتی کہ دھن دو، راج دو، سکھ دھام دو
یا تو مرتیو دو مجھے یا مجھ کو میرا رام دو

(سیتا مورچھت ہو کر گر جاتی ہے۔ پٹاخے کی آواز پر جنگل کا فلاٹ پھٹتا ہے)

— سین ٹرانسفر —

(والمیکی رشی کا دیو بالا اور باشنتی کے ساتھ سہسا پرویش اور آشچریہ آکاش سے سیتا پر پشپ ورشا)

— ڈراپ —

انک دوسرا — درشیہ پہلا

والمیکی آشرم کا ایک بھاگ

— گانا —

برہما، سُر، نر، شیش، سُریش واکو شیش نوائیں
دھرتی، لگن، کرت نمن بار بار گُن گائیں
تیج وان، دیاندھان، نتیہ ستیہ شکتی مان
واکو نام رس کی کھان، بھان پران سکھ پائیں

دیوبالا: بہن گوتمی۔ ہم سب کیسے پوتر اور منوہر استھان میں رہتے ہیں۔ اونچے اونچے پروت۔شیش پر بادلوں کی جٹا پھیلائے، انگ میں سفید برف کی بھبھوت لگائے، ہاتھوں میں جھرنوں کا کمنڈل اٹھائے ایک پاؤں پر تپسیا کرتے ہوئے یوگیوں کے سمان نروا کیہ اور نشچل کھڑے ہوئے ہیں۔ مُنیوں کے مکھ سے نکلتے ہوئے گیان اُپدیش کے سمان شلاؤں کے ہردے سے اُجّول جل کے شیتل شروت بہہ رہے ہیں۔کلیاں دھنوان دانیوں کے سمان بھکشا کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے ڈالیوں کے دَل ایک اور سے دوسری اور کو جارہے ہیں۔سملت سور سے سام وید کی رچاؤں کا گان کرتے ہوئے رشی بالکوں کے سمان ورکشوں پر مدھر کنٹھ پکشی چہک رہے ہیں۔ دکھ نہیں، اسنتوش نہیں، لوبھ نہیں، چھل نہیں، سوارتھ نہیں، کرودھ نہیں، دویش نہیں، ایرشا نہیں، کیا ہے؟ اننت سوندریہ، اننت سکھ، اننت شانتی۔ یہی تو اس لوک کا سورگ ہے۔

گوتمی: دن کو سوریہ کی سورن آبھاؤں اور رات کو شیتل چاندنی کا پرواہ سنگیت اور سگندھ میں مل کر سگھن ورکشوں سے چھن چھن کے بن بھومی پر بہا کرتا ہے۔ اندھیرے میں اُڑتے ہوئے جگنوؤں سے چاروں اور دیوالی کا، دیپ مالکا کا درشیہ دکھائی دیتا ہے۔ آکاش سے گاتی، ناچتی ہوئی جس سے جل دھارائیں گرتی ہیں، اُس گھڑی ایسا جان پڑتا ہے کہ بادل دیوی وسندھرا کے گلے میں موتیوں کا ہار پہنا رہے ہیں۔ سندھیا کے سے جب آکاش سنہری رنگ میں رنگ جاتا ہے تب یہ وِدِت ہوتا ہے کہ کوئی رشی کنیا کیسری رنگ کی ساڑی باندھے دیولوک کو چلی جارہی ہے اور اُس کی ساڑی کا آنچل پھیلا ہوا ہوا میں اُڑرہا ہے۔ یدی یہ بھکتی، شانتی، پریم سے پرپھلت بھومی سورگ نہیں تو اس سرشٹی پر اور کون سی جگہ اور سورگ ہوسکتی ہے۔

دیوبالا: بہن گوتمی۔ تمھیں اُس شبھ دن کا دھیان ہے جب سیتا کے گربھ سے رام کی سنتان نے جنم لیا تھا۔ رات کا سے تھا۔ پرتھوی اَتُول آکاش کے درپن میں اپنی چھٹا دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ پھول ہنس ہنس کے ہوا کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ کٹی کا باہری بھاگ چندرما کے پرکاش سے اور کٹی کا بھیتری بھاگ سیتا کی گود میں کھیلتی ہوئی یُگل جوڑی کے مکھ تیج سے چمک رہا تھا۔ اتنے میں منی ور آئے۔ سیتا نے پرنام کرکے وہ سوریہ چندر کی پرتمائیں ان کے چرنوں میں رکھ دیں۔ رشی ور نے آشیرواد دینے کے بعد رکشا بندھن کے لیے کُشا کے دو کھنڈ کرکے ایک ایک کھنڈ دونوں نوجات بالکوں کی کلائیوں میں باندھ دیا۔ کُشا کے اُگر بھاگ کو کش اور نچلے بھاگ کو لو کہتے ہیں، اسی آدھار پر رشی ور نے ایک کا نام 'کُش' اور دوسرے کا نام 'لوٗ' رکھا اور پھر انھیں سیتا کی گود میں دے کر بارمبار دونوں ہاتھ اُٹھا کے آشیرواد دی اور دھیرے دھیرے کٹی کے دوار کی اور بڑھے۔ کٹی کے آدھے کھلے ہوئے دوار میں کھڑے ہوکر ایک بار پھر ممتا بھری آنکھوں سے ماتا اور بالکوں کی اور دیکھا اور کلیان ہو، آیُشمان ہو کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد سیتا نے جُورا بھونرا

ششوؤں کو چھاتی سے لگا کر اُن کے گالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ اُس سے ایسا جان پڑا کہ مانو کوئی دیوی اپنی گود میں لوک پرلوک کا دھن لیے ہوئے بیٹھی ہے۔

گوتمی: میں نے سنا تھا کہ ماتا بنا استری کا سب سے بڑا گورو اور کوکھ کی سنتان کو گود میں کھلانا استری کا سب سے بڑا سکھ ہے۔ اس لیے جس دن لوکش کا جنم ہوا میں سمجھی کہ آج سیتا کے سمست دکھوں کا انت ہوگیا۔ کنتو ہائے دربھاگیہ، وہ جیسے تب دکھی تھیں ویسے ہی اب بھی دکھی ہیں۔ مانو اس کے لیے اس سنسار میں نہ کوئی شوبھا ہے، نہ کوئی چمکتا ہوا دن ہے، نہ کوئی سکھ کی رِتو ہے۔

—گانا—

برہما، سُر، نر، شیش، سُریش، واکوشیش نوائیں......

(دونوں کا پرستھان)

انک دوسرا — درشیہ دوسرا

والمیکی آشرم

(اپنی کٹی کے سامنے بیٹھے ہوئے والمیکی رشی کُش اور لَو کو رامائن کا پاٹھ کرا رہے ہیں)

— گانا —

(تلسی کرت رامائن)

لَو کُش:

جانیو مرم راو ہنسی کہئی   تُمہی کو ہاو پرم پریہ اَہئی
تھاتی راکھی نہ مانگو کاہو   بِسری گیو مم بھور سُبھاؤ
جھوٹھہیں دوش ہمہیں جنی دیئو   دوئی کے چار مانگی کر لیئو
رگھو کل ریت سدا چلی آئی   پران جائے بَرو بچن نہ جائی

باتی دررِھی کُمتی ہنسی بولی   کپٹی بَہنگ کُھی جنو کھولی
سُنہو پران پتی بھاوت جیکا   دیئو ایک بر بھرتہیں ٹیکا
دوسر بر مانگو کر جوری   ناتھ منورتھ پُر بہو موری
تاپس ویش وشیش اُداسی   چودہ ورش رام بن واسی

کُش: پوجیہ پتا، جب رام چندر جی کا کوئی دوش نہ تھا تب رانی کیکئی نے بنا کارن انھیں بن واس دینے کے لیے اتنا انورودھ کیوں کیا؟

والمیکی: اس لیے کہ سرشٹی کے دُکھی جن، جنتوؤں کی پرارتھنا اور دیوتا گن کی کامنا پوری ہو۔

کُش: ارتھات؟

والمیکی: بالکو۔ جب اس سرشٹی پر دیا، پنیہ، ستیہ کے بدلے انیائے، دُراچار اور ویابھی چار کا پرچار ہوتا ہے، تب پاپ کا سنہار کرکے دھرم کو وِجے دلانے کے لیے بھگوان کی شکتی کا کسی ساکشات روپ میں اوتار ہوتا ہے۔ اس دیاے کو رام روپ میں راون کا وَدھ کرکے سرشٹی کو پاپ بندھن سے چھڑانا تھا۔ اس لیے کیکئی کا انورودھ راکشسوں کے وناش کا کیول ایک بہانا تھا۔

لو: بھگون۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اپنے پُتر بھرت کو راجیہ دلانے کی لالسا میں رانی کیکئی سے جو انیائے ہوا ہے، اُس کے لیے آپ نے اپنی رچت رامائن میں اُسے دوشی ٹھہرایا ہے۔ کنتو شری رام نے پنیہ مَئی دیوی سیتا کو بن واس دے کر کیکئی سے بھی ادھک کٹھورتا دکھائی۔ پھر بھی آپ نے رامائن کے اکشر اکشر میں ان کے دیا دھرم کا گن گایا ہے۔

والمیکی: راون کا راج تلوار کا راج تھا۔ کنتو رام کا راج دھرم کا راج ہے، سوتنترتا کا راج ہے، راجا کے دوارا سویم پرجا کا پرجاشاسن پر راج ہے۔ سیتا بن واس کی آگیا رام نے نہیں، رام کے ہونٹوں سے پرجا نے کی ہے۔ بالکو۔ رام اور سیتا کا چرتر اس جگت کے لیے ایک دھرم اُپدیش ہے۔ رام نے پرانوں سے پیاری پتنی کا تیاگ کر سنسار کو یہ سکھایا کہ پرجا پالن کس طرح ہوتا ہے اور سیتا نے پتی کی آگیا شرودھاریہ کرکے آریہ ورت کی للناؤں کو یہ شکشا دی ہے کہ سوامی سیوا کیسے جاتی ہے۔ دھنیہ ہے رام۔ اور دھنیہ ہے سیتا۔

(دیوبالا اور گوتمی کے ساتھ سیتا کا پرویش)

سیتا: منی ور پرنام۔

والمیکی: ستی شرومنی کلیان ہو۔

(لوکش اُٹھ کر سیتا کے چرن چھوتے ہیں)

سیتا: آیوشمان ہو۔

والمیکی: بچو۔ رامائن کا پاٹھ ہوچکا۔ اب جاؤ دھنُر ودیا کا ابھیاس کرو۔

(لوکش دھنش بان لینے کے لیے کٹی میں جاتے ہیں)

بٹی سیتا۔ تمھارے دونوں سُپتر لو اور کش میری شکشا سے سمست ودیا میں نپُنڑ ہوچکے ہیں۔ اس لیے تمھاری جیون ودیا اور ان کی جنم کتھا سنا کر شری رام کو پتی اور پتا کا کرتویہ یاد دلانے کے لیے میں بہت شیگھر ایودھیا جانے والا ہوں۔ مجھے وشواس ہے...... ارے یہ کیا— رام اور ایودھیا کا نام سنتے ہی تمھاری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دھیرج دھرو، کلیانی دھیرج دھرو۔

دیا ے شانتی سے شوک سنکٹ کو بدل دیں گے
یہی آنسو کسی دن بیج بن کر سکھ کا پھل دیں گے

سیتا: بھگون۔ میں سانجھ سویرے ندی کے کنارے کھڑی ہوکر اس کی لہروں سے گوداوری کے تٹ پر بیتے ہوئے سکھ کے دنوں کی باتیں کرتی ہوں۔ تپووَن کے ورکشوں اور پکشیوں کو پنچ وٹی میں رہنے والے رام اور سیتا کی کہانی سناتی ہوں۔ ایودھیا کی طرف سے آنے والے ہوا کے جھونکوں سے راگھو کا سندیسہ پوچھتی ہوں۔ اسی طرح بارہ ورش رو رو کر بیت گئے اور شیش دن بھی اسی طرح ہائے ہائے میں بیت جائیں گے۔

آشا ہے کھینچ لائے دکھ کی پکار ان کو
آشا ہے دیکھ لوں میں، پھر ایک بار اُن کو
آشا ہی میں یہ جیون لیکن تمام ہوگا
آنکھوں میں پران ہوں گے ہونٹوں پہ رام ہوگا

والمیکی: بھگوتی۔ اپنے بالکوں کی تیجسوی مکھ کی اور دیکھو۔ ان کے سندر اونچے مستک پر رام کا پرتاپ بڑی بڑی رسیلی آنکھوں میں رام کا سنتوش۔ ہونٹوں پر رام کی گمبھیر ہنسی۔ آچار وچار میں رام کی مہانتا۔ چوڑی اُبھری ہوئی چھاتی میں

رام کا درڑھ ہردے۔ سڈول گٹھے ہوئے ہاتھ پاؤں میں رام کا بل اور دھنش بان دھارن کرنے کے سمے رام کی شورتا اور نربھیتا ارتھات رام کے ان دونوں پرتی بمب میں رام کی سمپورن چھوی دکھائی دے رہی ہے۔ انھیں دیکھ کر رام کا سمرن کرتے ہوئے ہردے کو شانتی دو۔ ـ

دکھ سکھ کی سرشٹی من سے ہے، من ان کا جیون داتا ہے
ہم ہنس کر دُکھ کو گرہن کریں تو دُکھ بھی سکھ بن جاتا ہے

— گانا —

کوئی سکھی نہیں، دکھیا ہے سنسار
گونج رہی ہے کانن میں دکھ کی پکار
برست گھر گھر دکھ کی بدریا
ہائے ہائے میں بیتی عمریا
انکھیاں بھر بھر آوت
نہیں پاوت دیت ہے دہائی بار بار

انک دوسرا — درشیہ تیسرا

راج بھون

(رام گہری سوچ میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ کُل پروہت مُنی وششٹھ انھیں سمجھا رہے ہیں)

وششٹھ: رگھوبیر۔ یہ جگت سوارتھ اور پروپکار، بھوگ اور تیاگ، سکھ اور دکھ کی یدھ بھومی ہے۔ اس رن شیتر میں جو منشیہ چھاتی میں گھاؤ پر گھاؤ کھا کر بھی اپنے کرتویہ مارگ پر ہمالیہ کے سمان اٹل رہتا ہے۔ اُسی کو کرم ویر اور مہا پُرش کہتے ہیں۔ تم آدرش راجا ہو، کرم یوگی ہو، مریادا پرشوتم رام ہو۔ وہ رام جس کے آچار وچار پر دھرم ابھیمان کرتا اور جس کے پوتر جیون کو مہانتا نمسکار کرتی ہے۔ اس لیے ہے دشرتھ کل دیپک اپنے آپ کو پہچانو، دکھ کو پاؤں کے انگوٹھے سے دبا کر سنگھ کی طرح سینہ تانے ہوئے لیش وجے کے لیے اُٹھ کھڑے ہو اور کرتویہ پالن کے سوا سنسار کا دُکھ سکھ سب کچھ بھول جاؤ۔

رام: سب کچھ بھول جاؤں گا۔ سب کچھ بھول چکا ہوں۔ کنتو ابھاگے رام کی ابھاگنی سیتا کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ کتنے ہی پل، دن، مہینے، ورش بہتے ہوئے پانی کی طرح سامنے سے نکل گئے۔ کتنے ہی بار چڑھی ہوئی ندیاں گھٹ کر جل کی پتلی لہریں بن گئیں۔ کنتو رام کی آنکھوں کے آنسو نہیں سوکھے۔ مُنی ور اب سوچتا ہوں کہ سیتا کے ساتھ میں بھی ایودھیا کو چھوڑ کر کیوں نہ چلا گیا۔ راج کے لیے سیتا کو تیاگنے کے بدلے میں نے سیتا کے لیے راج کو کیوں نہ تیاگ دیا۔

آج کس ناری کو سیتا سے ادھک سنتاپ ہے
کیسے کہیے کیا ستی ہونا بھی کوئی پاپ ہے

وششٹھ: کیا پران رکشا پاپ ہے؟ جو راجا شِوی نے ایک کبوتر کی جان بچانے کے لیے اپنے شریر کا سارا مانس دے دیا۔ کیا سچ بولنا پاپ ہے؟ جو مہاراج ہریش چندر نے کاشی کی گلیوں میں استری بالک اور اپنے آپ تک کو بیچ ڈالا۔ ہے رام۔ جیسے چندن دوسروں کو سگندھ دینے کے لیے اپنے آپ کو جلاتا ہے ویسے ہی سنسار کو نہ سوارتھ سیوا اور پروپکار کی شکشا دینے کے لیے کبھی کبھی نِشپاپ آتماؤں کو بھی دکھ بھوگنا پڑتا ہے۔ اس لیے وتس، اتھاہ شوک کی گہرائی سے واپس آؤ اور اشومیدھ یگیہ کی تیاری کرو۔ میں آشیرواد دیتا ہوں، تمھاری کیرتی اکشے ہو اور تمھارا یگیہ سپھل ہو۔

رام: گرو دیو۔ جیسے بالک پتا کی انگلی تھام کر راستہ چلتا ہے۔ ویسے ہی رام بھی آپ کے اشارے پر چلتا رہا۔ اور سدا چلتا رہے گا۔ کنتو یہ اشومیدھ یگیہ......

وششٹھ: چپ کیوں ہوئے۔ کیا ابھی نہ ہونا چاہیے۔

رام: دیو، کس طرح ہو سکے گا؟

وششٹھ: ارتھات؟

رام: شاستر انوسار جب تک سہ دھرمنی ساتھ نہ بیٹھے یگیہ پورا نہیں ہوسکتا۔

وششٹھ: نشچے۔

رام: تب یگیہ کی سپھلتا کے لیے ویدی پر میرے ساتھ کون بیٹھے گا؟

وششٹھ: تمھاری دھرم پتنی۔

رام: کیا! وہ کون؟ میری جیون شانتی سیتا۔

وششٹھ: سیتا کو تم پرجا کی اِچھا نوسار تیاگ چکے ہو۔

رام: تو پھر پربھو اور کون؟

وششٹھ: یگیہ پورا کرنے کے لیے تمھیں دوسرا دواہ کرنا ہوگا۔

رام: کیا کہا گرو دیو۔ دوسرا دواہ؟

وششٹھ: ہاں۔ دوسرا وواہ۔

رام: منی ور مجھے شما کیجیے۔ یا تو آپ میرے دکھ کو دکھ نہیں سمجھتے یا میرے دھیرج کی پریکشا لے رہے ہیں۔ دوسرا وواہ وواہ نہیں، وواہ شبد کی پوترتا سے منشیہ کی کام لالسا کا ٹھٹھا ہے۔ ناری ہردے کے وشواس کو چور چور کردینے کی چیشٹا ہے۔ پتی بھکتی اور سوامی سیوا کے ساتھ وشواس گھات ہے۔ دیو، دنیامیں سب بندھن ٹوٹ سکتے ہیں کنتو سچے پریم کا بندھن کبھی نہیں ٹوٹتا۔ میں دوسرا وواہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میں نے سیتا کا تیاگ کیا ہے، سیتا کے پریم کا تیاگ نہیں کیا ہے۔

وششٹھ: جب سیتا اتنی پیاری تھی تو پھر پرجا منورنجن کے لیے اس کا تیاگ ہی کیوں کیا؟

رام: وہ راجا کا دھرم تھا۔

وششٹھ: تو اب اُس کی اسرتی کو کیوں نہیں تیاگ دیتے؟

رام: یہ پتی کا دھرم ہے۔

وششٹھ: رام! رام؟

رام: بھگون۔ پران اور شریر کے سمبندھ کا نام جیون ہے۔ رام کا پران سیتا تھی۔ کیسا آشچریہ ہے کہ پران چلے جانے پر بھی ابھی تک رام جی رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے جی رہا ہے۔ کیوں جی رہا ہے اور کس سکھ کی آشا میں جی رہا ہے۔ جس سے آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے سیتا کی چھایا مورتی سامنے آکر کھڑی ہوجاتی ہے تب یہ انوبھو ہوتا ہے کہ یہ اس دھرتی پر نہ ایودھیا واسیوں جیسی کوئی دیا ہین پرجا ہے اور نہ رام جیساکوئی کٹھور ہردے پتی ہے۔

یہ جگت اوروں کو سورگ اور مجھ کو کارا گار ہے
میرا جیون کیا ہے کیول ایک ہاہاکار ہے
اپنے ہاتھوں سے لگادی آگ سکھ اور ہرش میں
ایک دن بھی چین سے بیتا نہ بارہ ورش میں

وششٹھ: تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ پرجا کے کلیان اور رام راجیہ کے منگل کے لیے جس اشومیدھ یگیہ کا ہونا مہا آوشیک ہے، وہ نہ ہوگا۔

رام: ایک ہی طرح ہوسکتا ہے۔

وششٹھ: کیسے۔

رام: ایسے کہ اس ہردے کو جس میں سیتا کے پریم کا سمدر لہریں مار رہا ہے، شراپ دے کر مردبھومی بنا دیجیے۔ اتھوا اپنے تپوبل سے رام کی چھاتی میں ایک پریم شونیہ نیا ہردے پیدا کردیجیے۔

آپ اور کل جگ سمجھتا ہے کہ سیتا بن میں ہے
چیریے چھاتی دکھاؤں ون میں ہے یا من میں ہے
یہ ہردے مندر اسی بن واسنی کا دھام ہے
جانکی میں جان ہوگی رام جب تک رام ہے

وششٹھ: ٹھیک ہے۔ یہ میری بھول تھی جو میں ابھی تک اپنے کو گرو وششٹھ اور رام کو اپنا آگیاکاری شیشہ سمجھ رہا تھا۔ آج ودت ہوگیا کہ ایودھیا کے مہاراج ایک سادھارن منشیہ کی آگیا سننا نہیں چاہتے۔

رام: آپ میرے گرو ہی نہیں پتا تلیہ ہیں۔ پتا نے شریر کا پالن کیا تو آپ نے میری آتما کا پالن کیا ہے۔ پتا نے جیون اور بل دیا ہے تو آپ نے مجھے گیان اور دھرم دیا ہے۔ میں نے کبھی پتا کی آگیا بھنگ نہیں کی۔ کنتو آج پتا تلیہ گرو کی آگیا...... اوہ۔ بچا لیجیے۔ بچا لیجیے۔ بھگوان مجھے گرو آگیا بھنگ کرنے کے پاپ سے بچا لیجیے۔ رام آپ سے دیا مانگتا ہے۔

مری جے کار جو کرتے ہیں وہ چپ چاپ ہوجائیں
مرے جیون کے لیش، لاج اور پشچاتاپ ہوجائیں
کیے ہیں جتنے میں نے پنیہ وہ سب پاپ ہوجائیں
ملے ہیں جتنے آشیرواد مجھ کو شراپ ہوجائیں
نرک کی طرح چاروں اور اپنے دکھ ہی دکھ دیکھوں
جو سیتا کے سوا میں دوسری ناری کا مکھ دیکھوں

وششٹھ: رام۔ تم دھنیہ ہو۔ تم نے پتا کے لیے بن واس گرہن کرکے پرجا کے لیے

سیتا جیسی دیوی کا تیاگ کرکے اور سیتا کے لیے گرہستھ میں ویراگیہ دھارن کرکے جگت پر پرمانت کردیا کہ تم جیسے آدرش پتر ہو ویسے ہی آدرش راجا ہو اور اسی پرکار آدرش پتی ہو۔ اچھا وتس میں دوسرا اُپائے کروں گا۔

نہیں سَر دھرمنی تو یگیہ کی یوں پورتی ہوگی
تمھاری سنگنی سیتا کی سورن مورتی ہوگی

(وششٹھ جی کا پرستھان)

رام: سنسار کے لوگ جب دیکھتے ہیں کہ راجا بھی ہماری ہی طرح نو مہینے ناری کے گربھ میں رہ کر روتا ہوا دھرتی پر جنم لیتا ہے، ہماری ہی طرح بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے۔ ہماری ہی طرح دکھ سکھ سردی گرمی کا انوبھو کرتا ہے۔ ہماری ہی طرح بیمار پڑتا ہے، مرجاتا اور چتا پر رکھ کر پھونک دیا جاتا ہے۔ پھر بھی لاکھوں پرانی ڈرتے کانپتے ہاتھ جوڑ کر اس کے چرنوں میں پرنام اور اس کی آنکھ کے اشارے پر ناچ ناچ کر کام کررہے ہیں۔ تب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ برہما کی سرشٹی میں راجا سے بڑھ کر کوئی بھاگیہ شالی اور سکھی نہیں ہے۔ کنتو انھیں کیا خبر کہ راج ایک سونے کی چکی اور مکٹ اور سنگھاسن اس چکی کے دو سنہری پاٹ ہیں۔ کرم اور کرتویہ کی ہتھکڑی، بیڑی پہن کر قیدی کی طرح رات دن اس راج سیوا روپی چکی کو پیسنا، سوامی کا نام دھارن کرکے جیون بھر پرجا کی سیوا کرنا، اسی کا نام راجا کا سکھ ہے اور پانی کے ساتھ سوکھی روٹی کا ٹکڑا کھاکر دھرتی پر پاؤں پھیلا کے سوتے ہوئے کنگال کے پاس جتنا سکھ ہے، جس منشیہ کے پاس اتنا بھی سکھ نہ ہو اسی کا نام راجا ہے۔ دھکار ہے اس راج سکھ پر۔ دھکار ہے اس راج ادھیکار پر۔

(پرستھان)

— گت —

انک دوسرا — درشیہ چوتھا

والمیکی آشرم

(سیتا، گوتمی اور دیوبالا کا پرویش)

— گانا —

والمیکی: یہ اوسر بیت نہ جائے کہیں
کیا نشچے سواس رہے نہ رہے
یہ جنم، یہ دیہہ ملے نہ ملے
یہ رسنا پاس رہے نہ رہے
یہ کایا کھیل ہے مایا کا
جب تیاگ کرو سب کاج تجو
شری رام جپو شری رام بھجو
یہ کایا بات سنے نہ سنے
ادھیکار میں سواس رہے نہ رہے
اب بس میں ہے جیون کا رتھ
پھر ہاتھ میں راس رہے نہ رہے
پربھو پریت کے گیت سدا گاؤ
انھیں آ بھرن سے اُردھام سجو
شری رام سنو، شری رام کہو

شری رام جپو، شری رام بھجو

سیتا: بہن گوتمی۔ تم سال کا حساب دن اور مہینوں سے کرتی ہو اور میں سال کا حساب اپنی ٹھنڈی سانسوں اور آنسوؤں سے کرتی ہوں۔ ہائے سکھ کے دن کتنے چھوٹے اور دکھ کے دن کتنے بڑے ہوتے ہیں۔ ایودھیا میں سکھ کا ایک ورش ایک چھن معلوم ہوتا تھا اور اب دکھ کا ایک ایک دن ایک ایک ورش، ایک ایک پرلے کے سمان جان پڑتا ہے۔

میں دشرتھ کل کا دھن ہوں کیوں نہ لینے اپنا دھن آئے
نہ راگھو نے دیے درشن نہ اب تک لکشمن آئے
جلے گی ویوگ اگنی میں یوں ہی کیا رات دن سیتا
کہو ہے دیوگن کیسے جیے گی رام بن سیتا

گوتمی: دیوتاؤں کو کیوں پکارتی ہو بہن۔ شری رام کی طرح دیوتا بھی پُرش ہیں۔ پھر وہ اِستری کے ساتھ کیوں نیائے کریں گے۔

دیوبالا: وہ دیکھو لوکش آ رہے ہیں۔ اب وہی تمھارے آتما کی شانتی اور وہی تمھارے جیون کا سکھ ہیں۔

سیتا: بہن سچ کہتی ہو—

یہ ہی وہ پرتمائیں ہیں دلاسا جس سے پاتی ہوں
جب ان کو دیکھتی ہوں اپنا سب دُکھ بھول جاتی ہوں

(لوکش کا پرویش)

کش: لو بھیا۔ ماتا جی کھڑی ہیں۔ تم پوچھتے ہو یا میں پوچھوں؟

لو: دیکھو وہ ہاتھ تم پکڑ لو اور یہ ہاتھ میں پکڑتا ہوں اور پھر—

کش: پھر تم پھر سے اُڑ جانے دو۔ سمجھ گیا۔ آؤ۔ (سیتا کا ہاتھ تھام کر) ماتا۔

لو: (سیتا کا دوسرا ہاتھ تھام کر) جننی۔

کش: بتاؤ۔

لو: بولو۔

کش: ہم دونوں......

لو: کون ہیں؟

سیتا: (دونوں کو چھاتی سے لگا کر) تم میرے پورو جنم کی پرارتھنا ہو، اس جنم کا آشیرواد ہو، ودواہت جیون کا گورو ہو، ناری ہردے کا مدھر سوپن ہو۔

کش: ماتا میں تو جانتا تھا کہ میرا نام کش اور بھیا کا نام لو ہے۔ یہ تو ابھی جانا کہ ہم دونوں کے بہت سے نام ہیں۔ پہلا نام کیا بتایا تھا ماتا۔

لو: بھول گئے؟ پرارتھنا اور دوسرا نام آشیرواد۔

کش: اور تیسرا نام، ہاں یاد آیا، گورو۔

لو: اور چوتھا نام۔ دیکھو۔ ارے یاد آجا۔ ہاں سوپن۔ سوپن۔

کش: ماتا جی اور سب نام تو ٹھیک ہیں۔ کنتو یہ سوپن نام ٹھیک نہیں۔ کیونکہ لوگ سوپن دیکھ کر بھول جایا کرتے ہیں۔ تو کیا تم بھی ہمیں بھول جاؤ گی؟

سیتا: (گوتمی اور دیوبالا سے) سکھی، اس بات کا کیا اُتر دوں؟

دیوبالا: کلیجے سے لگا لو، یہی ایک اُتر ہے۔

لو: ماتا، تم نے نام تو بتا دیے، کنتو یہ ابھی تک نہیں بتایا کہ ہم کون ہیں؟

سیتا: تم میرے پُتر ہو۔

کش: یہ تو میں دس ورش سے جانتا ہوں۔

سیتا: تم میرے خوبصورت کھلونے ہو۔

لو: یہ آج جان لیا۔

سیتا: تب بٹیا اور کیا جاننا چاہتے ہو؟

کش: شاستروں کی آگیا نوسار شستر ودیا سیکھنے کا ادھیکار کیول شتریہ کے لیے ہے، براہمن کے لیے نہیں ہے۔

لو: اور منی ور نے ہمیں شاستر ودیا بھی سکھائی اور شستر ودّیا بھی۔

کش: تو اب یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ براہمن؟

لو: یا شتریہ؟

کش: جب رشی بالکوں کے ساتھ مل کر وید شاستروں کا پاٹھ کرتے ہیں تب نشچے ہوتا ہے کہ ہم براہمن ہیں۔

لو: اور جب دھنش بان دھارن کرتے ہی یدھ کے اُتساہ سے چھاتی جھاگ اچھالتے ہوئے سَمُدر کی بھانتی پھول اٹھتی ہے، تب یہ بھرم ہوتا ہے کہ ہم شتریہ ہیں۔

سیتا: بٹیا یہ آج کیوں پوچھ رہے ہو؟

لو: ماتا جی۔ ہم سدا بچے ہی تو نہیں رہیں گے۔ ایک دن بڑے بھی تو ہوں گے۔ اس لیے ابھی سے سمجھ لینا چاہتے ہیں کہ بڑے ہونے کے بعد ہمارے جیون کا کیا کرتویہ ہوگا؟

کش: براہمن سمجھ کر لڈوؤں کی تھالی اور شردھا کے پھول سے دیش ہماری سیوا کرے گا۔

لو: یا اس دھنش بان سے ہم جاتی اور دیش کی سیوا کریں گے۔

سیتا: تمھاری کیرتی اکشے ہو۔ میرے سہاگ سکھ کی ہنستی کھیلتی پرتماؤ۔ تمھارا جنم، جاتی اور دیش کی سیوا ہی کے لیے ہوا ہے۔

کش: بس بوجھ گیا پہیلی۔ سمجھ گئے بھیا؟

لو: سمجھ گئے۔ ہم براہمن نہیں شتریہ ہیں۔

کش: ہاں، اور ہماری ماتا جی شترانی ہیں۔

لو: ماتا جی ہم اپنے دھنش بان تمھارے پوجیہ چرنوں میں رکھ کر تم سے آشیرواد چاہتے ہیں۔

(سیتا جی کے چرنوں میں دھنش بان رکھ کر دونوں بیٹھ جاتے ہیں)

سیتا: ماتا کی ہر سانس پتر کے لیے آشیرواد ہے۔ کیا آشیرواد چاہیے بٹیا۔

کش: ہمارا دھرم بل اور باہو بل اجے ہو۔

لو: ہاں ماتا۔ جیسے لنکا وجئی رام کی دھرم پتنی سیتا رام کا یش گان سن کر گورو سے

کہتی ہوگی کہ دھنیہ ہیں میرے پتی، ویسے ہی ایک دن ہمارے لیش پرتاپ کا ورنن سن کر تم بھی گرو سے مستک اونچا کر کے کہہ سکو کہ دھنیہ ہیں میرے پُتر۔

سیتا: یدی میری پتی بھکتی وشنو بھگوان کی چھاتی پر جگمگاتے ہوئے کوستبھ رتن کے سمان اتول، دھرم کی طرح نش کلنک، پنیہ کی طرح پوتر ہے، تو اس جیون میں کبھی پراجے سے تمھارا پریچے نہ ہوگا۔

(گوتمی اور دیوبالا کے ساتھ سیتا کا پرستھان)

کش: بھیا۔ ماتا کا آشیرواد سُن لیا۔ اب؟

لو: اب کا اُتر یہ ہے کہ سے آئے تب۔

کش: ارتھات؟

لو: ارتھات یہ کہ لڑو اور جے کرو۔

کش: لیکن کس سے لڑیں؟

لو: شترو سے لڑو۔

کش: شترو کوئی ہے ہی نہیں۔

لو: یہ تو بڑی بری بات ہے کہ ہمارا کوئی شترو نہیں ہے (ہنس کر) اچھا تو پھر آؤ ہم تم آپس ہی میں لڑیں۔

کش: بھائی بھائی لڑیں؟ یہ کیوں؟

لو: لڑنے کا ابھیاس ہوجائے گا۔

کش: نا۔ مُنی ور کہتے تھے کہ ست یگ اور تریتا میں بھائی بھائی نہیں لڑتے۔ بھائیوں کی لڑائی کل یگ میں ہوگی۔

لو: آہا۔ اب ہمارے پاس اپنا بل اور ماتا کے آشیرواد کا بل، دو دو بل ہیں۔ سن لو بھیا ہمیں کوئی نہیں جیت سکتا۔

کش: مگر یہ تو کہو، جب جیتنے کی آشا ہی نہ ہوگی تو ہم سے لڑے گا کون؟

لو: وہی، جو یہ سمجھ لے کہ کندھے پر سر کی جگہ توما رکھا ہوا ہے۔

کش: بس۔ بس ہے

گونج اٹھیں گی سب دشائیں اپنی جے جے ناد سے

لو: ہے

جیت لیں گے تربھون ماتا کے آشیرواد سے

(لوکش کا پرستھان۔ والمیکی، دیوبالا، گوتمی کے ساتھ سیتا کا پُنہ پرویش)

والمیکی: تمھارے پہلے پرشن 'کہاں' کا اُتر یہ ہے کہ یاترا کو جارہا ہوں اور دوسرے پرشن 'کس لیے' کا یہ اُتر ہے کہ پتنی کے لیے پتی کا پریم اور پُتر کے لیے پتا کا سینہہ لینے جارہا ہوں اور سنو کس دیش کو جارہا ہوں۔ اُس دیش کو جو ستیہ وچن، ستیہ وچار، ستیہ کرم کا نواس استھان ہے۔ اس لوک کا سورگ ہے۔ نیائے کی بھومی ہے۔ دھرم کی راجدھانی ہے۔

جیسے سوریہ کے تیج سے اندھکار ہو نشٹ
چھن بھن ہوجاتے ہیں روگ، شوک، بھے، کشٹ
ایسا ہے اُس دیش کے درشن کا پرتاپ
ایک گھڑی میں ناش ہوں لاکھ جنم کے پاپ

سیتا: اُس دیش کا نام منی ور؟

والمیکی: میرے اِشٹ دیو بھگوان رام چندر کی پنیہ بھومی ایودھیا۔

سیتا: ایودھیا! کیا کہا بھگون، ایودھیا۔ وہی ایودھیا جہاں یہ ابھاگنی سیتا کبھی راج لکشمی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ وہی ایودھیا جہاں میں سیوا اور بھکتی کے پھولوں سے اپنے ہردے مندر کے دیوتا کی پوجا کیا کرتی تھی۔ وہی ایودھیا جہاں میں نے سوامی سے اُن کے اننت پریم کا وردان پایا تھا — ارے یہ کیا، ایودھیا کا نام سنتے ہی ہردے کی ٹوٹی ہوئی وینا کا پرتیک تار گت جیون کی مدھر راگنیوں سے کیوں گونج اٹھا۔ نا۔ نا۔ وہ سکھ کا درشیہ بہتے ہوئے پانی پر بجلی کی مسکراہٹ کا پرتی بمب تھا، آنکھوں کا بھرم تھا، کلپنا سوپن تھا، ہاں

ہاں نشچے سوپن تھا۔ کنتو کنتو پھر بھی اچھا ہوتی ہے کہ اس جاگرت اوستھا میں ایک بار وہ سوپن پھر دیکھوں۔ ایک بار۔ دیاے، کیول ایک بار۔

دیوتا بھی ہائے روٹھے دیوتا کا دھام بھی
رام کی نگری بھی چھوٹی، جانکی سے رام بھی
جایئے پربھو ایودھیا، پر ایودھیا کے لیے
میرا آشیرواد بھی لے جایئے پرنام بھی

والمیکی: (آشچریہ سے) آشیرواد اور پرنام!

سیتا: ہاں۔ پرنام شری رام کے لیے اور آشیرواد ایودھیا کے لیے۔

والمیکی: جن دیاہین ایودھیا واسیوں نے ہردے کی شانتی، ہونٹوں کی ہنسی، ماتا کوشلیا کے آنچل کا سایہ، رام جیسا پتی تم سے چھین لیا۔ جن ایودھیا واسیوں نے پرجا پالن اور راج کرتویہ کی دہائی دے دےکر رام کے ہردے مندر کے دوار تمھارے لیے بند کردیے۔ جن ایودھیا واسیوں کے اتیاچار سے راج لکشمی ہوکر بھکارنی کے سمان تم اس تپوون میں جیون بتا رہی ہو۔ جن ایودھیا واسیوں کے کارن تم بارہ ورش سے گیلی لکڑی کی طرح پتی ویوگ کے آگ میں دھیمے دھیمے تل تل کرکے جل رہی ہو۔

جو اپنے پاپ پر ہنستے ہیں پشچاتاپ کے بدلے
تم آشیرواد اُن کو بھیجتی ہو شاپ کے بدلے

سیتا: شراپ دوں۔ کسے شراپ دوں؟ منی ور۔ اس سرشٹی پر ماتا کا پریم، ماتا کی سیوا، ماتا کے اُپکاروں کو بھول کر ماتا کے ہردے کو چور چور کردینے والے پُتر تو آپ کو ملیں گے کنتو پتر سے دکھ پاکر اپمان سہ کر دھکارے جانے پر بھی پتر کا منگل چاہنے والی ماتا آپ کو نہ ملے گی۔ میں جس طرح لو اور کش کو اپنے پتر سمجھتی ہوں اُسی طرح ایودھیا واسیوں کو بھی اپنی پریہ سنتان جانتی ہوں۔

ہے پرارتھنا مری سکھ کیرتی اکٹھے ہو
منگل ہو ایودھیا کا راگھو کی سدا جے ہو

جتنے ہیں اودھ واسی سب آنکھ کے تارے ہیں
وہ میرے بھی پیارے ہیں جو رام کے پیارے ہیں

والمیکی: بھگوتی۔ میں لوکش کا پریچے دینے کے لیے ایودھیا جانے ہی والا تھا کہ آج سویم ایودھیا نریش کا نمنترن پتر بھی آگیا۔ مجھے پورا وشواس ہے کہ میں یہاں سے کیول آشا لے کر جارہا ہوں۔ کنتو وہاں سے اپنے لیے بھگوان کے درشن کا آنند، تمھارے لیے کھویا ہوا پتی پریم اور ان بالکوں کے لیے تیجسوی بھوشیہ لے کر لوٹوں گا۔

اب سکھ کے دن نکٹ ہیں نشچے کرو یہ من میں
پراربدھ کا سندیسہ بھی ہے نمنترن میں

سیتا: تو کیا آپ کے تت کال جانے کا کارن نمنترن ہے؟

والمیکی: ہاں۔ دوت سے میں نے یہ بھی سنا کہ کیول مجھ ہی کو نہیں، دیش بھر کے رشیوں منیوں اور براہمنوں کو نمنترن بھیجا گیا ہے۔

سیتا: کس لیے بھگون؟

والمیکی: پرجا کے کلیان کے لیے۔ پرجا پال پربھو شری رام اشومیدھ یگیہ کرنا چاہتے ہیں۔

سیتا: (آشچریہ سے) یگیہ۔

والمیکی: ہاں۔

سیتا: اشومیدھ یگیہ۔

والمیکی: ہاں۔

سیتا: شری رام یگیہ کریں گے؟

والمیکی: تم اتنا آشچریہ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟

سیتا: نانا بھگون۔ آپ میرے کانوں میں جلتا ہوا گرم سیسا انڈیل دیجیے، میری شرون شکتی چھین لیجیے۔ مجھے شراپ دے کر بھسم کردیجیے، کنتو شری رام پر جو میرا اٹل، اسیم، اننت وشواس ہے، اُس وشواس کو میرے ہردے کے گورو کو، میرے سورن استھان کو بھنگ نہ کیجیے۔ سمبھو ہے کہ آپ نے سمجھنے میں بھول کی ہو۔

کیا دوت کے یہی شبد تھے؟ کیا اُس کے شبد کا یکیہ کے سوا اور کوئی ارتھ نہیں ہوسکتا۔ آہ دُربھاگنی سیتا، ایک انتم آشا تھی، وہ بھی نہ رہی۔

(دیوبالا کے کندھے پر سر رکھ کر روتی ہے)

والمیکی: دیوی کلیانی، یہ کیا؟ تم رو رہی ہو؟

دیوبالا: مُنی ور، جب تک دھرم پتنی ساتھ نہ بیٹھے، کوئی یکیہ سمپورن نہیں ہوسکتا۔ جب رام یکیہ کررہے ہیں تو نشچے انھوں نے دوسرا دواہ کیا ہوگا۔

والمیکی: دوسرا دواہ؟

دیوبالا: یدی نہیں ہوا تو یکیہ کس طرح ہوگا؟

والمیکی: (من میں) سمجھ گیا۔ ناری کا ہردے سب کچھ سہن کرسکتا ہے، یہی دکھ سہن نہیں کرسکتا۔ (پرگٹ) بیٹی سیتا—

سیتا: (سر اٹھا کر روتے ہوئے) بھگون۔

والمیکی: اپنے دکھ کو سانتونا دو۔ میری طرف دیکھو۔ میں جو کہوں، اس کے اکشر اکشر پر وشواس کرو۔ میری لکھت رامائن سادھارن کویوں کی پستکوں کے سمان کیول کلپنا نہیں ہے۔ میں نے بھگوان رام کے چرتر کا پورن ابھیاس کیا ہے۔ مجھے گورو ہے کہ میں کوشلیا، لکشمن، بھرت، شتروگھن اور سیتا سے بھی اَدھک ان کے چرتر کی مہانتا کو سمجھ سکتا ہوں۔ اس لیے سنو۔ پرکرتی اپنا نیم، دھرم اپنا ستیہ، پنیہ اپنی مہما، دیولوک اپنی پوترتا تیاگ دے۔ کنتو شری رام، مہاتما رام، راجا روپی سنیاسی رام، جنھوں نے سنسار کو پتی دھرم کا ارتھ سمجھانے کے لیے آج تک دوسرا دواہ نہیں کیا۔ تیاگ دینے پر بھی اپنی جیون سنگنی کا دھیان نہیں تیاگ سکتے۔

رگھوبر کے روم روم میں تم براجمان ہو
وہ مانو ایک دیہہ ہے، تم اُن کے پران ہو
جپتے ہیں آج تک وہ تمھارے ہی نام کو
کس میں یہ بل ہے چھین لے سیتا سے رام کو

سیتا: شما کیجیے پوجیہ پتا جی، اپنی دین ہین دکھیا پتری کو شما کیجیے۔ یہ میری چھن ماتر کی دُربلتا تھی۔ پتی پریم کے وشواس کا سہسا ولاپ تھا۔ پراربدھ کے اتیاچار کی انتم دُہائی تھی۔ مُنی ور اس بارہ ورش کے اندر میرے دکھ نے شانت ہوجانا سیکھ لیا ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں اس کے ہونٹوں سے کبھی کبھی ایک آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ہائے نکل جاتی ہے۔ جایئے کشل پوروک ایودھیا جایئے......

مٹا کب کرم کا لکھا وہی ہوگا جو ہونا ہے———
یہ آنسو کیسے سوکھیں بھاگیہ ہی میں جب کہ رونا ہے
مرے لوکش سکھی ہوں آپ وہ سامان کردیجیے
میں دکھیا ہوں میرے بچوں کا کچھ کلیان کردیجیے

والمیکی: بھگوتی۔ یہ والمیکی نامی براہمن، راجیہ ادھیکاریوں سے ستکار پراپتی کے لیے نہیں، وستر اور بھوجن کے لیے نہیں، دان دکشنا کے لیے نہیں، تمھارے بچوں کی منگل کامنا ہی کے لیے آج ایودھیا جارہا ہے۔ جس طرح مجھے شری رام چرتر کی پوترتا پر، سیتا کے ستیتو پر، اپنی رچت رامائن کے اکشر اکشر کے سچ ہونے پر وشواس ہے، اسی طرح اس بات پر بھی اٹل اور اچل وشواس ہے کہ راگھو اپنے پتروں ہی کو نہیں، اپنی نرپرادھ تیاگی ہوئی پتنی کو بھی اوشیہ گرہن کریں گے۔ یدی میں نے وہاں پہنچ کر یہ دیکھا کہ رام کی اسرتی سے دھندلی ہوتے ہوتے سیتا کی چھوی مٹ گئی ہے۔ اتھوا سکھ لالسا سے یا یگیہ پورتی کے لیے بادھیہ ہوکر رام نے دوسرا وواہ کرلیا ہے، تب تم یہ سمجھنا کہ ان شبدوں کا اُچارن کرنے والا رامائن کرتا براہمن والمیکی نہیں، کوئی متھیا وادی شودر والمیکی ہے اور میں اپنی بھکتی اور شردھا کو دھکار کر یہ نشچے کرلوں گا کہ جس کا میں نے رامائن میں گن گایا ہے وہ دشرتھ کے پتر شری رام نہیں کوئی اور رام ہیں۔

(والمیکی کا پرستھان)

سیتا: ہائے راجا کی پُتری، راجا کی ودھو، راجا کی پتنی ہوکر اس سنسار میں کون استری

میری طرح چر دُکھنی ہوگی۔

وہ دن بھی تھا، بلاتے تھے مجھے یہ کہہ کے نر ناری
جنک کی لاڈلی، رگھو کل کی لکشمی، رام کی پیاری
مگر اب اس جگت میں نام میرا بھاگیہ ہینا ہے
مرتیو تو کہاں ہے، آ، یہ جینا بھی، نہ جینا ہے

گیت

(گانا)

کس نے بھرم بھید جگ کا اس جگ میں پایا
روپ لیت بار بار جیسے دھوپ چھایا
رشی مُنی جن سارے سوچ سوچ کر ہارے
مایا نے دُکھ سکھ کا ایک کھیل بنایا

اَنک دوسرا — درشیہ پانچواں

جنگل

(شتروگھن کا سینکوں کے ساتھ پردیش)

شتروگھن: پرتیک دیش میں سمپورن پرتشٹھا اور اتینت ہاردک پریم کے ساتھ ہمارا سواگت کیا گیا۔ اس سواگت میں سوارتھ نہ تھا، لوبھ نہ تھا، بھے نہ تھا، متر بھاؤ کا جھوٹا دکھاؤ نہ تھا، کیول رام کی مہانتا کا درڑھ وشواس اور رام چرتر کے پرتی اسیم بھکتی تھی۔ ایودھیا اپنے سوبھاگیہ پر چاہے کتنا ہی ابھیمان کرے کنتو اس دیشاٹن میں راگھو کے ساتھ لوک پریم کے الوکک درشیہ دیکھ کر مجھے نشچے ہوگیا کہ ہر ایک ہردے رام کا سنگھاسن اور ہر ایک آتما رام کی ایودھیا ہے۔

سینک 1: ہمارے شستر بھی ہم پر ہنستے ہوں گے۔ ہم اُن دیشوں کو جیتنے گئے جنھیں ایودھیا نریش کا پرتاپ پہلے ہی جیت چکا تھا۔

شتروگھن: آریاورت میں اس سے پرتھم بھی بہت سے پراکرمی سمراٹوں نے اشومیدھ یگیہ کیے ہوئے گے، کنتو اشو رکشک سینا اپنے دَل کا ایک آدمی، اپنے شریر کا ایک رکت بندو، اپنے نِکھنگ کا ایک بان بھی کھوئے بنا اس پرکار یگیہ کے گھوڑے کو ساتھ لیے ہوئے کشل پوروک دیش پری بھرمن کرکے یگیہ استھل کی طرف نہ لوٹی ہوگی۔

سوپن میں بھی نہ کہیں شستر کی جھنکار سنی
جے سنی، جس سے سنی، رام کی جے کار سنی

سینک2: یہاں سے ایودھیا بہت نکٹ ہے۔ اب ہماری یاترا سماپت ہوا چاہتی ہے۔

شتروگھن: دو تین دن کے بعد کیسا وچتر درشیہ دکھائی دے گا۔ براہمنوں، رشیوں، سادھوؤں، انیک جاتی کے مہاپرشوں اور سینا سہت دیش دیش کے راجاؤں کے آگمن سے ایودھیا نگری کے ہر طرف اَگڑت نئے نگر بس گئے ہوں گے اور ان نگروں کی شوبھا دیکھ کر یہ بھرم ہوتا ہوگا کہ دھرتی سے ہزاروں چندرما اُدے ہوکر چاروں اور بکھر گئے ہیں۔

(اندر سے شور ہوتا ہے)

آواز: (اندر سے) یہ رہا۔ روکو۔ گھیر لو۔ باندھ لو۔

شتروگھن: یہ کولاہل کیسا۔ کیا تپوون میں بھوکمپ آگیا؟

سینک 1: مانو کسی پرسنگھ نے آکرمن کیا۔

(اندر سے پھر وہی آوازیں آتی ہیں)

شتروگھن: اِن آوازوں میں شستروں کی جھنکار بھی ملی ہوئی ہے۔

سینک 2: نشچے یُدھ ہو رہا ہے۔

شتروگھن: یُدھ اور اس شانت استھل میں؟ اسمبھو ہے۔

(ایک طرف ساتھیوں کے ساتھ شتروگھن کا پرستھان۔ دوسری طرف سے آگے آگے لو، کش اور ان کے پیچھے پیچھے دُرمکھ اور سینکوں کا پرویش)

دُرمکھ: بالکو۔ بس ٹھہر جاؤ۔

لو: لو مہاشے ٹھہر گئے۔ دوسری آگیا۔

دُرمکھ: گھوڑا دے دو۔

لو: (جیسے سنا نہیں) ایں؟

دُرمکھ: گھوڑا دے دو۔

لو: (جیسے سنا نہیں) ایں؟

دُرمکھ: گھوڑا دے دو۔

کُش: (جیسے سنا نہیں) کیا؟

دُرمکھ: (چلّا کر غصے سے) ارے گھوڑا دے دو۔

لو: کیا کہہ رہے ہو سنائی نہیں دیتا۔

درمکھ: کیا بہرے ہو؟

کش: (ایک سینک سے) کیوں بھائی۔ کیا بہرے ہو؟

درمکھ: پاگل ہو گیا؟

لو: (سینک سے) ہائے ہائے یہ بھی بیماری ہے۔ بہرے ہونے کے ساتھ پاگل بھی ہوگئے ہیں۔

دَرمکھ: (دل میں) وِچتر لڑکے ہیں۔ (پرگٹ) تو کیا تم گھوڑا نہ دوگے؟ ہم نشچے کرلیں؟

کش: آپ یہ نشچے کرلیں گے تو بڑی کرپا ہوگی، نہیں تو پھر ہمارے دھنش بان کو آپ پر کرپا کرنی ہوگی۔

دُرمکھ: تو اس کا یہ ارتھ ہوا کہ تم دونوں ہم کو، ہمارے بَل کو، ہمارے شستروں کو کچھ نہیں سمجھتے۔

لو: کچھ نہیں؟ نا مہاشے، ہم تمھیں بہت، بہت، بہت سمجھتے ہیں۔ ؎

چٹکیوں میں باڑ بھی ہیں ہاتھ میں تلوار بھی
رکت ترشت شستروں میں کاٹ بھی ہے دھار بھی
بَل بھی ہے، اُتساہ بھی، جے کار بھی، للکار بھی
شور بھی ہو، شتریہ بھی، کرودھ کا اوتار بھی
ہونپُن تم ویرتا کی سب کلا، سب داؤں میں
اپنی پرشنسا سنی، اب جاؤ لیٹو چھاؤں میں

درمکھ: گیروا وستر، مرگ چھالا، کمنڈل، آسن، کھڑاؤں، پھل پھول، سنسار تیاگی سادھوؤں کو جن کی آدشیکتا ہوتی ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی وستو نہیں، پھر تم

اس گھوڑے کو لے کر کیا کرو گے؟

کش: جیسے تم اکڑ اکڑ کر باتیں کررہے ہو ویسے وہ بھی اکڑ اکڑ کے چل رہا تھا، اس لیے مجھے اس سے یہ پوچھنا ہے کہ مہاشے گھوڑے جی، تم پچھلے جنم میں بھی گھوڑے ہی تھے یا کسی راجا کے سپاہی تھے۔

سنا، بس راستہ لو پڑرہے ہو کیوں جھمیلے میں
تمھیں بھی باندھ دیں گے ہم کسی چھوٹے طویلے میں

و: ے

اگر گھوڑے کا مالک تم سے پوچھے کیا ہوا گھوڑا
تو کہہ دینا کہ گھوڑا بہہ گیا پانی کے ریلے میں

دُرمکھ: استری، بوڑھے، بالک پرشستر اُٹھانا شتریہ کا دھرم نہیں ہے، اس لیے پھر کہتا ہوں کہ ہٹ نہ کرو۔ تمھیں یدھ کے لیے للکارتے ہوئے مجھے لاج آتی ہے۔

کش: لاج سے کہہ دو کہ مہورت ٹھیک نہیں، آج نہیں کل آئے۔

لو: ناناکش بھیا۔ پُرش ہوکر انھیں استری کی طرح لاج آرہی ہے تو ان کے لاج کی لاج رکھنے کے لیے گھوڑا چھوڑ دو۔ براہمنوں کو گودان دیا جاتا ہے۔ کنتو یہ براہمن نہیں شتریہ ہیں، اس لیے انھیں گھوڑا دان دینا چاہیے۔

درمکھ: وِدروہی بن کر دنڈ کے پاتر نہ بنو۔ یہ بھی جانتے ہو کہ یہ گھوڑا کس کا ہے؟

کش: یہ بات تو میں گھوڑے سے پوچھنا ہی بھول گیا۔ جاؤ بھیا گھوڑے مہاراج سے پوچھ آؤ۔

لو: پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

اُسی کا ہے کہ جس کے ہاتھ میں گھاس اور چارا ہے
کہیں کا ہو، کسی کا ہو، مگر اب تو ہمارا ہے

دُرمکھ: ابودھ بالکو۔ یہ اشومیدھ یگیہ کا گھوڑا ہے اور اس کے سوامی جگت وجئی ایودھیا نریش شری رام چندر ہیں۔

جانتے ہو کون رام؟ وہی مہاپُرش رام
جن کے شبھ کاموں نے دُکھ کا سنہار کیا
جانتے ہو کون رام؟ وہی رام دیا دھام
جن کی ایک ٹھوکر نے اہلیا اُدھار کیا
شو کا اکھنڈ دھنش پل میں دو کھنڈ دیکھ
جن کے بھج دنڈ کو جگ نے نمسکار کیا
کمبھ کرن، راون سے دُشٹوں کو مار کر
جس نے پھر دھرتی پر دھرم کا پرچار کیا

کُش: پہچان لیا۔ تمھارے مہاراج رام چندر کو بھی اور تم کو بھی۔ مہاشے تمھیں تنخواہ تو بہت بڑی ملتی ہوگی؟

دُرمکھ: کس لیے؟

کُش: اِس لیے کہ تم اپنے مالک کی تعریف اور خوشامد کرنا خوب جانتے ہو۔ اچھا خوشامد مہاشے سنو۔ گھوڑا بنا یُدھ کے نہیں مل سکتا۔ یگیہ کے لیے اس کا پریوجن ہے، تو اپنے مہاراج شری رام چندر سے کہو کہ سویم آکر لے جائیں۔

دُرمکھ: اور میں جو مانگ رہا ہوں۔

لو: یہ تو میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارا منھ بھکشا مانگنے کا کمنڈل ہے۔ کنتو مانگنے سے مل تھوڑا جائے گا۔ پورا گھوڑا کیا تم گھوڑے کی آدھی دُم بھی نہیں لے جاسکتے۔

گا رہا ہے کیرتی، پرتیک پرانی رام کی
سن رہے ہیں مدتوں سے ہم کہانی رام کی
دھوم ہے جگ میں کہ رگھو بر ویرتا کی کھان ہیں
ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کتنے بڑے بلوان ہیں

دُرمکھ: اِن چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں پر اتنا بڑا ساہس۔ تم لنکا وجئی رام سے یُدھ کرو گے؟

کُش: نہیں شریمان جی۔ بھلا بالک بھی کہیں یُدھ کرسکتے ہیں؟ ہم تو شری رام کو

کیول اپنے دھنش بانڑ کا کھیل دکھائیں گے۔

دُرمکھ: تم نے یُدھ کا شبد تو کسی سے سن لیا ہے، کنتو یہ بھی جانتے ہو کہ یُدھ کسے کہتے ہیں؟

لو: کیوں نہیں جانتے— جو ہم نے پڑھا سنا ہے، تم بھی سن لو۔ جب دو پشو ایک دوسرے پر آکرمن کرتے ہیں تو اُسے ٹکر یُدھ کہتے ہیں۔ جب دو پاجی کرودھ میں ایک دوسرے کا سر پھوڑ دیتے ہیں تو اُسے ڈنڈا یُدھ کہتے ہیں۔ جب دو منشیہ شستر اور ہاتھ کے بنا کیول باتوں سے لڑتے ہیں تو اُسے بنیا یُدھ کہتے ہیں اور جب دو ویر پُرش سامنے کھڑے ہوکر ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں تو اُسے شتری یُدھ کہتے ہیں۔

کش: اور سامنے آکر لڑنے کے بدلے سگریو کی آڑ سے بالی جیسے ویر کو بانڑ مارنا، یہ بھی ایک پرکار کا یُدھ ہے۔ کنتو یہ یُدھ تمھارے پربھو رام چندر ہی جانتے ہیں۔ ہم دونوں بھائی نہیں جانتے۔

لو: ۔

یہ رام سے اپنے جا کے کہہ دو کہ تیاگ دیں دھیان اُس سے کا
یہاں نہیں ہے کوئی وِبھیشن جو کان میں کہہ دے بھید جے کا
ملے گا لنکا کا ساہس اور بل، نہ من ہی میں اور نہ انگ ہی میں
یہ بانڑ راون کو جس سے مارا دھرا رہے کا نکھنگ ہی میں

درمکھ: تب تم نہ مانو گے؟

لو۔کش: (سر ہلا کر) اوں ہوں۔

درمکھ: نہ سنو گے؟

لو۔کش: (پھر سر ہلا کر) اونہہ ہوں۔

درمکھ: گھوڑا واپس نہ دو گے؟

لوکیش: (پھر سر بلا کر) اونہہ ہوں۔

درمکھ: تو کیا یُدھ ہی کرنا چاہتے ہو؟ تو اچھا ساودھان ہوجاؤ۔ ویرد باندھ لو دونوں

کو—

(لڑائی ہوتی ہے۔ دُرمکھ گھائل ہوکر گرتا ہے۔ سینک بھاگتے ہیں۔ لوکش ان کا پیچھا کرتے ہیں۔ لوکش کے جانے کے بعد دُرمکھ دھرتی سے اٹھتا ہے۔)

یہ کیا، اتنے ویر، اتنے بلوان ہاتھ۔ اتنے شستر اور دو بالکوں کو پراست نہ کرسکے۔ ایسا ودِت ہوا، مانو بالکوں کے روپ میں دھنش بانڑ دھارن کرکے سویم جے یدھ کررہی ہے۔

(اندر شور ہوتا ہے)

آواز: (اندر سے) وہ آئے۔ بچو۔ بھاگو۔

درمکھ: یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ وجے دھونی کے بدلے بھاگو بھاگو کا شبد (ایک بھاگتے ہوئے سینک کا گھبرائے ہوئے پرویش) ٹھہرو۔

سینک 1: ٹھہرنا ویرتھ ہے۔ جے کی کوئی آشا نہیں، یہ آندھی سے تنکوں کا یدھ ہے۔

(بھاگ جاتا ہے)

درمکھ: کیسا آشچریہ ہے۔ یہی ایودھیا کے ویر ہیں۔ آکاش پر نہیں، منشیہ لوک سے باہر نہیں، اسی دھرتی پر شستر دھارن کیے ہوئے ہاتھ سے تھوڑی ہی دور پر دو بجلیاں چمک رہی ہیں۔ کنتو انھیں پکڑنے کے لیے کسی میں ساہس نہیں۔ (دوسرے سینک کا پرویش) کائر۔ کہاں؟ کیا بھاگنے ہی کا نام یدھ ہے؟

سینک 2: جن بالکوں نے ہمارے سیناپتی مہاراج شتروگھن جیسے بلوان کو بھی اپنے شکتی شالی بانڑ سے دھرتی پر گرا دیا، اُن سے یدھ کرنا یدھ نہیں، آتم ہتیا ہے۔

(چلا جاتا ہے)

ڈرکھ: یہ کیا کہہ گیا، کیا اُن بالکوں نے شری رام کے بھائی رگھوونش کے اَجے ویر شتروگھن کو بھی جیت لیا۔ تب تو ماننا پڑے گا کہ سنسار میں کوئی کاریہ اسمبھو نہیں ہے۔ چلوں، دیکھوں، ایشور یہ کس پراکرمی پتا اور کس ویر ماتا کے پُتر ہیں۔ دھنیہ ہے وہ جننی جس کے گربھ سے ایسے پرتاپی بالکوں نے جنم لیا۔

(ڈرکھ کا پرستھان۔ لوکش کا ہنستے ہوئے پُنہ پرویش)

دونوں: ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ سب بھاگ گئے۔

لو: بولو۔ لوکش کو دھنُر ودیا سکھانے والے گرو والمیکی کی جے۔

کش: ماتا کے آشیرواد کی جے۔

لو: کیوں بھیا۔ کیسا اچھا یدھ ہوا۔

کش: ہاں۔ یہ یدھ اچھا بھی تھا اور وچتر بھی تھا۔

لو: اچھے کی پیٹھ میں وچتر کی دُم کیوں باندھتے ہو؟

کش: اس لیے کہ یدھ میں ایک پکش کی جیت ہوتی ہے۔ کنتو اس یدھ میں ہم بھی جیتے اور بھاگنے والے سینک بھی جیتے۔

لو: واہ وا۔ زبردستی اُن کی کٹی ہوئی ناک ان کے منھ پر لگا رہے ہو۔ وہ کیسے جیتے؟

کش: ارے بھیا۔ اُن کی جیت پر ایرشا کیوں کرتے ہو؟ سنو تم جیتے ہاتھوں سے اور وہ جیتے ٹانگوں سے۔ تمھاری لڑائی میں جیت ہوئی تو اُن کی لڑائی سے بھاگنے میں جیت ہوئی۔

لو: تب تو ایک بار پھر کہو۔ یدھ بھومی سے بھاگنے والے ایودھیا کے ویروں کی—

دونوں: جے۔

(پرستھان)

انک دوسرا — درشیہ چھٹا

شیناگار

(آدھی رات کا سمے ہے۔ روشنی بجھ گئی ہے۔ کیول کونے میں ایک دیپک دھیمے دھیمے جل رہا ہے۔ شیناگار کے پچھلے بھاگ سے آکاش میں چندرما دکھائی دے رہا ہے، رام پاؤں لٹکائے دونوں ہاتھوں پر سر رکھے ہوئے پلنگ پر بیٹھے ہیں۔ بھرت اُداس مکھ کے ساتھ رام کی اوستھا دیکھ رہا ہے)

رام: دیوی راتری کی گود میں پرکرتی ستاروں کا گیت سنتے سنتے سوگئی۔ ہوا بھی دن بھر کی تھکاوٹ سے چور ہوکر ورکش کے نیچے کھڑی ہوئی نیند سے لڑکھڑا رہی ہے۔ سوریہ کی لہریں چندرما کی چاندنی پر پراتہ کال کا دھوکا کھاکر آنکھیں کھول دیتیں اور پھر کروٹ بدل کر سوجاتی ہیں۔ سب سو رہے ہیں۔ کیول ایک ابھاگا رام ہی جاگ رہا ہے۔ آنکھوں میں نیند نہیں، چت میں شانتی نہیں، ہونٹوں پر ہنسی کی ریکھا نہیں۔ کیسا سکھمے جیون ہے۔ مانو دن بھر اپنے بھیتر کی آگ میں سوریہ کی طرح جلنے اور رات بھر نراشا کے اندھکار میں چندرما کی طرح جاگتے رہنے ہی کے لیے جیون ملا ہے۔ یہی چندرما ہے جسے دیکھ کر ایک دن یہ گیات ہوتا تھا کہ آکاش گنگا میں بادلوں کی لہروں پر چاندنی کی کشتی بہی جارہی ہے اور آج یہ وِدِت ہوتا ہے کہ آکاش رام کے آنسوؤں کا سرو ور ہے اور اس میں رام کے جلتے ہوئے ہردے کا چھالا تیر رہا ہے۔

بھرت: بھگون۔ اردھ راتری بیت گئی۔ وشرام کیجیے۔ جب تک آپ جاگیں گے، آپ کا دکھ بھی جاگتا رہے گا۔

رام: دُکھ کے بوجھ سے دبے ہوئے ہردے اور چنتا جوالا سے جلتے ہوئے مستک کو شانتی دینے ہی کے لیے ایشور نے نیند بنائی ہے۔ نیند ہی کے وشال آکار کا نام مرتیو ہے جو آتما کے طوفان کو دن بھر کے بعد چند گھنٹوں کے لیے شانت کردیتی ہے۔ اُسے نیند کہتے ہیں اور جس سے جیون بھر کے دکھ سدا کے لے ساپت ہوجاتے ہیں اُس نیند کو مرتیو کہتے ہیں۔ میرے لیے نہ نیند ہے نہ مرتیو۔ میرے آنکھوں کی نیند پران پیاری سیتا تھی اور اُسی کے آنے کی پرتیکشا میں بارہ ورش سے اس شریر مندر کے یہ دونوں دوار کھلے ہوئے ہیں۔ کہاں ہو سیتا، رام کی شانتی، رام کی میٹھی نیند کہاں ہو۔ آؤ۔ آؤ۔ آنکھوں میں ستیتو کا تیج اور ہردے میں اگادھ پریم لیے ہوئے آدھی رات کے سناٹے میں سورگ کے پرکاش کی طرح نراشا میں آشا کی طرح، دکھ کی پکار میں دیوتاؤں کی دیا کی طرح ایک بار آجاؤ۔

بولو کہ پریم سیوا بھکتی کے ساتھ، آئی
کب سے بلا رہا ہوں کہہ دو کہ ناتھ، آئی

بھرت: بھراتا، نشچے اس دھرم کرم سے پرپھلت آریہ بھومی میں کسی ستی سادھوی کے ساتھ ایسا انیائے نہ ہوا ہوگا۔ کنتو جو ہوا، کیوں ہوا؟ کیول راجیہ کرتویہ کے لیے، پرجارنجن کے لیے۔ یہی اوستھا رہی تو جس پرجا کے لیے دیوی سیتا نے اپنے سوبھاگیہ سکھ کا اور رام نے اپنے آتما کی شانتی کا بلیدان کیا ہے، اُس پرجا کی کیسے سیوا ہوسکے گی؟

رام: بس بھرت مجھے رات کے سناٹے میں اپنے دکھ سے باتیں کرنے کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔ جاؤ سوجاؤ۔ اوہ، راج سیوا راج سیوا، سبھا میں، بھون میں، ایکانت میں ہر جگہ یہی شبد سنائی دیتا ہے۔ گرہستھ جیون کے سکھوں کی لالسا نہ کرو۔ اپنی جیون سنگنی سے پریم نہ کرو۔ نِش کلنک اور نِراپرادھ ستی کے

آنسوؤں پر دیا نہ کرو۔ ناری ہردے میں چھری بھونک دینے کا پشچاتاپ نہ کرو۔ بس کیول راج سیوا کرو۔ مانو اس کرم شیتر میں سیوا کے سوا راجا کا اور کوئی کرتویہ نہیں ہے۔ بس بہت سیوا کی۔ اب میرے تھکے ہوئے کندھے اس بھاری بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے۔ جاؤ سو جاؤ اور کل جاگنے کے بعد پرجا سے کہنا کہ ابھاگے رام کو دیا کر کے اپنی سیوا بندھن سے مکت کردو۔ یہ بھی کہنا کہ یہ رام کی اچھا نہیں، رام کی پرجا سے پرارتھنا ہے۔

بھرت: پربھو۔ آپ کا دکھ یدی وِش کا کٹورا ہوتا تو آپ کے ہاتھ سے چھین کر پی لیتا۔ پھنکار مارتے ہوئے سانپوں کی مالا ہوتا تو اپنے گلے میں پہن لیتا، لاکھوں بچھوؤں کے ڈنک کی جلن سے بنا شستر، ہوتا تو اپنی چھاتی میں بھونک لیتا۔

آپ کے کام آئے تب جیون ہے یہ کچھ کام کا
کیا کرے، کیسے بھرت ڈکھ بانٹ لے شری رام کا

رام: بھرت جاؤ سو رہو۔ دکھ بہرا ہے۔ تمھارے سانتونا کے شبد نہیں سن سکتا۔

بھرت: بھراتا......

رام: جاؤ، میری آگ میں، کہاں تک جلو گے؟ (بھرت کا سر جھکا کر پرستھان) چندر دیو، جاؤ تم بھی سو جاؤ۔ کیوں نہیں سوتے؟ تم ستاروں کے راجا ہو۔ کیا تمھاری پرجا نے بھی تمھاری جیون سنگنی کو نِر اَپرادھ سیتا کی طرح بن واس دلایا ہے، جو میری طرح جاگ رہے ہو۔ برہما کی رچنا، شکتی سوندریہ سنسار ہے اور سنسار کا سوندریہ سیتا تھی۔ آج سے بارہ ورش پہلے اس جگت کی ہر ایک وستو پران پیاری سیتا کے مکھ تیج سے چمکتی اور ہنستی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ آکاش میں چندرما کو دیکھ کر یہ جان پڑتا تھا کہ سیتا کی کالی کالی بھوؤں کے بیچ میں ہیرے کی ٹیک چمک رہی ہے۔ ہوا کے جھونکوں سے ہلتی ہوئی پنکھڑی کو دیکھ کر یہ بھرم ہوتا تھا کہ سیتا کے کومل ہونٹ ہنسی کے بوجھ سے دب کر کانپ رہے ہیں۔ کنتو، آج نہ سیتا دکھائی دیتی ہے، نہ سنسار کا

سوندریہ دکھائی دیتا ہے۔ باہر بھی اندھیرا اور ہردے میں بھی اندھیرا۔ سب شونیہ ہے۔ سنسار بھی، رات بھی اور رام کا جیون بھی۔

(رام لیٹتے ہیں۔ دھیرے دھیرے آنکھ بند ہوجاتی ہے۔ ان کے سوجانے کے بعد لکشمن کے ساتھ بھرت کا پُنہ پرویش)

لکشمن: ہاں، جیسے شیشے کی بھانتی چمکتے ہوئے بنا بادلوں کے آکاش پر بھیانک گرجن کے ساتھ سہسا بجلی چمک اٹھے اور منشیہ چونک کر اوپر کی طرف دیکھتا رہ جائے، ویسے ہی یہ ساچار سنتے ہی میں بھی چونک اٹھا۔ ہونٹ کھلے رہ گئے اور آنکھیں ساچار لانے والے کے چہرے کی اور آشچریہ سے تاکتی رہ گئیں۔

بھرت: تم نے یہ ساچار کس سے سنا؟

لکشمن: تپو وَن سے بھاگ کر آئے ہوئے ایک سینک سے۔

بھرت: مجھے اب بھی نشچے نہیں ہوتا۔ رام کے یگیہ کا گھوڑا چھین لینا، پوری سینا کو بھگا دینا، شتروگھن جیسے ویر کو جیت لینا، کیا یہ سمبھو ہے؟ تب وہ بالک نہیں، اس سرشٹی پر کوئی وچتر وستو ہیں۔

لکشمن: ساچار لانے والے سینک کا کہنا ہے کہ وہ وچتر سے بھی کچھ ادھک ہیں۔ انھیں یدھ کرتے دیکھ کر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ دو سندر بالک نہیں، دو سندر بھوکمپ ہیں۔ جو بل اور ساہس کے پہاڑوں کو چور کررہے ہیں۔

بھرت: یدی اُن بالکوں نے گھوڑا نہ دیا، تب یہ اشومیدھ یگیہ کس طرح ہوسکے گا؟

لکشمن: بھراتا۔ کیوں نہ ہوسکے گا؟ ابھی سگریو، انگد، ہنومان جیتے ہیں۔ بھرت جیتے ہیں، شری رام کا تُچھ داس لکشمن جیتا ہے۔ جن باہوؤں نے اندر کو جیتنے والے میگھ ناد کو جیت لیا تھا، کیا اب ان میں دو بالکوں سے گھوڑا چھین لینے کی بھی شکتی نہیں رہی۔ نشچے کیجیے۔ ابھی تک کسی ویر ماتا کے گربھ سے رام وجئی اور لکشمن وجئی نے جنم نہیں لیا ہے۔

بھرت: جس ساچار کا راجیہ کے سمان اور یگیہ جیسے مہاکاریہ سے سمبندھ ہے، اُسے

نشچے شیکھر سے شیکھر راگھو تک پہنچا دینا چاہیے۔ کنتو اس سے جگانا مانو سنسار کو سکھ ندرا کا دان دینے والے سے اس کی چھن ماتر کی شانتی بھی چھین لینا ہے۔

لکشمن: تب سینا اور شتروگھن کی سہایتا کے لیے جانے کا کارن بتا کر میری اور سے آگیا نہ لینے کی شما مانگ لیجیے گا۔

جاؤں، دیکھوں، کیا چمتکار اُن کی للکاروں میں ہے
کیسی شکتی ہے کہ جے بھی آگیا کاروں میں ہے
کس نے اُن ویروں کو پالا؟ کون سی ماتا ہے وہ
اتنا بل اور تیج جس کے دودھ کی دھاروں میں ہے

(لکشمن کا پرستھان)

بھرت: ہاں، راجا کا کرتویہ کتنا کٹھور اور کتنا نیرس ہے۔ راج آبھوشنوں سے ڈھکے ہوئے شریر کے اندر کیسے بھیشن کولاہل، کتنے بھوکمپ، کتنے پرلے دوند یدھ کررہے ہیں۔ یدی یہ بھیشن درشیہ دیکھ لے تو راستے کا بھکاری بھی راجا بننے کی اِچھا نہ کرے گا۔

نہ بدلے گا مکٹ سے اپنے بھکشا کے کمنڈل کو
پیا ہے کس نے سونے کے کٹورے میں ہلاہل کو
جگت کرتا نے سنکٹ بھوگنے ہی کو نوازا ہے
دکھوں کے سمِلت آکار ہی کا نام راجا ہے

رام: (نیند میں دھیمے سور سے رک رک کر) چندن کے ورکش میں لپٹے ہوئے سانپوں کے سمان...... بارہ ورش سے گھور یںترڑائیں...... اپنی زہریلی پھنکاروں سے ہردے کو گھیرے ہوئے ہیں...... جیون کے سارے سکھ سمٹ کر...... دُکھ کی آنکھوں میں پشچاتاپ کا...... جلتا ہوا آنسو بن گئے ہیں۔

بھرت: ہائے۔ نیند میں بھی چین نہیں ہے۔ سونے دے۔ سونے دے۔ نردئی اشانتی ایک چھن کے لیے تو رام کو سکھ کی نیند سونے دو۔

(چندرما میں سیتا کی تصویر دکھائی دینا)

رام: (نیند میں) ناری ہردے کی رچنا ہی دیا اور پُنیہ سے ہوئی ہے...... تم ایودھیا واسیوں کے انیائے اور راجا کے کرتویہ کی طرح پاشان ہردے نہیں ہو...... ہردیشوری...... سیتے...... چپ کیوں ہو...... کیا تمھارے پاس رام کے لیے ایک بھی شانتی کا شبد نہیں ہے۔

بھرت: جاگرت میں بھی سیتا اور سوپن میں بھی سیتا۔ ایودھیا واسیو۔ تم نے اپنی مہیشوری کو بن واس دیا۔ کنتو دیکھو پھر بھی رام کے سنسار میں ہر جگہ سیتا ہی راج کر رہی ہے۔

(سیتا کی تصویر کا چھپ جانا۔ رام چونک کر جاگ اٹھتے ہیں)

رام: ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ پرانیشوری۔ سیتے ٹھہرو۔ دیوتاؤں کے ستار کی مدھر جھنکار کی طرح آدھی رات کے سناٹے میں گونج کر، اوشا کی مسکراہٹ کی طرح چمک کر، روتے ہوئے اندھکار کو ہنسا کر کہاں جارہی ہو؟

بھرت: بھراتا، بھراتا..

رام: (بنا سنے) وَن میں، پروت میں، اس سرشٹی سے باہر دوسری سرشٹی میں جہاں بھی جاتی ہو مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ میں راج نہیں چاہتا۔ پرجا کی واہ واہ نہیں چاہتا۔ سیتے۔ کیول تمھیں چاہتا ہوں۔

بھرت: پربھو!

رام: کون؟ بھرت— تو کیا یہ کیول سوپن تھا؟

(رام ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سوچتے ہیں۔ بھرت آشچریہ سے
ان کے مکھ کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہیں)

—گت—

اَنک دوسرا— درشیہ ساتواں

یدھ شیتر

(وِبھیشن، سگریو، انگد اور ہنومان کے ساتھ لکشمن کا پرویش)

لکشمن: اُن بالکوں کے دھنش سے چھوٹے ہوئے بانڑ کا سب سے پہلے سواگت کرنے کے لیے جے اور مرتیو بھی ایرشا سے پرسپر لڑی مرتی ہیں۔ چوٹ کھاکر گرنے والوں کی چھاتی کے گھاؤ بھی اُن کی دھنُر ودیا کو دھنیہ کہہ رہے ہیں۔ اپنے سنتان کے پراکرم پر گرو کرنے والی ماتا کی طرح بار بار ویرتا بھی دوڑ کر ان کے ساہس کا منھ چوم لیتی ہے۔ بس۔ کیا اتنی آنکھوں نے مل کر آشچریہ میں ڈوبی ہوئی درشٹی سے یہی دیکھا؟

ہنومان: یہی نہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ دو بالکوں کے بچپن کے سامنے بڑے بڑے ویروں کی جوانی کانپ رہی ہے۔

لکشمن: اور؟

وِبھیشن: وہ یدھ نہیں کرتے۔ مانو شستر دھاری بولتے ہوئے کھلونوں سے کھیل رہے ہیں۔

لکشمن: تب تم نے چندرما کے چاروں اور پھیلے ہوئے پرکاش کو دیکھا، چندرما کو نہیں دیکھا۔ وِچار سے دیکھتے تو ان بالکوں کے تیجسوی مکھ پر رگھوونش کے چِنھ بھی اِسپسٹ دکھائی دیتے۔ مجھے تو پہلے ہی درشٹی میں یہ گیات ہوا کہ دو تپسوی بالک نہیں، دو رام یدھ کر رہے ہیں۔

روپ بھی رگھو ویر کا، لچھمن بھی سب رگھوبیر کے
دو آلوکک چتر ہیں، پر ایک ہی تصویر کے
اُن کی ہر چھب میں چھوی دیکھی اُنھیں بل دھام کی
پھر رہی تھیں سامنے دو پرتمائیں رام کی

سگریو: ہر کاریہ کا کارن ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بالک کیوں یدھ کر رہے ہیں؟

لکشمن: شیر کیوں دہاڑتا ہے؟ بادل کیوں گرج اٹھتا ہے، سمدر چھاتی پھلا کر اپنی سانس کو آکاش تک کیوں پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ سب اس کیوں کا ایک ہی اُتر دیں گے کہ ہماری اِچھا۔ اس کے سوا اور کوئی کارن جان نہیں پڑتا کہ یہ بالک بھی کیول اپنی یدھ اِچھا کو ترپت کرنے کے لیے یدھ کر رہے ہیں۔

انگد: تب کیا آگیا ہے؟ تلوار کو اپنی ہی دھار سے اپنے نہ کٹنے کا، آگ کو آگ میں نہ جلنے کا، سمندر کے جل کو سمدر میں نہ ڈوبنے کا جتنا نشچے ہے، اس سے ادھک ان کو اپنے وجے پر وشواس ہے۔ اس وشواس بل کے ساتھ چلتی ہوئی ان آندھیوں کو نہ روکا گیا تو ساری سینا مٹھی بھر دھول کی طرح اُڑ جائے گی۔

لکشمن: چلو۔ پہلے ایک بار انھیں سمجھاؤ کہ گھوڑا واپس دے دیں۔ یدھ ان کی ہٹ کا انتم اپائے ہے۔

(لکشمن کے ساتھ سب کا پرستھان۔ اندر شور ہوتا ہے)

آوازیں: (اندر سے) پھر آئے۔ پرلے ہیں— یم ہیں— بھاگو، بھاگو۔

(دو سینکوں کا گھبرائے ہوئے پرویش)

سینک 1: باپ رے باپ۔

سینک 2: دادا رے دادا۔

سینک 1: بالک ہیں یا جاڑے کا بخار۔ یہ پہنچے اور لوگ کانپنے لگے۔

سینک 2: اور بچپن کی ہٹ تو دیکھو۔ بانڑ مارتے ہی کہتے ہیں کہ مرجاؤ۔

سینک 1: ہاں۔ ٹانگ پھیلا کر شانتی سے مرنے کی چھٹی بھی نہیں دیتے۔

سینک 2: ان سے بچنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

سینک 1: دو ہی رستے ہیں۔ ایک بھاگنے کا رستہ، دوسرے مسان کا رستہ۔ جیتے جیتے دم گھبرا گیا ہو تو ٹھہرو اور جیوتشی سے کوئی اچھی مہورت پوچھ کر مرنا ہو تو بھاگو۔

سینک 2: بھاگوں تو سہی، کنتو بھاگنے میں ناک کٹ جائے گی۔

سینک 1: ناک کٹ جائے گی مگر سر تو نہ کٹے گا۔

سینک 2: ٹھیک کہتے ہو، سر کٹنے کے بعد کوئی نہیں جیتا۔ کنتو اس سنسار میں نکٹے سینکڑوں جی رہے ہیں۔

سینک 1: وہ آئے۔

سینک 2: بم مہادیو۔

(دونوں ایک دوسرے پر گر پڑتے ہیں)

سینک 1: بھاگ میرے بھیا۔

سینک 2: بچنا میرے دَیا۔

(دونوں بھاگ جاتے ہیں۔ ان کے پشچات دو اور بھاگتے ہوئے سینکوں کے پیچھے پیچھے لو اور کش کا پرویش)

کش: (سینک کا ہاتھ پکڑ کر) بس۔

لو: (سینک کا ہاتھ پکڑ کر) ٹھہر جاؤ۔

سینک 3: لو ٹھہر گئے۔ کنتو دیکھنا بانڑ مار کر لٹا دینا ہو تو پہلے سے ساودھان کر دینا۔

سینک 4: ارے بابا۔ یدھ سے بھگا تو دیا، اب اور کیا چاہتے ہو؟ جاؤ تم بھی کھاؤ پیو اور ہمیں بھی بھوجن اوجن کرنے دو۔

لو: تم یہاں بھوجن کرنے آئے تھے؟

سینک 3: تو اور کیا مرتیو کا بھوجن ہونے آئے تھے؟

کش: نہیں۔ تمھارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم سے لڑو۔

سینک 4: ٹھیک ہے۔ پہلا کام یہ ہے کہ تم سے لڑیں اور دوسرا کام یہ ہے کہ تمھارے بانڑ سے کچھوے کی طرح اُلٹ کر چت ہوجائیں۔

لو: تمھیں لڑنا ہی ہوگا۔

سینک 3: کنتو کس سے لڑیں۔ لڑائی تو اس سے ہوتی ہے جو دس بار جیتے تو دو بار بھلے مانس کی طرح ہار بھی جائے۔

سینک 4: اور تم تو ہارنا اور مرنا جانتے ہی نہیں۔ اچھا بابا۔ جیو، لاکھ ورش جیو۔ کنتو کرپا کرکے دوسرے کو بھی جینے دو۔

کش: لڑنا نہ تھا تو یدھ کرنے کیوں آئے؟

سینک 3: پیٹ کے لیے۔ نہ آتا تو نوکری اڑ جاتی۔ آیا تو تم دھنش بانڑ سے بھیجہ اڑائے دیتے ہو۔

لو: تو تم ایودھیا کی سینا کو کلنک لگانے آئے تھے؟

سینک 4: ارے بھیا۔ ایک بھینس کے سب بچے ایک ہی رنگ کے نہیں ہوتے۔ شیر کے ساتھ لٹکتی ہوئی دُم کی طرح ویروں کی سینا میں دو چار ہم جیسے بھی چپکے رہتے ہیں۔

کش: تم ایسے کایر ہو تو منھ پر مونچھ کیوں رکھی ہے؟

سینک 3: مونچھ دیکھ کر تمھیں غصہ آرہا ہے تو تم یہ سمجھ لو کہ مونچھ نہیں ہمارے منھ پر گھاس اُگی ہوئی ہے۔

لو: بھیا چھوڑ دو ان کایروں کو۔ ان پر بانڑ چلانا بانڑ کا اپمان ہے۔

سینک 4: میرا بھی یہی نویدن ہے۔ بانڑ رکھ چھوڑیے، ابھی مرنے کے لیے بہت سے باقی ہیں۔

کش: کائر پرش، چلے جاؤ۔

سینک 3: چلے جائیں؟ دِل رکھنے کے لیے کہتے ہو یا دھرم سے؟

سینک 4: ایسا نہ ہو کہ منھ پھیرتے ہی پیٹھ کھجلانا پڑے۔

لو: (دھنش بانڑ تان کر) جاؤ۔ نہیں تو......

سینک 3: (گھبرا کر) پھر وہی بچپن کی باتیں۔

کش: تب جاؤ۔

سینک 4: چل بھائی۔ کنتو دیکھ لے۔ دھنش بانڑ لیے ہیں۔ پیٹھ پیچھے اور منھ آگے رہے۔

(اُلٹے پیروں چلتے ہیں)

لو: (پھر دھنش بانڑ تان کر) نکلو......

دونوں. (گھبراتے ہوئے پرنام کے لیے ہاتھ جوڑ کر) جے۔ جے۔

(دونوں کا بھاگ جانا)

کش: ساودھان۔ کوئی اور آ رہا ہے۔

لو: آنے دو۔ ابھی تو ہاتھ کی آدھی کھجلی بھی نہیں مٹی۔

(وبھیشن کا پرویش)

وبھیشن: بالکو، تمھیں اتنا سمجھایا گیا، پھر بھی ہٹ نہیں چھوڑتے۔ دوج کے چندرما کی طرح بڑے ہو کر اپنی ماتا کی آنکھوں کو سکھ دینا ہے تو اب بھی سمجھ جاؤ۔ ہاں کہو یا نہیں۔ میرے مکھ کی اور کیا دیکھ رہے ہو؟

لو: دیکھ رہا ہوں کہ ایسا وچتر چہرا اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

کش: مہاشے۔ تم نے کون سے دیش میں جنم لینے کی کرپا کی ہے؟

وبھیشن: میرے دیش کا نام ہے۔ سورن بھومی لنکا۔

لو: اوہوہو۔ تبھی اس چوکھٹے میں پوری لنکا دکھائی دے رہی ہے۔

وبھیشن: کیا کہا لنکا؟

لو: ہاں۔ یہ چوکور کھوپڑی لنکا کا قلعہ، مستک لنکا کا راج بھون، آنکھیں لنکا کی اشوک واٹیکا، گال لنکا کے محلے، کان کے چھید لنکا کی گلیاں، منھ لنکا کے نیچے بہتا ہوا ساگر اور ہونٹ اور بھوؤں کے بیچ میں رکھی ہوئی ناک ٹھیک لنکا کا پل معلوم ہو رہی ہے۔

وبھیشن: بس۔ غصہ نہ دلاؤ۔ اپنے اوپر دیا کرو۔ نہیں تو......

کش: کیا ہوگا؟

وبھیشن: تم نے یگیہ کا گھوڑا باندھ رکھا ہے۔ میں اس اَپرادھ کے لیے تمھیں باندھ کر لے جاؤں گا۔

لو: کیا زندگی کا پٹہ لنکا میں پورا کرکے آئے ہو۔ ہمیں باندھنے سے پہلے اپنے لیے کسی بڑھئی سے نئے ہاتھ پاؤں بنوالو۔

وبھیشن: تم مجھے نہیں جانتے، اس لیے اتنی ساہس سے باتیں کر رہے ہو۔ سنو۔ میں لنکا کا ورتمان راجا، اندر وجئی میگھ ناد کا چچا اور جگت وجئی راون کا بھائی وبھیشن ہوں۔

کش: (آشچریہ سے) کیا! اپنے کٹمب کا، دیش کا، جاتی کا ستیاناش کرنے والے، ساہتیہ میں 'گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے' کی کہاوت بڑھانے والے، اپنی ماتر بھومی کے گلے میں پرجاتی کی داستو کا پھندا پہنانے والے کلیان کاری، منگل مورتی وبھیشن تمھیں ہو؟

لو: جن کو بہن کی ناک کٹنے کی لاج تھی، اپنے ویر کہلانے کی آن تھی، وجاتیوں کے آگے سر نہ جھکانے کا ابھیمان تھا، وہ سب اپنی گورو رکشا کے لیے مر گئے اور تم پرجاتی سے دان میں ملا ہوا راج مکٹ پہن کر راون جیسے ویر کے سنگھاسن کو لجت کرنے کے لیے ابھی تک جی رہے ہو؟ دھنیہ ہے تمھارے جنم کو اور دھکار ہے تمھارے جینے کو۔

کش: ـ

دھک ہے ایسے راج پر جو دوسرے کا دان ہو
شرم کر، آنکھیں جھکا، مرجا اگر کچھ آن ہو
یہ مکٹ پہنے گا وہ جو نیچ سے بھی نیچ ہے
راج تیرا دوسروں کی جوتیوں کی کیچ ہے

وبھیشن: لنکا اور لنکا واسیوں کے وناش کا کارن میں نہیں لنکیش کی ہٹ، پاپ اور دُش کرم تھے۔

جھڑکیوں کے ساتھ چھاتی پر سہن کی لات بھی
لاکھ سمجھایا نہ مانی میری آدھی بات بھی
چھوڑ بیٹھا، جب جلن بڑھتے ہی دیکھی گھاؤ میں
ڈوب جاتا بیٹھ کر کیا میں بھی ٹوٹی ناؤ میں

لو: دھرماتما روپی ٹھگ، کمبھ کرن بھی تیری ہی طرح راون کا بھائی تھی۔ یدی تو اس بھراتر بھکت ویر کی طرح بھائی کے لیے جان نہیں دے سکتا تھا، یدی تو راجیہ کی لالسا کے لیے نہیں کیول اپنی دھرم رکشا کے لیے اَدھرمی بھائی کا ساتھ دینا نہیں چاہتا تھا۔ تو بھائی سے الگ ہوجاتا۔ بھائی کے شترو سے جاکر کیوں مل گیا۔ رام کو راون کی نابھی میں بانڑ مارنے کی یکتی کیوں بتائی؟

دھرم تو کہتا ہے گر جاؤ پرائی آگ میں
بھید کیا ہے تجھ سے بھائی اور کالے ناگ میں
تیرے اک اک روم کے اوپر نرک کی چھاپ ہے
تیرے جیسے دُشٹ کا منھ دیکھنا بھی پاپ ہے

وبھیشن: اب اِن باتوں کا جواب یہ کھانڈا دے گا۔ اپنی رکشا کرو......

کش: دھورتا کی مالا پھرانے والے ہاتھوں نے شستر چلانا کب سے سیکھا۔ (ہاتھ مروڑ کر) چھوڑ دے کھانڈا۔ چھوڑ۔

لو: راون ادھرمی ہونے پر بھی ویر تھا۔ ویر کا مکٹ کائر کے سر پر شوبھا نہیں دیتا۔

اُتار دے یہ بھی۔

(مکٹ اُتار لیتا ہے)

کش: شیروں کا شکار کرنے والے گیدڑ پر شستر نہیں چلاتے۔ (زور سے دھکا دے کر) چلا جا۔

وبھیشن: (خود سے) انھیں باندھنے کے لیے دو نہیں دو سو ہاتھوں کی ضرورت ہے۔

(پرستھان)

لو: ؎

چلو پھر یدھ کریں، وہ یدھ کہ سب پڑ جائیں شنکا میں
ہر اک منھ سے یہ نکلے، وَن میں آئے ہیں کہ لنکا میں

(درشیہ بدلتا ہے۔ لکشمن اور ہنومان کے سامنے دھنش بانڑ لیے ہوئے کش اور لو کھڑے ہیں)

لکشمن: بالکو۔ جیسے چندرما کی آکرشن شکتی سمدر میں جوار اُتپن کرتی ہے، ویسے ہی تمھیں دیکھ کر ہردے میں پریم کی لہریں کیوں اٹھتی ہیں؟ آنکھیں کرودھ کے بدلے ممتا بھری درشٹی سے تمھیں کیوں دیکھتی ہیں۔ تمھارے اَپرادھ کا دنڈ دینے کے بدلے تمھیں آشیرواد دینے کی کیوں اِچھا ہوتی ہے؟

یوں کھنچا جاتا ہے رہ رہ کر تمھاری اور کو
مانو چٹکی میں لیے ہو اس ہردے کی ڈور کو
پروتوں کو جانتے ہو ایک مٹھی دھول تم
کون ہو، کیا نام ہے، کس گود کے ہو پھول تم

لو: ہمارے جنم استھان کا نام تپووَن، ہم دونوں بھائیوں کا نام لو، کش اور ہماری ماتا کا نام کیول ماتا ہے۔ باقی پریچے اس دھنش کی ٹنکار سے ملے گا۔

ہمارے بانڑ کا بھولے گا تم کو سواد نہیں
تمھارے سامنے لو کش ہیں میگھ ناد نہیں

لکشمن: تمھارے جنم لینے سے دھرتی کی شوبھاؤں میں دو انوپم شوبھائیں بڑھ گئی ہیں، اس لیے تمھاری رکشا دھرتی کے سوندریہ کی رَکشا ہے۔ یدی تمھاری یہ اِچھا ہے کہ جگت تمھیں رن وجئی کے نام سے پکارے تو اچھا یہی سہی۔ گھوڑا دے دو۔ میں تمھیں پرسنّ کرنے کے لیے اپنی ہار سویکار کیے لیتا ہوں۔

آگ سے پانی بنو، کرلو سمجھ سے میل اب
ہوچکا بس یدھ، کھیلو اور کوئی کھیل اب

کش: تم براہمن نہیں شتریہ ہو، ہم تم سے اُپدیش نہیں یدھ چاہتے ہیں۔ کیا رن میں وجے پانے کے لیے ان پھسلانے والے میٹھے شبدوں کے سوا تمھارے پاس اور کوئی شستر نہیں ہے؟

لو: ـــ

بلا لو رام کو بھی، آج ہو سنگرام دونوں سے
کریں گے یدھ لو کش لکشمن اور رام دونوں سے
پرگٹ ہوکس نے اَدُبھت شکتیاں ماتا سے پائی ہیں
اُدھر تم دونوں بھائی ہو، اِدھر ہم دونوں بھائی ہیں

لکشمن: میں تمھارے یدھ اتساہ کو سراہتا ہوں۔ کنتو بالکو، تم دھوکا کھا رہے ہو۔ اونچائی پر جلتے ہوئے دیپک تک انگلیاں پہنچ گئیں تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ ہاتھ بڑھا کر آکاش سے سوریہ چندر کو بھی اتار لوگے۔

کش: ہم یدھ شبد کے سوا اور کچھ سننا نہیں چاہتے۔ اپنے پران کے لیے دیا مانگ کر ایودھیا لوٹ جاؤ اور نہیں تو شستر اٹھاؤ۔

کرو رن آج، کہنا یہ کہانی آکے کل ہم سے
نہ ہو گر پاس بل تو مانگ لو تھوڑا سا بل ہم سے

لکشمن: تب تم گھوڑا نہ دو گے؟

لو: دیں گے۔

لکشمن: کب؟

لو: جب تم شستر پھینک کر یہ سویکار کرو گے۔

کہ ہے وہ ڈھول کی رسی جسے زنجیر کہتے ہیں
وہ سب دھوکے میں ہیں جو لکشمن کو ویر کہتے ہیں

لکشمن: یدی ندیاں سویم ساگر میں گر کر اپنے ہونے کو نہ ہونے سے بدل دینا چاہتی ہیں تو اس کے لیے ساگر کو دوش نہیں دیا جاسکتا۔ مجھے بادھیہ ہوکر شستر اُٹھانا پڑتا ہے۔ اچھا پرہار کرو۔

یہ دن بھومی بھی لنکا کی طرح ناچ ایک بار اُٹھے
یہی ہو، پھر سرشٹی لکشمن کی جے پکار اٹھے

(یدھ ہوتا ہے۔ لکشمن لو کے بانڑ سے مورچھت ہوکر گرجاتے ہیں)

ہنومان: یہ کیا! برہما نے بھی اپنی بنائی ہوئی سرشٹی پر ایسا اچنبھا نہ دیکھا ہوگا۔ بالکو ساودھان۔

کش: آؤ، تم بھی آؤ۔ راون نے تمھیں رسیوں سے باندھا تھا۔ ہم تمھیں تمھاری دُم سے باندھیں گے۔

ہنومان: یدی تمھیں پراست نہ کرسکا تو میں سمجھوں گا کہ گدا نہیں کندھوں کی چتا پر ویرتا کی ارتھی لیے پھر رہا ہوں۔

(یدھ ہوتا ہے۔ ہاتھ میں کش کا بانڑ لگنے سے گدا چھوٹ جاتی ہے۔ دونوں ہنومان کو اُسی دُم سے باندھ دیتے ہیں۔ آواز پر فلاٹ کا پھٹنا اور پیچھے سے فوج کا نکلنا۔ اُسی سے بہت سے سینکوں کے ساتھ وبھیشن کا پرویش)

وبھیشن: وہ دیکھو— یہ رہے۔

لو: دھکار لے گیا۔ اور نربجّا کو ساتھ لے کر پھر آگیا۔

وبھیشن: کیا دیکھتے ہو۔ گرہن بن کر گھیرلو اور شراپ بن کر ٹوٹ پڑو۔

(پھر یدھ ہوتا ہے۔ وبھیشن کو دھرتی پر ٹپک کر لو اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھتا ہے۔ سب آشچریہ سے دیکھتے رہ جاتے ہیں)

—ڈراپ—

انک تیسرا — درشیہ پہلا

رشی آشرم

(گانا)

تُمرے چرن شرن میں سارا سنسار
تم ہی جگ میں دھرم شرم کے راکھن ہار
پاپ تاپ سے ہوں اُدھیر بار بار اُٹھت پیر
تاہی موہے سوجھت تیر
بھو ساگر سے کردو پار۔ ہے کرتار

دیوبالا: کتنے ہی بار سوریہ اور چندرما اُدے اور است ہوئے۔ کتنے ہی بار بسنت رِتو آئی اور چلی گئی، کتنے ہی بار تپووَن کے پھول پتے مرجھائے اور ہرے ہوئے، کنتو سیتا کے وچاروں میں آج تک کوئی پری ورتن نہیں ہوا جیسے ورکش کے نیچے پڑا ہوا گھائل پکشی لہو میں بھیگے اور ٹوٹے ہوئے پروں میں اُڑنے کی شکتی نہ پاکر گھور نراشا کے ساتھ اپنے گھونسلے کی طرف دیکھتا ہے، ویسے ہی بارہ ورش سے وہ ابھاگنی بھی بیتے ہوئے دنوں کی شریردھاری کلپنا، ولاپ کی مون پرتما، اسمرتی کا سوپن، آنسوؤں کا جم گیا ہوا طوفان بنی ہوئی ایودھیا کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے اور جس بھانتی جل میں ڈوبے ہوئے آدمی کو اپنے چاروں اور جل ہی جل دکھائی دیتا ہے، اسی پرکار اس سنسار میں اس کو بھی ہر طرف کیول راگھو ہی کی چھوی دکھائی دیتی ہے۔ بھونرے کی گونج، کویل کی کوہ، پتوں

کی سرسراہٹ، ندیوں کی کل کل سب میں رام ہی کی آواز سیتے۔ سیتے۔ سیتے سیتے پکارتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔

(سیتا جی کا گھبرائے ہوئے پرویش)

سیتا: یہ کیا! یہ کیا ہے بہن۔ رشی ور کے کویتا کی طرح منوہر، تیاگی کے ہردے کی طرح شانت، سوامی بھکتی کی طرح پوتر تپوون میں اشانتی کیوں ہے؟ جہاں شنکھ، گھنٹ اور ایشور پرارتھنا کی مدھر دھونی، ہوا سے ٹکراتے ہوئے پھولوں کا سنگیت، اڑتے ہوئے پکشیوں کے پروں سے وینا کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ وہاں آج یہ کولاہل کیوں سنائی دے رہا ہے؟

دیوبالا: بہن، تمھاری طرح یہ اپریچت نئی آوازیں سن کر مجھے بھی آشچریہ ہوا تھا کہ اس شانتی سروور میں سنسار ساگر کی طوفانی لہریں کہاں سے آگئیں۔ کنتو جب آشرم سے باہر جاکر دیکھا تب ودت ہوا کہ کسی راجا کی سینا اس طرف سے اپنے دیش کو جارہی ہے اور اسی کے سینکوں کے کولاہل نے اس تپوون کے سوئے ہوئے وایومنڈل کو جھنجھوڑ کر جگا دیا ہے۔

سیتا: تو اِدھر سے کسی راجا کی سینا جارہی ہے

گوتمی: ہاں۔

سیتا: کس راجا کی سینا؟

دیوبالا: مجھے راجا کے سامنے جاکر سنسار کے سکھوں میں سے کسی سکھ کا دان مانگنا یا اپنے ہی جیسے ایک منشیہ کو پربھو، اَنّ داتا، جگت پال کہہ کر سروشکتی مان ایشور کا ساجھی بنانا نہ تھا، پھر نام پوچھ کر کیا کرتی۔

سیتا: بہن، آج پراتہ کال جب میں پوجا کے لیے پھول چن رہی تھی، لوکش نے آکر مجھے پرنام کیا۔ پرنام کے بعد لو نے میرے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔ ماتا ایک وچتر سماچار سنو گی۔ وہ اتنا ہی بولا تھا کہ کش نے ابھی نہیں کہہ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر دونوں ہنسنے لگے۔ اتنا ہنسنے کہ ان کا ہنسنا دیکھ

کر بارہ ورش کے بعد مجھے بھی بھولی ہوئی ہنسی یاد آ گئی۔

گوتمی: پھر بہن۔

سیتا: پھر دونوں میری آنکھوں کی پتلیوں میں اپنی ہنسی کی چھایا چھوڑ کر اسی طرح ہنستے ہوئے چلے گئے اور میں یہ سوچتی رہ گئی کہ جس ابھاگنی سیتا کے پاس رونے کے سوا کچھ نہیں ہے، اُس کے بچوں کو اتنی ہنسی کہاں سے مل گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا بہن کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے اور کیوں ہنس رہے تھے۔

گوتمی: انھوں نے کوئی نئی بات سنی یا کوئی وچتر درشیہ دیکھا ہوگا۔

دیوبالا: بچپن کی اوستھا میں بچوں کو سنسار کی ہر ایک وستو اپنی ہی طرح کھیلتی ہنستی ہوئی دکھائی دیتی اور سادھارن سے سادھارن بات بھی ایک سندر پہیلی جیسی جان پڑتی ہے۔ ہنسنے دو بہن۔ ایشور کرے تمھارے جیون لتا کے یہ دونوں جڑواں پھول سدا ہنسی کے راج کے راجا بنے رہیں۔

(اندر سے آواز کا آنا)

لو: (اندر سے) بس لال منھ والے مہاشے، اس ورکش کے نیچے بیٹھ جاؤ۔

کش: (اندر سے) اور ہمارے لوٹنے تک اس کے پتے گنتے رہو۔

سیتا: انھیں کی آواز۔ کس سے باتیں کررہے ہیں؟

(لو، کش کا پرویش)

لو۔کش: بولو گرو والمیکی کی جے۔ جننی کی جے۔

(سیتا کے چرن چھوتے ہیں)

سیتا: یہ آج کیا ہے۔ ایک بار آئے تو ہنستے ہوئے، دوسری بار آئے تو جے پکارتے ہوئے۔ تم دونوں سویرے سے کہاں گئے تھے؟

لو: پریکشا لینے۔

سیتا: کس کی پریکشا؟

کش: اپنے دھنُر ودیا کی پریکشا۔

لو: ماتا کے آشیرواد کی پریکشا۔

کہیں سر تھا، کہیں دھنُر تھا، کہیں برچھی، کہیں بھالے
اُڑے جاتے تھے سب جیسے ہوا میں روئی کے گالے

کش:

دُہائی مچ گئی اِن چنکیوں کے تیور بانڑوں سے
چلو سنتان کی جے تم بھی سن لو اپنے کانوں سے

سیتا: ان شبدوں کا ارتھ؟

لو: اَرتھ یہ ہے کہ جس طرح آج تک ہم دونوں بھائی رام چرتر گایا کرتے تھے، اُسی طرح اب ایودھیا واسیوں کو ہمارا چرتر گانا ہوگا۔

کش: ہاں۔ رشی ور کو اب ایک نئی رامائن لکھنی ہوگی۔ نہیں تو اپنی لکھی ہوئی رامائن میں ایک لوکش کانڈ بڑھانا ہوگا۔

لو: ۔

ہم نے وَن میں جنم پایا رام نے رگھوونش میں
بل مگر ویسا ہی ہے اس دیہہ کے ہر انش میں

کش: ۔

ہم کو ہونے دو بڑا، گیاتا ہیں رن کی ریت کے
ہم بھی دکھلا دیں گے اپنا تیج لنکا جیت کے

سیتا: تمھارے ہونٹوں سے آج پہلی مرتبہ ابھیمان کے شبد سن رہی ہوں۔ رشی ور نے تو نمرتا سکھائی تھی، پھر تم نے یہ باتیں کس سے سیکھیں؟

لو: شتری کا روپ اور نام دھارن کیے ہوئے سینکوں سے۔

سیتا: کون سینک؟

کش: جو راج رکشا کرنے کے بدلے راجا کے ایک گھوڑے کی بھی رکشا نہ کر سکے۔

سیتا: کیسا گھوڑا؟

لو: اشومیدھ یگیہ کا گھوڑا۔

سیتا: کیا! کیا کہا؟ اشومیدھ یگیہ کا گھوڑا! اشومیدھ یگیہ تو ایودھیا کے مہاراج شری رام کررہے تھے۔

کش: ہاں۔ ہم نے اپنے بھج بل سے انھیں شری رام کا گھوڑا ان کے سینکوں سے چھین لیا ہے۔

لو: ـ

یدھ کا ابھیاس بھی تھا، آن بھی تھی، ٹیک بھی
دو اِدھر، لاکھوں اُدھر، ٹھہرا نہ لیکن ایک بھی

کش: ـ

اِس طرح بھاگے کہ پیاسا جیسے دریا کی طرف
پیٹھ تھی میری طرف، اور منھ ایودھیا کی طرف

سیتا: لڑکو۔ سچیت ہو۔ منھ دھو ڈالو۔ تم دونوں نشچے کوئی سوپن دیکھ کر آئے ہو۔

لو: تلواروں اور ڈھالوں کے جنگل میں دو شیروں کی طرح گرج کر رن شیتر کو کپکپا دینا، پوری سینا کو اپنے بانڑوں کے پرواہ میں ایودھیا کی طرف بہا دینا۔ سگریو، انگد، شترگھن جیسے ویروں اور میگھ ناد وجئ لکشمن جیسے مہابلوان کو پراجت کر ماتا کے دودھ کا پرتاپ دکھا دینا، یدی یہ سوپن ہے تو جننی آشیرواد دو کہ ہم روز ایسا ہی سوپن دیکھا کریں۔

کش: ـ

جو آئے سامنے وہ یوں ہی بھاگتا رہے
ہم سوپن میں ہوں اور دھنش جاگتا رہے

بانڑوں کو مرتیو اور دھنش کو پرلے کہیں
رگھوویر بھی جو آئیں تو لوکش کی جے کہیں

سیتا: تو کیا یہ تمھارا بھرم اور سوپن نہیں، جاگرت کی گھٹنا ہے؟ جو کہہ رہے ہو سچ ہے؟

لو: ماتا، ان ہونٹوں سے ابھی تک جھوٹ بولنا نہیں سیکھا ہے۔

اس سرشٹی کے کپٹ، چھل، جھوٹ سے اگیا ہیں
تم ستی ہو اور ہم دونوں ستی سنتان ہیں

سیتا: ہا۔ سیتا، سیتا۔ تو نے پچھلے جنم میں کون سا اپرادھ کیا ہے، کس پتی پرائنا کے سہاگ پر ایرشا کی ہے۔ کس ستی کی شانتی چھینی ہے جو اس جنم میں تیرے دکھوں کا کسی طرح انت نہیں ہوتا۔ کیا کیا ابودھ بالکو۔ یہ کیا کیا۔ اسی دن کے لیے تمھیں مُنی ور نے شستر ودیا سکھائی تھی؟ اسی دن کے لیے تمھیں دھنش بانڑ دھارن کیے ہوئے دیکھ کر مجھے اپنا ہر ایک دُکھ سکھ معلوم ہوتا تھا؟ اسی دن کے لیے میں نے تمھیں اجے ہونے کا آشیرواد دیا تھا؟

میں یدی یہ جانتی، دکھ دیتے ہیں سنتان بھی
چھین لیتی یہ دھنش بھی، توڑ دیتی بان بھی

کش: ماتا، یہ کیا۔ آشا تھی کہ اس وجے پر تم دھنیہ ہے پُتر کہہ کر ہمیں چھاتی سے لگا لوگی۔ کنتو تم تو اس طرح شوک پرگٹ کررہی ہو، مانو ہم نے اپنے بانڑوں سے رام کی سینا کو نہیں، تمھارے ہردے کو گھائل کردیا ہے۔

سیتا: ارے نردئی بھاگیہ۔ انیائی بھاگیہ، بارہ ورش بیت جانے پر بھی تیرے دیے ہوئے دکھوں کی کڑواہٹ کم نہیں ہوئی تھی۔ پھر تو نے ان انجان بالکوں کے ہاتھوں سے میرے جیون کے پیالے میں اور وِش کیوں گھول دیا ہے؟

بول بول کیا سکھ ملتا ہے دُکھ دے کر ہے بھاگ تجھے
اس دکھیاری دین ہین سے کیوں اتنی ہے لاگ تجھے

تیری دیا سے سوامی چھوٹے، راج گیا، سکھ ساج گیا
تھوڑا سا سنتوش تھا من میں وہ بھی نردئی آج گیا

لو: جننی۔ اُدے ہوتے سوریہ کی طرح دُکھ اندھکار سے گورو کے ساتھ سر اونچا

کرو۔ اس وجے پراپتی میں ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو ہمارے لیے لاج اور تمھارے لیے شوک کا کارن ہوسکے۔

آن کھوئی ہو تو ہم سے چھین بل اور بانڑ لو

(کُش سے)

جاؤ لاؤ ساکشی، ماتا ابھی پرمانڑ لو

(کش کا پرستھان)

سیتا: بس۔ بس۔ دیا مے بس۔

اس جیون سے مکت کرو، ڈستا ہے یہ سنسار مجھے
جو جو دکھ دینا ہو تم کو، دے دو سب اک بار مجھے
کہو کہو ہے دیوتا گن یہ قیدی کس دن چھوٹے گا
کب پران پکھیرو نکلیں گے کب دیہہ کا پنجرا ٹوٹے گا

(کش کے ساتھ ہنومان کا پرویش)

کش: جگت کی پوجیہ نیہ دیوی کو پرنام کرو۔

سیتا: کیسے کیسے، میں کیسے دیکھ رہی ہوں۔ ہنومان میرے دھرم پُتر۔

ہنومان: کون، کون۔ ستی شرومنی ماتا جانکی۔

(ہنومان سیتا جی کے چرنوں پر گر پڑتے ہیں)

سیتا: کیسری نندن۔ تم اور اس اوستھا میں؟

ہنومان: ماتا۔ اُدے اور است یہی سرشٹی کا نیم ہے۔ یدی منشیہ کی اوستھا نہ بدلے تو آدمی انت رہت ایشور کے سمان اپنے کو اجر امر سمجھنے لگے۔

سیتا: تمھیں کومنی ور نے اپنی پوتر کویتا کا امرت پان کرایا ہے۔ تمھیں نے رشی ور

کی رامائن کنٹھ کی ہے۔ کیسا آشچریہ ہے کہ رامائن کے گیاتا ہوکر بھی تم ان مہاپرش کی مہما نہ سمجھ سکے (کش سے) کھول دے بندھن کھول دے (کش بندھن کھول دیتا ہے) مہاویر بچوں کی سمجھ بھی بچہ ہوتی ہے۔ ان کے بچپنے اور اگیانتا پر دیا کرے ان کا یہ اکشمیہ اَپرادھ شما کردو۔

کش: ہم نے سمر بھومی میں وجے پانے کے لیے..

سیتا: بس، چپ رہو۔ لاج سے سر جھکا کر، گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑ کر شری رام کے ان پرم بھکت سے شما مانگو۔ شما ہی تمھارا ورتمان کرتویہ اور شما ہی تمھارے اَپرادھ کا ایک ماتر پرائشچت ہے۔

ہنومان: نہیں ماتیشوری نہیں۔ ان پراکرمی ویر بالکوں نے مجھے اور شری رگھوناتھ کی سینا کو چھل سے نہیں، بل سے پراجت کیا ہے، اس لیے یہ شما نہیں دھنیہ واد کے یوگیہ ہیں۔ (لوکش سے)۔

جیسے ہو روپ وان، ویسے ہی بل ندھان
ساہس کے ساگر اور ویرتا کی کھان ہو
پروت ہو چور چور ایسا تھا کون شور
جس سے رن بھومی میں پراجے ہنومان ہو
پر بل ہے انگ انگ سندر ہے رنگ و روپ
انگ رنگ ڈھنگ سب میں رام کے سمان ہو
بار بار جے پکار، باردِک بدھائی دوں
کون ہے وہ دیوی؟ تم جس کے سنتان ہو

(والمیکی کا پرویش)

والمیکی: اُس دیوی کا نام ہے۔ پوجیہ ترتما کلیانی سیتا۔

انھیں کی آتما کا انش یہ دونوں بھراتا ہیں
یہی منگل مئی، ان تیج مے ویروں کی ماتا ہیں

ہنومان: ستی کی سنتان۔ بھگوتی کے پتر (لوکش سے) جے ہو تمھارے پرتاپ کی جے ہو۔ میں تمھارے بل اور تیج کو نمسکار کرتا ہوں۔

لو: منی ور۔ کیا اس سرشٹی پر ایک ہی نام کی دو دیویاں ہیں؟ آپ نے ہماری ماتا کا کیا نام بتایا؟

والمیکی: پریچے کا سمے آ گیا۔ اچھا پھر سنو۔ تمھاری ماتا کا نام ہے جنک نندنی، دشرتھ کل ودھو مہارانی سیتا اور تمھارے پتا کا نام ہے، ایودھیا نریش، مریادا پروشوتم شری رام چندر۔

کش: جن کا نام آپ کے رامائن کی اکشر اکشر میں انگوٹھی میں جڑے ہوئے ہیرے کے سمان چمک رہا ہے وہی رام چندر؟

والمیکی: ہاں۔ جن کے نام میں پاپ کی کڑواہٹ دور کرنے والی مٹھاس ہے۔ جن کے درشن میں آتما کا سورگ ہے۔ جن کی آنکھوں میں پریم کی گنگا ہے۔ جن کے ہونٹوں میں ویدوں کا سنگیت ہے۔ جن کے ہردے میں نیائے اور پنیہ کا تیرتھ دھام ہے۔ جن کے چرنوں میں ترلوک کی جے ہے۔ وہ ہی رام چندر۔

انھیں کے من کے دیپک، سکھ کا سکھ، آنکھوں کے تارے ہو
وہ پیارے ہیں جگت کے اور تم پیارے کے پیارے ہو

لو: ماتا۔ ماتا۔ ستیہ کا پریچے دینا اَپرادھ یا ابھیمان نہیں۔ پھر تم نے آج تک یہ بھید کیوں نہیں پرگٹ کیا؟

سیتا: بٹیا، شتریہ کا گورو راج کمار ہونے میں نہیں لیش، وجے میں ہے اور ناری کی مہانتا مہارانی کہلانے میں نہیں، دھرم پنیہ اور ستیتو میں ہے۔ پھر بھی تمھیں اس بھید سے اگیان نہ رکھتی، کنتو میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے پھوٹے ہوئے بھاگیہ کی طرح تمھارے بچپن کی ہنسی بھی دکھ کے آنسوؤں میں ڈوب جائے۔ ایودھیا نہیں، ایودھیا کا راج بھون نہیں، مکٹ نہیں، سنگھاسن نہیں، پرجا نہیں، پرجا کی جے جے کار نہیں، پھر تم جگت کو کیسے وشواس دلا سکتے تھے کہ گیروے وستروں میں سونے کے چھتر کے بدلے پتوں کی چھت کے نیچے رہنے والی بھکارنی،

آریہ ورت کی مہیشوری سیتا ہے اور اس دین ہین بھکارنی کے بچے ایودھیا کے مہاراج شری رام چندر کے پتر ہیں۔

مرے دکھ سے دکھی مت ہو، یوں ہی یہ جان جانی ہے
مرا جیون ہے وہ بن جس میں چھایا ہے نہ پانی ہے
مری پلکیں لکھا کرتی ہیں، اس چہرے پہ رامائن
ان آنکھوں کا ہر آنسو، رام سیتا کی کہانی ہے

والمیکی: اب یہ آنسوؤں کی کہانی پتا اور پُتر، پتی اور پتنی کے ملاپ پر سماپت ہوا چاہتی ہے۔ کلیانی لوکش کے بانڑوں سے ایودھیا کے جتنے ویر مورچھت اور گھائل ہوگئے تھے، میں نے امرت برسا کر انھیں سچیت اور سجیوت کردیا ہے اور اب وہ سب شتروگھن اور لکشمن سہت تمھیں اپنی جے جے کاروں کی چھایا میں ایودھیا لے جانے کے لیے آشرم کے دوار پر اُپستھت ہیں۔

گیا تھا ہاتھ خالی، شانتی، سکھ ساتھ لایا ہوں
مری دُکھیا، مری بیٹی، چلو لینے کو آیا ہوں
تپووَن کی طرف ہیں اب ایودھیا دھام کی آنکھیں
تمھارا تک رہی ہیں راستہ شری رام کی آنکھیں

سیتا: منی ور، منی ور۔ آپ اپنے ہونٹوں سے مرجھائی ہوئی لتا پر امرت چھڑک رہے ہیں۔ سوکھی ہوئی پنکھڑی کو رنگ اور سگندھ دے رہے ہیں۔ میرے جاگتے ہوئے دکھ کو سکھ کا سوپن دکھا رہے ہیں۔ نہیں نہیں، یہ آپ کی مایا ہے، کانوں کو دھوکا ہے۔ جگت کی ستائی، پرجا کی ٹھکرائی، پتی کی بھلائی ہوئی، سیتا کے بھاگیہ میں اتنا سکھ نہیں ہے۔

والمیکی: میں اپنے اِشٹ دیو شری رام کی سوگندھ.....

سیتا: بس دیو بس۔ آؤ، آؤ۔ دیولوک کی دیویو۔ سہاگ وتی ستیو۔ بھاگیہ شالنی ماتاؤ۔ چر دُکھنی سیتا کو اس کے ابھاگے بچوں کو دھنیہ واد دینے کے لیے آؤ۔ بارہ ورش کے بعد آج سوامی نے اس مانگ کے لیے سہاگ کا سندور بھیجا ہے۔

آنسوؤں کے سرودر میں ہنسی کا کمل کھلا ہے۔ جیون یدھ میں پریم اور ستیہ کی جے ہوئی ہے۔ اوہ یہ کیا! دکھ میں پاگل نہیں ہوئی تھی کنتو یہ سکھ مجھے پاگل کیے دیتا ہے۔ وہ دیکھو، وہ دیکھو ماتا کوشلیا مجھے آشیرواد دے رہی ہیں۔ سریو کی لہریں پرنام کررہی ہیں۔ ساری ایودھیا راگھو کے چرنوں سے لپٹی ہوئی میرے سواگت کے لیے چلی آرہی ہے، سیتا، بھاگیہ شالنی سیتا۔

(مورچھت ہوکر گر پڑتی ہے)

لو۔کش: ماتا۔ ماتا۔

اَنک تیسرا — درشیہ دوسرا

ایودھیا کا ایک محلہ

نگر واسی 1: ستی کے بن واس کا درشیہ بھی دیکھا تھا اور ان کے سواگت کا بھی درشیہ دیکھ رہا ہوں۔ آج کا شرنگار دیکھ کر تو اودھ بھوی پہچانی ہی نہیں جاتی۔

نگر واسی 2: نشچے کیسا سندر درشیہ ہے۔ لال، ہری، نیلی، پیلی، رنگ رنگ کی لہراتی ہوئی لاکھوں جھنڈیاں ہوا میں اندر دھنش کی رچنائیں کررہی ہیں۔ منگل گان کی تانیں اور آنند کے باجوں کی مدھر دھونی گلے مل کر گھر گھر میں ناچ رہی ہے۔ تورنٹر سے سجے ہوئے دروازے اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی دیواریں ایک دوسرے کو بدھائی دے رہی ہیں۔ ایسا گیات ہوتا ہے کہ کسی دیوتا کے وردان سے یہ پرانی ایودھیا اپنے شریر کی جھریاں اتار کر ایک ہی دن میں ترُن کنیا بن گئی ہے۔

نگر واسی 1: (۳ سے) جن کی رگوں میں گرم لہو کی جگہ کیچڑ بہہ رہی ہے، وہ بھی آج آنند سے ہنس رہے ہیں۔ کنتو ایسے شبھ دن میں بھی تمھارے ہونٹوں پر ہنسی دکھائی نہیں دیتی۔ کیا سوچ رہے ہو؟

نگر واسی 3: میں سوچ رہا ہوں کہ ہر بارہ ورش کے بعد کیا سنسار اپنے کو بدل دیا کرتا ہے؟ اودھ کی پرجا بدل گئی۔ راجا کا کرتویہ بدل گیا۔ پرجا رنجن کا سدّھانت بدل گیا؟ آخر سرشٹی نے کون سی کروٹ لی جو ایودھیا نریش تیاگی ہوئی جنک کماری کو پھر سے گرہن کرنا چاہتے ہیں۔

نگر واسی 2: اس لیے کہ سیتا جی کو واپس بلانے کے وشے میں دو دن تک منی وششٹھ اور رشی والمیکی میں واد وواد ہوتا رہا۔ کنتو انت میں منی ور اور سبھا سدوں نے

برتر ہوکر رشی کے سامنے اپنی ہار سویکار کرلی اور ستی کے ستیہ کی جے ہوئی۔

نگرواسی 3: رشی والمیکی اپنی کویتا شکتی سے ساہتیہ کے آکاش پر نئے نئے سوریہ چندر کی سرشٹی کر سکتے ہیں، راج نیتی نہیں سمجھ سکتے۔ سیتا کو گرہن کرنا تھا تو پھر تیاگنے ہی کی کیا آوشیکتا تھی؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ پرجا رنجن کا مارگ کانٹوں سے بھرا ہوا ہے، اس لیے شری رام کے کرتویہ نے اب اپنا راستہ بدل دیا۔

نگر واسی 2: ساوَدھان۔ اپنی منھ کی چنگاریوں سے کیا پھر نگر میں آگ لگانا چاہتے ہو؟ پرجا کے سکھ کے لیے شری رام سے بڑھ کے کس راجا نے اپنے سکھوں کا تیاگ کیا ہے۔

ہے پربھو ہر جنم میں سکھ پائیں سریوتیر کا
ہم اودھ کی ہوں پرجا اور راج ہو رگھوویر کا

(سب کا پرستھان)

انک تیسرا — درشیہ تیسرا

راستہ

(سندھیا کا سمے۔ بہت دور پر ایودھیا نگری کا درشیہ)

(سیتا جی لو کُش کو گود میں لیے ہوئے پھولوں اور رتنوں سے سُشوبھت رتھ میں بیٹھی ہیں۔ سارتھی کی جگہ لکشمن جی رتھ کے گھوڑوں کی راسیں لیے ہوئے ہیں۔ رتھ کے آگے آگے رشی والمیکی اور رتھ کے چاروں اور شتروگھن، ہنومان، سگریو، انگد، وبھیشن اور سیناگن دکھائی دیتے ہیں۔ منگل کے باجوں اور جے جے کی مدھر دھونی سماروہ کے راستے میں امرت ورشا کر رہی ہے)

— گانا —

(سیتا جی کی استوتی)

جے جننی، جے جے جگدمبا، جے سیتا مہرانی
رگھوکل شوبھا، ستی شرومنی، سکل سمنگل کھانی
دھرم کرم کا گُن گاوت ہیں سُر، نُر، دھیانی، گیانی
کوٹی کوٹی پرنام کرت شری چرنن میں سب پرانی
ہردے میں شری رام بست ہیں اَدھرن میں شبھ وانی
دشرتھ پیاری۔ جنک دُلاری، پنیہ مئی کلیانی۔

اَنک تیسرا— درشیہ چوتھا

راستہ (کور)

(ایودھیا واسیوں کا آنا)

— گانا —

چھایا جگ پر نکھار کیسا سندر سنگار
پہنے پھولن کا ہار، جھوم رہی ڈار ڈار
دَادُر مور، کرت شور، سب اور بدری چھائی گھنگھور
کنجن کنجن میں کوئل گاوت ملھار
چھایو آنند دکھ نِکند، مند مند ملے پون کی سگندھ
برست رم جھم جیسے باجت ستار

انک تیسرا— درشیہ پانچواں

یگیہ شالا

(شری رام، مُنی وششٹھ، دیش دیش کے راجا، رشی، براہمن
راج ادھیکاری اور پرجا گن اُپستھت ہیں)

وششٹھ: رام، اس سرشٹی کے سوامی ایشور کے یہاں انیائے نہیں ہے۔ پکش پات نہیں ہے۔ اونچ نیچ کا بھید بھاؤ نہیں ہے۔ اُن کی بنائی ہوئی پرتھوی اپنے اَنّ جل سے راجا اور بھکاری دونوں کا پالن کرتی ہے۔ اُن کے سوریہ چندر سونے کے بھون اور پھوس کی کٹی دونوں کو پرکاشت کرتے ہیں۔ ان کا نیم بلوان اور بل ہین دونوں کو پنیہ کا پرتی پھل اور پاپ کا دنڈ دیتا ہے۔ شاستروں نے راجا کے بھی یہی لچھن بتائے ہیں اور اسی لیے راجا کو ایشور کا اوتار کہتے ہیں۔ راجا اور پرجا کا سمبندھ ایک وچتر سمبندھ ہے۔ راجا پرجا کا پِتا بھی ہے، ماتا بھی ہے، گرو بھی ہے، بھائی بھی ہے، متر بھی ہے، نوکر بھی ہے۔ وہ پرجا کا پالن پوشن کرتا ہے، اس لیے پِتا ہے۔ اُس کے پاؤں میں کانٹا چبھنے سے بھی تڑپ اُٹھتا ہے، اس لیے ماتا ہے۔ اُس کو دھرم کرم کی شکشا دیتا ہے، اس لیے گرو ہے۔ اس کو اپنی آتما کا ایک انش سمجھ کر رکشا کرتا ہے، اس لیے بھائی ہے۔ اُس کے دکھ سے دکھی اور سکھ سے سکھی ہوتا ہے، اس لیے متر ہے۔ اس کی سیوا میں اپنے سکھوں کا تیاگ کرکے سارا جیون بتا دیتا ہے، اس لیے نوکر ہے۔ تم آج اشومیدھ یگیہ کررہے ہو، کنتو راجا کا سارا جیون

ہی ایک یگیہ ہے۔ اس یگیہ میں جن منتروں کا اُچارن ہوتا ہے ان منتروں کا نام ہے پرجا اور پرجا سیوا۔ اس کے ہون کنڈ کا نام ہے کرتویہ اور اُس کی آہوتی کا نام ہے سوارتھ تیاگ۔

دانی نے دھن سے یش جیتا، پراکرمی نے تلواروں سے
بھکتوں نے پریم اور بھکتی سے رشیوں نے اُچ وچاروں سے
ستیوں نے سوامی سیوا سے، گنگا نے اپنی دھاروں سے
پر جیت لیا پرلوک کا یش تم نے ہے وتس اپکاروں سے

رام: منی ور، آپ سے بَل اور ساہس پاکر میں راج دھرم کے طوفانی سمندر میں اپنے کرتویہ کی نیا کھے رہا ہوں، یدی یہ کشتی چنتا کی اندھیری رات میں رکاوٹوں کی لہروں پر بہتی ہوئی کالے بادلوں میں ڈوبتے ابھرتے چندرما کی طرح ابھی تک آگے بڑھتی جارہی ہے تو یہ میری جے نہیں، آپ کی شکشا اور آشیرواد کی جے ہے۔

وششٹھ: مہاراج رام چندر۔ تمھیں وششٹھ کیا آشیرواد دے گا، تم سویم اس سرشٹی کے لیے آشیرواد ہو۔ رگھوبر، جس راجیہ میں راجا ہے اور راجیشوری نہیں ہے۔ وہ راجیہ اُس ابھاگے بالک کے سمان ہے جس کے سر پر پتا کا ہاتھ ہو اور ماتا کے آنچل کی چھایا نہ ہو۔ آج بارہ ورش کے بعد اپنے انیائے کا پرائشچت کرنے کے لیے ایودھیا کی پرجا آنند کی جے جے کار سے راج لکشمی دیوی سیتا کا سواگت کرے گی۔ میں پُنہ آگیا دیتا ہوں کہ اپنی تیاگی ہوئی دھرم پتنی کو گرہن کرو۔ پتا پریم کے پیاسے بچوں کو گود میں لو اور اس دھرتی پر جنم لینے والی آتماؤں کے لیے آریہ ورت کے اِتہاس کو رام سیتا کا چرتر دان دو۔

(بھرت کے ساتھ ہنومان، سگریو اور انگد کا پرویش)

بھرت: ایودھیا ناتھ کی جے، ایودھیا کے سوبھاگیہ کی جے۔ دیوی کا رتھ یگیہ شالا کے سمیپ پہنچ گیا۔

پھر ملی سردھام کی شوبھا ایودھیا دھام کو
سر جھکا رکھیں ابھی سے سروجن پرنام کو

رام: آرہی ہے پتی کے دیے ہوئے دکھوں کو بھی پتی کا آشیرواد سمجھنے والی دیوی آرہی ہے۔ ہردے ہردے......

وششٹھ: رام یہ کیا۔ سکھ کی پراتہ کال ہوگئی۔ پھر ان پلکوں پر آنسوؤں کے ستارے کیوں دکھائی دے رہے ہیں۔

رام: منی ور، یہ دکھ کے آنسو نہیں سکھ کے آنسو ہیں۔ شما کیجیے، میں انھیں آنکھوں میں آنے سے نہیں روک سکتا۔ کیونکہ یہ آنسو رام کے راجیہ میں نہیں، پریم کے راجیہ میں رہتے ہیں۔

ہنومان: وہ دیکھیے۔ کیسا تیج سے درشیہ ہے۔ کویتا کے سوریہ اپنے داہنے بائیں دو چندرماؤں کو لیے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

(لو۔ کش کے ساتھ والمیکی کا پرویش)

والمیکی: اودھیش کا منگل ہو۔ پرجا کا کلیان ہو۔

رام: وہی پرتبھا، وہی تیج، وہی آنکھیں۔ اوہ کیسا ابھاگا ہوں، پرجا آگیا پنا سنتان کو بھی چھاتی سے نہیں لگا سکتا۔

وششٹھ: رشی ور۔ ان بالکوں کی پوجیہ نیہ ماتا کہاں ہیں؟

والمیکی: میں دیوی کے آگمن کی سوچنا دینے کے لیے ان بالکوں کو لے کر پہلے چلا آیا۔ تھوڑی دیر میں لکشمن جی کے ساتھ وہ بھی آیا چاہتی ہیں۔ بچو، اُدھر دیکھو، پنیہ جن کا بل، دھرم جن کا پردھان، نیائے جن کا سینا پتی، دیا، شما، پروپکار جن کے راجیادھیکاری اور ستیہ جن کی راج نیتی ہے، وہ ایودھیا پتی شری رام چندر یہی ہیں۔ اپنے پرتاپ شالی پتا کو پرنام کرو۔

لو۔ کش: ترلوک وجئی پتا۔ رشی والمیکی کے شسیہ لو۔ کش آپ کی مریادا کے چرنوں میں نمسکار کرتے ہیں۔

والمیکی: براہمن اور تپسوی کو سنتشٹ کرنا آریہ بھومی کے راجاؤں کا دھرم ہے، تم بھی ابھی تک براہمن کا روپ اور تپسوی کا وستر دھارن کیے ہوئے ہو، اِس لیے اب اپنے راجا اور پِتا سے پُتر پریم کا دان مانگو۔

لو: پریم کا دان

والمیکی: ہاں۔

لو: پِتا رام چندر سے؟

والمیکی: ہاں۔

لو: یہ آپ کی بھکتی ہے۔ ایودھیا کے مہاراج، مہادانی اور مہادھنوان ہونے پر بھی یہ دان نہیں دے سکتے۔

والمیکی: لو—لو۔

لو: لگن منڈپ میں پانڑی گرہن کرتے سمے گروجنوں اور براہمنوں کے سنمکھ دھرم اور ایشور کو ساکشی کرکے جس دیوی کو انتم شواس تک اپنی جیون سنگنی بنانے کی پرتگیا کی تھی۔ اُس پرتگیا کو بچپن میں کھیلا ہوا کھیل سمجھ کر جوانی میں بھول جانا جو ستی سوامی ہی کو دیوتا، سوامی ہی کو ایشور، سوامی ہی کو لوک پرلوک سمجھتی ہو اُس کے پریم اور سیوا سے وشواس گھات کرنا۔ جس دیوی نے اپنے جیون کے سارے سکھ سوامی کے چرنوں میں ارپن کردیے، اُس کے روم روم کو دکھ کی جلتی ہوئی چِتا بنا دینا، یہی تو ان کا پریم ہے۔ رشی ور۔ پِتا رام چندر کے پاس دھرم ہے، بَل ہے، گیان ہے، پنیہ ہے، یش ہے، سب کچھ ہے، کنتو شما کیجیے پریم نہیں ہے۔

کُش: کیول پریم ہی نہیں۔ ان کے پاس نیائے بھی نہیں ہے۔ منی ور اپنی امرت مئی کویتا میں آپ نے جن رام پتنی سیتا کے دھرم کرم کا ورنن کیا ہے، یدی وہ ورنن جھوٹا نہیں ہے، یدی آپ کی کلپنا، آپ کی لیکھنی، آپ کی رامائن جھوٹی نہیں ہے، تب نام الگ ہونے پر بھی سیتا اور پوترتا دونوں ایک ہی وستو ہیں۔ چور، ڈاکو، لٹیروں کو بھی اُن کا اُتر سنے بنا دنڈ نہیں دیا جاتا۔ پھر کس

نیایادھیش کے سامنے ان کے ستیہ استیہ کا وچار ہوا؟ کس نے اُن کا اَپرادھ پرمانت کیا؟ منشیہ، دیوتا، کنر، گندھرو، پشو، پکشی کس نے آکر اُن کے پاپ کی ساکشی دی؟ شما کریں آپ اور شما کریں پتا رام چندر، پھر کہتا ہوں کہ ایودھیا نریش کے پاس پریم بھی نہیں ہے اور نیائے بھی نہیں ہے۔

والمیکی: ساودھان۔ تم ماتا کے دکھ سے دُکھت ہوکر پتا کی مریادا بھول رہے ہو۔ یاد کرو، تمھاری جننی دیوی سیتا نے اپنے بھاگیہ کے سوا کبھی اپنے سوامی کو دوش نہیں دیا۔

رام: بولنے دیجیے رشی ور۔ انھیں ستیہ کے پکش میں بولنے دیجیے۔ آپ کی آگیا انھیں چپ کرسکتی ہے۔ کنتو کرپا کیجیے، یہاں آیئے اور رام کی چھاتی سے کان لگا کر سنیے۔ اس ہردیے سے بھی آپ کو انھیں کی آواز سنائی دے گی۔

یہی سنیں گے ایسی دکھیا جگ میں کوئی ستی نہ ہو
سیتا جیسی پتنی ہو پر رام کے جیسا پتی نہ ہو

(اندر جے جے اور باجوں کی دھونی)

(لکشمن کا پرویش)

لکشمن: سیاور رام کا جیون سکھ شانتی سے پرپھلّت ہو۔

کھلی من کی کلی دُکھ کی رِتو کا آج انت آیا
ایودھیا کے لیے پھر لکشمن لے کر بسنت آیا

(شتروگھن کے ساتھ سر جھکائے سیتا جی کا پرویش)

سب: راج راجیشور دیوی سیتا کی جے۔

سیتا: جیون پربھو۔ داسی شری چرنوں میں پرنام کرتی ہے۔

رام: (ویاکل ہوکر) سیتے — سیتے۔

سیتا: (ہاتھ جوڑ کر) ناتھ — سوامی۔

گھور اندھیرے سے ڈھکا جیون تھا اشروپات تھا
آپ کے مکھ تیج بن سیتا کا دن بھی رات تھا
بھاگیہ ان آنکھوں کے جاگے دور اندھیرا ہوگیا
آپ کے درشن سے پھر جگ میں سویرا ہوگیا

رام: دُکھ کی دہائی نہیں، کرودھ نہیں، گھرنا نہیں، دھتکار نہیں۔ وہی وشواس، وہی پریم، وہی بھکتی۔ آج بھی ناری ہردے کی پوترتا کا ویسا ہی اَپورو روپ دیکھ رہا ہوں۔ بارہ ورش کے بعد بھی اس نستیج دُبلے دُربل پیلے پڑے شریر کے اندر وہی منگل مئی، پنیہ مئی سیتا دکھائی دے رہی ہے۔ پریے — پرتمے۔

سہارا نہیں لاج ساگر میں کوئی ستی پریم کا آسرا مانگتا ہوں
دیا کے نہیں یوگیہ اَپرادھ میرے، مگر پھر بھی تم سے دیا مانگتا ہوں

سیتا: ناتھ، ان شبدوں سے استری جاتی کے سامنے میرے کرتویہ کو لجت نہ کیجیے۔ اس جیون میں ہر منشیہ کوئی نہ کوئی سوپن دیکھتا ہے۔ بارہ ورش تک میں بھی پتی ویوگ کا سوپن دیکھ رہی تھی۔ آج وہ سوپن ساپت ہوا اور آپ کو دیکھ کر جو کچھ دیکھا تھا وہ سب بھول گئی۔

انتر بھاؤ کہوں کیا مکھ سے آپ ہیں انتریامی
دھنیہ دھنیہ ہیں بھاگیہ مرے جو پایا ایسا سوامی
رام نام کا سمرن کرتی، رام نام کی پوجا
رام نام ہی سیتا جانے اور نہ جانے دوجا

وششٹھ: سبھا جن۔ ہم اس سنسار میں کانوں سے اتنا نہیں سیکھتے جتنا آنکھوں سے سیکھتے ہیں۔ جو مہاتما اپنے جیون کو دھرم کرم کے سانچے میں ڈھال کر مکھ سے اُپدیش دینے کے بدلے اپنے پوتر چرتر سے سماج کو اُپدیش دیتے ہیں، انھیں سے دیش اور جاتی کا کلیان ہوتا ہے۔ یدی رام اور سیتا اس دھرتی کو شوبھائمان نہ کرتے تو جگت پوری طرح کبھی نہ سمجھ سکتا کہ راجاؤں کا کیا

دھرم ہے اور ستیوں کا کیا کرتویہ ہے۔ شری رام آج بھی وششٹھ کی اچھا، رشی والمیکی کی اچھا، اپنی اچھا سے پرجا اچھا کی پدوی اونچی رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان سے پرسنّا پوروک پرارتھنا کرو کہ پتر اور پتنی کو گرہن کرکے اس سبھا کو ایک بار پھر جے پکارنے کا اوسر دیں اور رشی والمیکی سے نویدن کرو کہ رام سیتا کے ملاپ پر اپنی رامائن سماپت کریں۔

سب: گرہن کیجے۔ نروتم، گرہن کیجیے۔

والمیکی: دھنیہ ہو تم، دھنیہ ہے تمھاری اُدارتا۔ اَب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ رام کی پرجا رام کے سمان نیائی نہیں ہے۔ آؤ بچو آؤ دیوی۔ ایشور نے، دھرم نے، سماج نے، سنسار کے ودھان نے جو تمھیں ادھیکار دیا ہے اُس ادھیکار کو پراپت کرو۔ (لو۔کش اور سیتا جی کا ہاتھ پکڑ کر سنگھاسن کی طرف بڑھتے ہیں)
رگھوبر پرجا آپ کا چھینا ہوا سکھ آپ کو واپس دیتی ہے۔ گرہن کیجیے۔

رام: مل گئے مل گئے۔ میرے ہردے کے کھوئے ہوئے رتن مجھے پھر مل گئے۔ (ویاکلتا کے ساتھ سنگھاسن سے اتر کر بچوں کو گلے لگالیتے ہیں۔ سیتا جی چرنوں میں بیٹھ جاتی ہیں) سب جھوٹ ہے، کبھی دکھ نہیں ملا۔ کبھی ویوگ نہیں ہوا، کبھی رام سیتا الگ نہیں ہوئے۔ لو کش سیتا..... (پھر بچوں کو گلے لگاتے ہیں)

سیتا: (سکھ کے آنسو بہا کر) سوامی......

رام: پرجا۔ میری پریہ پرجا، مجھے شما کرو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم رام کے راج کرتویہ کی پریکشا لے رہے ہو۔ جگت کو کیول سیتا کے ستیہ کا مہتو دکھلانے کے لیے رام سے الگ کررہے ہو۔ میں نے اس منشیہ جیون میں جتنے پروپکار، جتنی دھرم سیوا، جتنے شبھ کاریہ کیے ہیں آج اُن سب کا پنیہ تمھیں اَرپن کرتا ہوں۔ تم نے رام کو سکھی کیا ہے۔ ایشور جنم جنم میں تمھیں سکھی رکھے۔

دیکھو دیکھو، دکھ کو دیکھو کس طرح اب مون ہے
آج جگ میں رام جیسا بھاگیہ شالی کون ہے

نگرواسی 1: بھگوان، آپ کا سکھ آپ کی کیرتی کی طرح اکشے ہو، کنتو پربھو......

رام: کہو کہو، چپ کیوں ہوئے۔

نگر واسی 1: نریش یہ سنسار ہے۔ اس میں سب کی سمجھ ایک سمان نہیں ہوتی......

والمیکی: اس لیے؟

نگر واسی 1: بے سمجھوں کے سنشے نوارن کے لیے ستی کو اپنے ستیہ کی کوئی پریکشا دینی چاہیے۔

نگر واسی 2: ٹھیک ہے۔

نگرواسی 3: یہی اُچت ہے۔

رام: پریکشا۔ لنکا میں بھی پریکشا اور ایودھیا میں بھی پریکشا۔ کیا جب تک شیش ناگ اس دھرتی کو اپنی پھنکار سے دھوئیں کی طرح آکاش میں نہ بکھیر دیں، تم اس لوک کی دیویوں کو دیویاں نہیں مان سکتے؟ کیا جب تک سوریہ چندر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر آگ کی چنگاریوں کی طرح اس سرشٹی پر نہ برس پڑیں، تم ستیوں کے ستیہ کا وشواس نہیں کرسکتے۔

والمیکی: نہ دو ایودھیا واسیو، پتی پرائنا دکھیا کو اور دُکھ نہ دو۔ سیتا کے ستیہ میں سندیہہ کرنا دھرم کے کلیجے میں چھری مارنا ہے۔ یدی میں براہمن ہوکر ستی کے پتی ورت دھرم کی جھوٹی ساکشی دے رہا ہوں تو پتا ہتیا، ماتا ہتیا، گروہتیا، برہم ہتیا، گوہتیا سے جو پاپ ہوتا ہے اسی پاپ کا مجھے لوک پرلوک میں دنڈ بھوگنا پڑے اور میری رام بھکتی کے پنیہ بھی اس دنڈ سے مجھے مکت نہ کرسکیں۔

سیتا: بس۔ بھگون بس۔ اب اور سہن نہیں ہوسکتا۔ آج مجھے نشچے ہوگیا کہ اس سرشٹی پر ستیا نے دکھ کے لیے اور دکھ نے سیتا کے لیے جنم لیا ہے۔ ہے پوجیہ نیہ آریہ بھومی، ہے پاروتی، انوسوئیا، ساوتری جیسی دیویوں کو جنم دینے والی ماتا، ایشور سے پرارتھنا کر کہ وہ تیری ہر کنیا کو سیتا کی سوامی بھکتی دے کنتو سیتا کا دکھ اور سیتا کا پراربدھ نہ دے۔

سکھ نہ پایا اس جگت میں اتنا سکھ ہوتے ہوئے
سارا جیون کٹ گیا جلتے ہوئے، روتے ہوئے

دکھ وہیں ہوگا جہاں آئے گا دکھیاری کا نام
آج سے سیتا نہ ہو جگ میں کسی ناری کا نام

رام: کیا کروں؟ رشی ور، منی ور کیا کروں؟ اوہ اتنی نرمتا، اتنی کٹھورتا—

رکھ گئے ہیں ایک جلتا دُکھ پتا میرے لیے
یہ ایودھیا کا سنگھاسن ہے پتا میرے لیے
آؤ سیتے پھر چلیں ون کو بھکاری دیش میں
جس میں یہ پرجا نہ ہو جاکر رہیں اُس دیش میں

سیتا: ناتھ، آریہ ورت کی استری اپنے جیون پربھو کے مکھ پر ہنسی دیکھنے کے لیے بھوکی پیاسی رہ سکتی ہے۔ مٹھی بھر چنے اور موٹے پھٹے کپڑے میں دن نکال سکتی ہے۔ کانٹوں کے بچھانے کو پھول کی سیج سمجھ سکتی ہے، کنتو اپنے پتی ورت دھرم کا اپمان نہیں سہن کرسکتی۔ سنتان کو پتا کی پریم چھایا میں پہنچا دوں اور ان آنکھوں کو ایک بار پھر آپ کے درشن سے پوتر کرلوں، انھیں دو آشاؤں سے ابھی تک جی رہی تھی۔ آج میری یہ انتم آشائیں بھی پوری ہوگئیں۔ اب اس سنسار میں میرے جیون کا کوئی کرتویہ باقی نہیں رہا۔ ماتا وسندھرے یدی میری آنکھوں نے پاپ کی چھایا بھی نہ دیکھی ہو۔ یدی اس جیون میں پوترتا سدا میری سکھی رہی ہو، یدی آتما کے سنگیت میں نرنتر رام نام ہی کی مدھر دھونی گونجتی رہی ہو۔ تو آؤ۔ آؤ جننی۔ اپنی پتری سیتا کے ستیہ کی ساکشی دینے کے لیے آؤ۔

لے جاؤ سنسار سے مجھ کو بس اتنا اُپکار کرو
ڈوب رہی ہوں دُکھ ساگر میں آؤ بیڑا پار کرو

(پرتھوی دیوی پرگٹ ہوتی ہیں)

پرتھوی دیوی: آؤ پتری۔ ماں کی گود کو شوبھائمان کرو۔

سیتا: پرنام— ناتھ— پرنام۔

آپ ہی میرے پران نواسی آپ ہی انتر دھامی ہوں
جب جب ناری جنم ملے رگھوبر ہی میرے سوامی ہوں

(پرتھوی دیوی سیتا جی کو لے کر انتر دھان ہوجاتی ہیں)

رام: ٹھہرو ٹھہرو۔ وسندھرے ٹھہرو۔ رام کی سیتا کو لیے جارہی ہو تو رام کے پران بھی لیے جاؤ۔ پران بنا جی سکتا ہوں، سیتا بنا نہیں جی سکتا۔ سیتا، سیتا سیتا—

(رام مورچھت ہوجاتے ہیں۔ وششٹھ، لکشمن، بھرت سنبھالتے ہیں)

لو: یہ کیا؟ یہ کیا؟ پتا جی کو کیا ہوا؟

کش: گرو دیو۔ گرو دیو۔ ماتا جی کہاں چلی گئیں؟

والمیکی: کہاں چلی گئیں؟ وہیں جہاں اس سرشٹی کے دُکھ، سکھ کی پہنچ نہیں ہے۔ ناری کے پوتر پریم کا انادر نہیں، ستیوں کے ستیہ پرشنکا نہیں ہے۔ استری کے سنیہ اور سیوا کی آنکھوں میں شوک کے آنسو نہیں ہیں۔

وششٹھ: اٹھو وتس اٹھو۔ یہ سنسار مایا کا رنگ منچ ہے، جس پر انادی کال سے دُکھ، سکھ کا کھیل ہورہا ہے۔ اس کھیل میں جڑ ہو یا چیتنیہ، منشیہ ہو یا دیوتا، سب کو بھاگ لینا پڑتا ہے۔

(رام دھیرے دھیرے ساودھان ہوتے ہیں)

رام: منشیہ کا پراربدھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ رام راجیہ میں سب کے لیے سکھ ہے، کنتو سوئم رام کے لیے سکھ نہیں ہے۔ رام کے ہردے میں سب کے لیے دیا ہے، کنتو رام کے لیے، پراربدھ، پرجا، پرتھوی کسی کے پاس دیا نہیں ہے۔ (اُتیجت ہوکر) واپس دو، واپس دو، دیوی پرتھوی، میری سیتا مجھے واپس دو۔ تم شنکر کے دھنش اور پرسَادھاری بھرگو کے اجے باہوؤں سے اُدھک پربل نہیں ہو۔ یدی اپنے نگروں، جنگلوں، ندیوں، کھیتوں، پربتوں کے ساتھ رساتل میں

جانا، پرلے سے پہلے اپنے لیے پرلے بلانا نہیں چاہتیں تو میری سیتا مجھے دے دو۔ سن رہی ہو وسندھرے۔ سن رہی ہو۔ یہ جل کے چھینٹوں سے بجھتی ہوئی آگ کی پچھلی ہاہاکار، ٹوٹے ہوئے شستر کی انتم جھنکار گلا گھونٹ کر مرتے ہوئے پرانی کی نہ سنائی دینے والی پکار نہیں، راج ادھیکار کی گرجنا ہے۔ آریہ ورت کے سمراٹ کی آگیا ہے...... نہیں دیوی نہیں، یہ رام کی آگیا نہیں، رام کی ونے ہے۔ پتر کی ماتا سے پرارتھنا ہے دیا کرو، دیا کرو۔ یہ راجا روپی بھکاری ہاتھ پھیلا کر تم سے سیتا کی بھکشا مانگتا ہے۔

والمیکی: بھگون۔ پنیہ کی گنگا پرتھوی دیوی کے پریم ساگر میں لین ہوگئی۔ یدی ایک بار اُس پریم پرتما کو پھر دیکھنے کی اِچھا ہے تو اپنی دِوّیہ ورشٹی سے دکھ، سکھ، آشا، نراشا، جیون، مرن کی سیما سے باہر دیکھیے— اس لوک میں نہیں— اس لوک کی دوسری طرف دیکھیے۔

(درشیہ بدلتا ہے)

سیتا جی سنگھاسن پر براجمان ہیں۔ پرتھوی دیوی آشیرواد دے رہی ہیں۔ چاروں طرف سے پشپ ورشا ہو رہی ہے۔

—ڈراپ—

دَھرمی بَالک

1929

دھرمی بالک (1929)

اس ڈرامے کے بارے میں مختلف محققین نے بڑی غلط فہمیاں پھیلائی ہیں۔ خصوصا ڈاکٹر محمد شفیع نے اسے چرکھاری اسٹیٹ سے منسوب کرکے اس کی تاریخ تصنیف کو دو سال پہلے لے جانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کی تصدیق آغا حشر کے ذخیرے سے حاصل شدہ دستاویزات سے نہیں ہوتی۔ سچ یہ ہے کہ آغا صاحب نے یہ ڈراما مڈنس تھیئٹرز لمیٹیڈ کے لیے 1929 کے اواخر میں لکھا تھا اور یہ پہلی بار کلکتہ میں مڈنس تھیئٹرز لمیٹڈ ہی کی کمپنی 'پارسی الفنسٹن ڈرامیٹک کمپنی آف کلکتہ' میں کھیلا گیا تھا۔ بعد میں دوسری کمپنیوں نے بھی اسے اپنے اسٹیج پر پیش کیا۔ یہ آغا حشر کا ایک نیم سیاسی ڈراما ہے جس میں سماج کی اصلاح کا جذبہ ایک بااثر محرک کے طور پر کارفرما ہے۔ آغا حشر کا زمانہ مغربی تہذیب وتمدن کی اندھی پیروی کے نتیجے میں مختلف سماجی برائیوں کے پھیلنے کا زمانہ ہے۔ سماج کے مختلف طبقات میں درآئی انھی بے راہ رویوں اور خرابیوں پر اس ڈرامے میں بے محابا طنز کیا گیا ہے۔ آغا حشر کے آخری دور کا یہ ڈراما ان کی زندگی بھر کے ادبی وفنی تجربات کا نچوڑ اور اسٹیج کے تقاضوں پر ان کی ماہرانہ گرفت اور مکمل دسترس کا ثبوت ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، یہ ڈراما اور اس کا دوسرا حصہ 'بھارتی بالک عرف سماج کا شکار' اس سے پہلے کبھی شائع نہیں ہوا۔ یہ دونوں حصے اپنے معتبر متن کے ساتھ پہلی بار اس کلیات کے توسط سے منظر عام پر آرہے ہیں۔

اس ڈرامے کا صرف ایک مسودہ دستیاب ہوا ہے جو منتشر اوراق کی شکل میں ہے لیکن

مکمل ہے۔ تین ایکٹ کے اس ڈرامے میں کل 127 صفحات ہیں۔ اس کے پہلے صفحے پر نیلی روشنائی سے لکھا ہوا ہے ’غریب کی دنیا عرف دھرمی بالک از آغا حشر کاشمیری‘۔ اس کا کومک علیحدہ سے مکمل شکل میں موجود ہے۔ اس واحد مسودے میں نہ تو کاتب کا نام درج ہے اور نہ کہیں کتابت کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ اس ڈرامے کا ابتدائی مسودہ رہا ہوگا۔ مشمولہ ڈراما اسی مسودے کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔

ناٹک کے پاتر

پُرش پاتر:

1۔ کیلاش ناتھ	ایک غریب
2۔ رادھے کانت	بے ایمان زمین دار
3۔ کیشو بابو	ایک اور بے ایمان رئیس
4۔ بھونچال	ایک مجرم
5۔ شام لال	کیشو بابو کا منیجر
6۔ سونا	سیوا کمیٹی کے ممبر
7۔ روپا	اور بھائی
8۔ لال چند	ایک دھنی بیوپاری
9۔ شوبھا رام	لال چند کا سکریٹری
10۔ بھیروناتھ	لال چند کا نوکر
11۔ قیدی، کسان اور کارندے	

اِستری پاتر:

1۔ گوتمی	کیلاش ناتھ کی کنیا
2۔ ساوتری	کیلاش ناتھ کی کنیا
3۔ گنگا	سونا، روپا کی ماں
4۔ سرلا	شوبھا رام کی پتنی

ایکٹ پہلا —— سین پہلا

سیوا سمیتی آشرم کا ایک بھاگ

(سونا، روپا اور سیوا سمیتی کے سبھاسد کھڑے ہوئے ہیں)

سونا: سیوا کا ارتھ ہے، پروپکار، اور پروپکار کا اُرتھ ہے سوارتھ تیاگ۔ تعریف ہوگی، انعام ملے گا۔ مکتی اور سورگ پائیں گے، ان کامناؤں کا بوجھ لاد کر ہم جیون کے انت تک سیوا مارگ پر نہیں چل سکتے، کیونکہ جس دن سیوا کے پھل پانے کی آشا نہ رہے گی، اُس دن سیوا کا اُتساہ بھی نہ رہے گا۔ اس لیے یدی تم نے ایشور، دھرم اور وویک کو ساکشی کرکے اچل وشواس کے ساتھ دیش سیوا کی پرتگیا کی ہے، تو اس پرتگیا پورتی کے لیے تمھیں اس لوک اور اُس لوک کے سمست سکھوں اور سمست آشاؤں کا تیاگ کرنا ہوگا۔ دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنے ورتمان اور بھوشیہ کی لالساؤں کو تیاگ دینا، یہی سچی سیوا ہے اور آتما کا سنتوش یہی سیوا کا انعام اور سیوا کا پرتی پھل ہے۔

روپا: وید، شاستر، سمرتیوں کا تتو اور منشیہ دھرم کا رہسیہ سمجھانے والی بھگوان شری کرشن کی گیتا بھی سنسار کو نشکام کرم ہی کا اُپدیش دیتی ہے۔ ایشور ہمیں سوارتھ رہت سیوا کی شکتی دیں۔

سونا: بیج میں چھپے ہوئے ورکش کی طرح شکتی تمھارے آتما کے اندر موجود ہے۔ نشکام کرم کی پکار سے آتما کو جگاؤ۔ آتما کے جاگتے ہی آتما کی شکتیاں بھی جاگ اُٹھیں گی۔

ایکٹ پہلا— سین دوسرا

قید خانہ۔ رات کا سمے

(کچھ قیدی گا بجا رہے ہیں۔ کچھ پاؤں پھیلائے لیٹے ہیں
دو ایک سر جھکائے سوچ رہے ہیں)

قیدی 1: جیل کے اندر بیڑی اور چلم پینا، کتاب یا اخبار پڑھنا، جمعدار اور سپاہیوں کی ٹھوکر اور ہنٹر کھانے کے بعد اُن کے سر پر دھول جڑ دینا، کولھو اور چکی چھوڑ کر پوجا پاٹھ کرنا منع ہے۔ اُسی طرح کیا جیلر نے تمھیں ہنسنے سے بھی منع کردیا ہے۔ اُداس منھ بنائے ہوئے ہر وقت کیا سوچا کرتے ہو؟

قیدی 2: اس سنسار ساگر میں اپنے پورے کنبے کی ناو اکیلے میں ہی کھے رہا تھا۔ میرے گھر میں میری بوڑھی ماں ہے، دو وِدھوا بہنیں ہیں، ایک جوان استری ہے، تین بچے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ اُن کی کیا دشا ہوگی؟

قیدی 1: اس دیش کے قانون میں اَپرادھیوں کو سزا دینے کے لیے بہت سی دھارائیں ہیں۔ لیکن اَپرادھی کے جیل جانے کے بعد اُس غریب کنبے کے پالن پوشن کرنے کے لیے کوئی دھارا نہیں ہے۔ تم سوچتے ہو کہ تمھارے جیل آنے کے بعد تمھارے کنبے کا کیا حال ہوگا؟ سنو، ہوگا یہ کہ تمھاری بوڑھی ماں تمھارے غم میں رو رو کر اندھی ہوجائے گی۔ تمھاری ودھوا بہنوں کے کپڑے گہنے اور جوانی کے سکھوں کا لالچ دے کر محلے کے کامی پُرش بھگا لے جائیں گے۔ تمھاری جوان استری بھوک بھوک کہتی ہوئی مرجائے گی اور تمھارے تینوں

بچے شکشا اور رکشا نہ ہونے کے کارن، بری صحبتوں میں پڑ کر پورے چور اور ڈاکو بن جائیں گے۔

قیدی 2: چپ رہو۔ چپ رہو— تم مجھے بہت بھیانک درشیہ دکھا رہے ہو۔

قیدی 1: جب تک دیش کا قانون اور سماج اَپرادھیوں کے بیوی بچوں کے پالن پوشن کا پربندھ نہ کرے گا، بھارت کے سینکڑوں گھروں میں ایسے ہی درشیہ دکھائی دیں گے۔

قیدی 3: اس پوتر دھام میں آئے ہوئے تین مہینے ہوگئے، کنتو ابھی تک تم نے اس بھکت منڈلی کو اپنے جیون بھاگوت کا پہلا ادھیائے بھی نہیں سنایا— کون سا پنیہ کیا تھا، جو ایشور کا پرتی ندھی بن کر جج مہاشے نے تمھیں اس جیل کی سورگ بھومی میں بھیج دیا؟

قیدی 2: کیا کہوں! اپنی کہانی دہراتے ہوئے اپنے دیش کی اوستھا پر مجھے شرم بھی آتی ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔

قیدی 1: جیلر صاحب کی معرفت ایک لفافہ میں بند کرکے شرم کو دیش بھیج دو، اور جیل میں کبھی نہ کبھی لڑنے بھڑنے کی ضرورت ہوگی، اس لیے غصہ کو پاس رکھ چھوڑو۔ آخر شرم اور غصہ آنے کا کارن؟

قیدی 2: میں اپنے محلے کے مندر میں روز شام کو پوجا کرنے جاتا تھا۔ ایک دن پوجا کررہا تھا کہ نہایت ہی دُکھ دایک پکار سنائی دی۔ میں سہایتا کے لیے دوڑا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ مندر سے تھوڑے دور پر گھنے درختوں کی آڑ میں ایک ہندو ودھوا آنکھوں میں آنسو بھرے، بال کھولے، دونوں ہاتھ جوڑے، دھرتی پر گھٹنے ٹیک کے دھرم اور دیا کی دہائی دے رہی ہے اور مندر کا مہنت ہاتھ میں چمکتی چھری لیے اس ستی کا ستیتو نشٹ کرنا چاہتا ہے۔ یہ پے شاچک درشیہ دیکھ کر میرا ہردے کانپ گیا۔ میرے روم روم میں کرودھ کی آگ بھڑک اُٹھی اور جس چھری سے وہ ہندو ابلا کے لوک پرلوک کی ہتیا کرنا چاہتا تھا، وہی چھری چھین کر میں نے اُس نرادھم کی چھاتی میں بھونک دی۔

قیدی 4: اور چھری بھونکنے کے بعد تم نے یہ سمجھا ہوگا کہ ستی کی رکشا اور پاپی کو دنڈ دینے کے انعام میں جنتا تمھیں دھرم رکشک کی پدوی اور سرکار رائے بہادر یا سرکار کا خطاب دے گی۔ لیکن خطاب کے بدلے کیا ملا؟ چودہ برس کے لیے کالا پانی۔ واہ رے انصاف کی قدردانی۔

قیدی 2: ماں، بہن، بیوی، بچوں کی یاد نے میرے دُکھ کے کڑوے پیالے کو اور بھی زیادہ کڑوا کردیا ہے۔ بھگوان، میں کیسے مان لوں کہ تم دیامے ہو! دُکھ کا انت کرنا نہیں چاہتے تو کیا جیون کا انت بھی نہیں کرسکتے؟

(بھونچال کا پرویش)

بھونچال: ارے بھائی تو داڑھی مونچھ والے پُرشوں کا کیوں نام ہنسا رہا ہے۔ رو رو کر ہی جیون بتانا تھا تو استری کا جنم لیا ہوتا۔ مجھے دیکھو، پچاس اور تین ترپن برس کی عمر ہوئی، جس میں سے چھبیس برس جیل کاٹتے گزر گئے۔ اس چھبیس میں سے چھ منٹ کے لیے بھی دُکھ اور پچھتاوے کو میں نے اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔

قیدی 2: یدی تم دکھ کا انوبھو نہیں کرسکتے تب تم نشچے پتھر یا لوہے کے ہو، منشیہ نہیں ہو۔

بھونچال: میں منشیہ تو بننا چاہتا تھا، کنتو دنیا نے مجھے منشیتا سیکھنے اور منشیہ بننے کا موقع ہی نہیں دیا۔

قیدی 4: وہ کیسے؟

بھونچال: ماسٹروں کی مار کے ڈر سے ماں نے اسکول سے اٹھا لیا۔ پتا جی پتنگ اُڑانے اور مٹھائی کھانے کے لیے پیسے دینے لگے۔ میں نے اُن پیسوں سے محلے کے لڑکوں کے ساتھ چھپ چھپ کر جوا کھیلنا اور شراب پینا شروع کردیا۔ شراب اور جوے کے لیے پیسوں کی کمی ہوئی تو گھر کے گہنے اور سامان پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ دھیرے دھیرے باہر بھی چوری کرنے کی لت پڑگئی۔ آخر ایک دن پاکٹ مارتے ہوئے پولس نے آکر پیچھے سے دبوچ لیا اور مجسٹریٹ

نے چھ مہینے کے لیے جیل میں چلتا کردیا۔ یہ میری زندگی کے ناٹک کا پہلا ڈراپ تھا۔

قیدی 1: گروجی، تمھاری رس بھری کہانی سن کر ایسا آنند ملتا ہے، مانو کوئی کانوں میں رس گلا نچوڑ رہا ہے— آگے کہو؟

بھونچال: چھ مہینے کے بعد جب میں جیل سے چھوٹا تو پرتگیا کی کہ چوری اور پاکٹ ماری کے بدلے کوئی دھندا یا نوکری کرکے اپنے جیون بتانے کی چیشٹا کروں گا۔ کنتو میرے بھاگیہ میں برہما نے لکھ دیا تھا کہ شریف نہیں پاجی بنے گا۔ اس لیے چوری میں سزا ہونے کے کارن نہ کوئی دھندا کرسکا، نہ کسی جگہ نوکری مل سکی۔ آخر ایک دن پڑوس میں سیندھ لگی۔ چونکہ محلے میں، میں ہی چور مشہور تھا، اس لیے پولس نے جھوٹے گواہ اور ثبوت تیار کرکے چالان کردیا اور مجسٹریٹ نے پورے تین برس کے لیے مفت کی روٹیاں کھلانے کو جیل کے مہمان خانے میں بھیج دیا۔ یہ میرے جیون کے ناٹک کا دوسرا ڈراپ ہے۔

قیدی 3: تیسرا ڈراپ پہلے اور دوسرے سے بھی زیادہ مزے دار ہوگا— ونس مور۔

بھونچال: اس تین برس میں ایسے ایسے چوروں، ڈاکوؤں، خونیوں کا ساتھ ہوا، ایسے ایسے مہاتماؤں کے درشن ہوئے، ایسے ایسے گن ندھانوں کے اُپدیش ملے کہ مجھے دھرم اُدھرم، پاپ پنیہ کے شبد، ارتھ ہین نظر آنے لگے اور بھوشیہ میں پیر کے ناخن سے سر کے بال تک پورا پاجی بننے اور دوسروں کو بھی اپنے جیسا پاجی بنانے کی پرتگیا کرلی۔ اس پرکار ماں باپ کے لاڈ پیار، پولس کی کرپا، عدالت کے انیائے، جیل کے بھدر پرشوں کی سنگت نے مجھے اس روپ میں بدل دیا، جس روپ میں آج تمھارے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ مجھے دھنیہ واد دو کہ میں نے پاجی بننے کی پرتگیا کی تھی، آج تک من، وچن، کرم سے اس کا پالن کررہا ہوں۔

سب: تمھارے پاجی پن کی جے ہو۔

قیدی 1: تمھارے متر شام لال وکیل اور تمھارے دونوں شیشہ ٹکسال اور چمپت نے

ایک قیدی کے حملے سے جیلر کی جان بچائی تھی، اس لیے جیلر کی سفارش سے بادشاہ کی سالگرہ کی خوشی میں وہ تینوں تو چھوٹ گئے۔ یدی کبھی نصیب کے پہیے کا چکر اُلٹا گھوم گیا اور اسی پرکار ایک دن تمھاری رہائی کا بھی آرڈر آگیا تو گرو جی......

قیدی 3: ٹھہرو۔ رہائی کے شبد پر مجھے یاد آگیا کہ آج دسمبر کی اکتیس تاریخ ہے۔ دوستو، کیا تم اس جیل کا پرانا دستور بھول گئے۔ ہر برس کی آخری رات کو ہم سب اپنی قسمت آزمانے کے لیے پانسہ پھینکتے اور جس قیدی کے نام پانسہ نکلتا اُسے جیل سے بھگانے کا پربندھ کرتے ہیں۔ کل کا سورج نئے برس اور نئے دن کو ساتھ لے کر آئے گا۔ پرانے برس کی کیول آدھی رات باقی رہ گئی ہے۔ کیا پانسہ پھینکا جائے گا؟

سب: نشچے۔ نشچے۔

قیدی 4: ہم پورے سال بھر اس رات کے لیے دن گنتے رہتے ہیں۔ نکالو پانسہ۔ بھائیوں۔ تمیز دار باپ کے بیٹے بن کر بیٹھ جاؤ۔

قیدی 1: آجا میرے پیارے پانسے۔ کھانا ہے گر دودھ بتاشے۔

(پانسہ پھینکتا ہے)

کیا سوئی ہوئی قسمت ہے۔ جوتے مارنے سے بھی نہیں جاگتی۔

قیدی 3: (پانسہ لے کر) میرے بوا، میرے راجا۔ آجا۔ آجا۔ آجا۔ آجا (پانسہ پھینکتا ہے) کیا کہوں اب کیا کہوں۔ تو ہڈی کا پانسہ ہے، آدمی ہوتا تو تیرے منھ پر تھوک دیتا۔

بھونچال: تھوکو نہیں بابا۔ تھوکو نہیں۔ یہ جواریوں کے گرو گھنٹال راجا نل کا متر رہ چکا ہے۔ اس لیے پانسے مہاشے کا اپمان نہ کرو — آؤ مہاشے۔ کرپا پوروک میرے پاس آؤ۔ (پانسہ اٹھا کر) ہار کی شے، پانسہ بھگت نربھے، بھونچال مہاراج کی جے۔

(پانسہ پھینکتا ہے)

قیدی 4: پانسے نے تمھارا ہی ساتھ دیا۔ تم تو اس بوڑھی عمر میں بھی جوان قسمت رکھتے ہو۔

بھونچال: بھائیو، میری جدائی کا غم نہ کرنا۔ میرا کمبل تھالی کھونے نہ پائے، جیل کے باہر کا اَنّ مجھے ہضم نہیں ہوتا۔ اس لیے میں تھوڑے ہی دنوں میں ہوا پانی بدلنے کے لیے پھر یہاں آدھمکوں گا۔ تم لوگ اسے کالا پانی کہتے ہو، کنتو میں اسے بدمعاشوں کی دنیا کا دارجلنگ اور شملہ سمجھتا ہوں۔

(سب قیدی مل کر بھونچال کی بیڑیاں کاٹ کر اسے بھاگنے میں مدد کرتے ہیں)

ایکٹ پہلا — سین تیسرا

کیلاش ناتھ کا غریب گھر

گوتمی: بھگوان، جو غریبی کی چھایا میں دکھ کے ساتھ پل کر بڑا ہوا ہے اُس کے لیے دُکھ کا سہن کرنا کٹھن نہیں ہے۔ کنتو جو شانتی سنتوش سے پرپھلت گھر میں جنم لے کر آدھی عمر تک چندرما کے پرتی بمب کی طرح دھن اور سکھ کی لہروں کے ساتھ کھیلتا رہا ہو۔ یدی اُس کے جیون ساگر میں اچانک دکھ کا طوفان آجائے تو دُربھاگیہ کے اندھیرے میں نراشا کی چٹان سے ٹکرا کر اس کی سہن شکتی ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے۔ دیامے، ہم تم سے رانیوں کا پراربدھ نہیں مانگتے، ریشمی وستر اور جڑاو گہنے نہیں مانگتے۔ لمبی آیو، اننت جوانی، اپوروسوندریہ نہیں مانگتے، کیول اپنے دکھی پتا کے چت کے لیے شانتی مانگتے ہیں۔

ساوتری: زمین داری تھی، وہ پہلے کے جھوٹے قرضے نکال کر نردئی مہاجنوں نے چھین لی۔ رہنے کا مکان تھا۔ وہ ڈگری کے باقی روپیے ادا کرنے کے لیے دس ہزار میں رہن ہوگیا۔ ماتا جی کے گہنے تھے، وہ بھی دھیرے دھیرے آدھے سے زیادہ بک گئے۔ بہن جب پتا کے ہونٹوں سے دکھ بھری ہائے نکلتی ہے تب مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جلتے ہوئے گھر سے جوالا مے دھواں اٹھ رہا ہو۔

گوتمی: ہم ایک گرہست ہندو گھر کی لڑکیاں ہیں۔ دھرم اور سماج نیم کے انوسار رامائن، بھگوت کا پاٹھ، ماتا پتا کی بھکتی، بھائی بہنوں کی سیوا، گھر کی دیکھ ریکھ، اپنے لاج ستیہ اور کل کی مریادا کی رکشا، یہی ہمارے جیون کے کرتویہ ہیں۔ یدی ایشور نے ہمیں لڑکوں کا جنم دیا ہوتا تو محنت مزدوری کرکے، نوکریاں

ڈھوکے، دوسروں کی غلامی کرکے، تھوڑا بہت پتا کے کندھوں کا بوجھ ہلکا کرسکتے۔ کنتو لڑکیوں کا جنم ملا ہے۔ اس لیے رونے اور ایشور سے دیا کی پرارتھنا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے— ساوتری بہن، جانتی ہو۔ پتا کو سب سے زیادہ کس بات کی چنتا ہے؟

ساوتری: زمین داری اور مکان قرضوں کی بھینٹ ہوجانے کے بعد بھی دس ہزار کا قرضہ باقی رہ گیا ہے، نشچے سب سے زیادہ اسی قرضہ کی چنتا ہوگی۔

گوتمی: نہیں۔

ساوتری: کوئی سہارا نہ ہونے پر جیون کے باقی دن کیسے بیتیں گے، اس کی چنتا ہوگی۔

گوتمی: نہیں۔

ساوتری: تو پھر بہن؟

گوتمی: اُن کو سب سے بڑی دو چنتائیں ہیں۔ ایک میں اور ایک تم۔ ایک چنتا کا نام ہے گوتمی اور دوسری چنتا کا نام ہے ساوتری۔

ساوتری: ارتھات۔

گوتمی: نہیں سمجھیں۔ پتا جی کو سب سے زیادہ ہم دونوں کے بیاہ کی چنتا ہے اور اس چنتا نے ان کے دل سے چین، آنکھوں سے نیند، ہونٹوں سے ہنسی چھین لی ہے۔

ساوتری: بہن، ہندو سماج نے بیاہ کے وشے میں کنیاؤں کو بولنے کا ادھیکار نہیں دیا ہے۔ نہیں تو ہاتھ جوڑ کر پتا سے کہتے کہ ہمارے بیاہ کی چنتا میں اپنی پلکوں کو آنسوؤں سے نہ بھگوئیں۔ ہم دونوں بہن سارا جیون آپ ہی کی سیوا میں بتا کر اپنا جنم سپھل کرنا چاہتے ہیں۔

گوتمی: بہن چپ، پتا جی آرہے ہیں اور یہ اُن کے ساتھ کون ہے؟

ساوتری: اُداس مکھ اور پھٹے پرانے کپڑوں سے کوئی دیا کا ادھیکاری، غریب جان پڑتا ہے۔ شاید پتا جی اُس کی کچھ سہایتا کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا سوبھاؤ ہے کہ خود دکھی ہوکر بھی دوسرے کا دکھ نہیں دیکھ سکتے۔

گوتمی: کیسے دیکھ سکیں بہن۔ گنگا سوکھ کر جل کی پتلی لکیر بن جائے تو بھی پیاسے کو واپس نہیں لوٹا سکتی۔ پتا جی دھن ہین ہیں، دیا ہین نہیں ہیں۔ اُن کے دونوں ہاتھ غریب ہوگئے ہیں۔ آتما اور ہردے غریب نہیں ہوا ہے۔

(بھونچال کے ساتھ کیلاش ناتھ کا پرویش)

کیلاش ناتھ: منشیہ کی سیوا منشیہ کا دھرم ہے، سنسار کی ہر ایک وستو ہماری سیوا کرکے ہمیں دوسروں کی سیوا کا اُپدیش دے رہی ہے۔ اس گھر کو ہمارا نہیں، اپنا ہی گھر سمجھو۔ (کنیاؤں سے) پتریو، یہ ہمارے اتھتی ہیں۔ نمسکار کرو۔

دونوں لڑکیاں: شری مان، ہم آپ کے چرنوں میں پرنام کرتے ہیں۔

بھونچال: کلیان ہو— مہاشے، میں اپنا اور اپنے کنبے کا پیٹ پالنے کے لیے اس نگر میں نوکری ڈھونڈھنے آیا تھا۔ چلتے وقت میری استری نے اپنے جھانجن اور ناک کی نتھ پڑوسن کے پاس گروی رکھ کر خرچ کے لیے دس روپے چھ آنے چار پائی میری جیب میں ڈال دیے تھے۔ کنتو میرا اور میری بیوی کا دُربھاگیہ کہ نوکری بھی نہ ملی اور وہ روپے بھی کسی کرپاندھان پاکٹ مارنے جیب کتر کر صاف کردیے۔ آپ کا بھلا ہو کہ میرے منھ سے میری دُراوستھا سن کر آپ کو دیا آگئی۔ آج رات بھر اپنے گھر میں شرن دیجیے۔ میں کل کہیں اور ٹھکانہ کرلوں گا (سائڈ میں) کوئی اور ٹھکانہ نہ ملا تو حوالات اور جیل دو پرانے ٹھکانے تو موجود ہی ہیں۔

کیلاش ناتھ: میں نردھن اور غریب ہوں۔ پھر بھی میرے گھر میں جب تک سوکھی روٹی اور دو گھونٹ پانی سے آپ کی سیوا ہوسکتی ہے، آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے (کنیا سے) بیٹی ساوتری جاؤ، اتھتی کے بھوجن کا پربندھ کرو۔

بھونچال: سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بڈھا، بیوقوف ہے کہ بھولا۔ اس نے میری باتوں پر کیسے وشواس کرلیا— آنکھوں والا تو کیا، میرے چہرے پر تو اندھا بھی ہاتھ پھیر کر کہہ سکتا ہے کہ یہ بھلے مانس کا نہیں پاجی کا چہرا ہے۔

کیلاش ناتھ: بیٹی گوتمی، گھر کے خرچ کے لیے تمھاری سورگیہ ماتا کے کنگن بیچنے گیا تھا۔ ان کنگنوں پر ڈھائی سو کا سونا اور دس روپے بنوائی خرچ ہوئی تھی، مگر آج مہاجن دو سو ساٹھ کی جگہ کیا دیتا ہے، ایک سو ساٹھ۔ کہتا ہے کہ یہ دیسی سونا نہیں، ولایتی سونا ہے۔ کیسا اندھیر ہے— یدی کوئی دھوکا دے کر کسی کا ایک پیسہ بھی لے لے تو پولس اُسے گرفتار کرلیتی ہے اور یہ مہاجن کھلے بازار میں ٹھگی کی دکان سجا کر غریبوں کے مال پر چھاپا مار رہے ہیں۔ کنتو پولس اور قانون کوئی ان کو اس لوٹ سے نہیں روکتا۔ کل کسی اور جگہ دکھاؤں گا۔ لو صندوق میں بند کردو۔ ہا۔ اس یُگ میں بھارت واسیوں کے آچار، وچار، کرم، دھرم کتنے بدل گئے۔ بھارت کے دیوتا بھی اب بھارت کو نہیں پہچان سکتے۔

(گوتمی کنگن صندوق میں رکھتی ہے۔ بھونچال للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے)

بھونچال: (دل میں) بھیا کنگن، گھبرانا نہیں، میں صندوق کے قید خانے سے تمھیں بہت جلد رہائی دلاؤں گا۔

(ساوتری پانی کا لوٹا، گلاس اور تھالی لے کر آتی ہے)

ساوتری: پڑوس میں ستیہ نارائن کی کتھا تھی، وہیں سے پرساد میں مٹھائی آئی ہے۔ کرپا کیجیے۔

بھونچال: (سائڈ میں) میں تو مٹھائی پر نہیں، کنگن پر کرپا کرنے آیا ہوں۔

کیلاش ناتھ: گوتمی، اتتھی کو پنکھا جھلو۔

(بھونچال کھاتا ہے۔ ایک طرف بیٹھ کر ساوتری گلاس میں پانی انڈیل انڈیل کر دیتی ہے اور دوسری طرف گوتمی گھونگھٹ نکال کر پنکھا جھلتی ہے)

بھونچال: واہ، کیا سوادشٹ مٹھائی ہے۔ دیکھیے مہاشے، جس طرح یہ جلیبی، میدے، شیرے اور گھی سے تیار ہوئی ہے اُسی طرح یدی منشیہ اپنے سوبھاؤ کو میدے کی طرح نرم بنا کر، کرم کے گھی اور کرتویہ کے شیرے میں ڈبو دے تو اس کا

جیون اس جلیبی سے بھی زیادہ میٹھا ہوجائے گا۔

کیلاش ناتھ: دھنیہ ہو تم۔ تمھارے وچار کتنے پوتر ہیں۔

بھونچال: دیکھیے یہ نمکین سموسہ ہے۔ اس میں آلو بھی ہے، مسالہ بھی ہے، نمک بھی ہے، کنتو نمک نکال لیا جائے تو پھر اس میں یہ سواد نہ رہے گا۔ اسی طرح منشیہ جیون کا سارا سواد دھرم سے ہے۔ میں دھرم کو جیون کا نمک سمجھتا ہوں — بس —

کیلاش ناتھ: کچھ اور؟

بھونچال: ترپت ہوگئے (دل میں) پیٹ میں تھوڑی جگہ جیل کی روٹی کے لیے بھی بچا رکھنی چاہیے۔

کیلاش ناتھ: (گوتمی سے) اتتھی کے وشرام کے لیے بستر لاؤ۔

(گوتمی اندر سے بستر لاکر بچھا دیتی ہے۔ پھر دونوں لوٹا تھالی لے کر چلی جاتی ہیں)

بھونچال: کیسی سشیلا لڑکیاں ہیں۔ مہاشے آپ کے گھر میں کنیاؤں کے روپ میں دو دیویوں نے جنم لیا ہے۔

کیلاش ناتھ: بھائی، جس گھر کی زمین چاندی کی، دیواریں سونے کی، چھت موتیوں کی ہو، جس گھر کے دروازے سے کندھے پر روپیوں کی تھیلیاں لادے ہوئے نوکر، دربان آجا رہے ہوں، آج کل دیویاں ایسے دھنوان گھر میں جنم لیتی ہیں۔ نردھن، دکھی، غریب کے گھر میں ابھاگنیوں کا جنم ہوتا ہے۔ میری لڑکیاں بھی ابھاگنیاں ہیں، کیونکہ ان کے بھاگیہ میں پتا کے گھر کا دکھ لکھا ہے، پتی کے گھر کا سکھ نہیں لکھا ہے۔

بھونچال: تو کیا یہ ودھوا ہوگئی ہیں؟

کیلاش ناتھ: پتا کے پاس دھن اور سماج کے اس نیائے نہ ہونے کے کارن جن غریب کنیاؤں کا وواہ نہیں ہوسکتا وہ کنواری ہونے پر بھی بال ودھواؤں کے سمان ہیں۔ میری چھوٹی لڑکی ساوتری چودھویں برس میں اور بڑی لڑکی گوتمی سولہویں برس میں ہے۔ سماج کی پرتھانوسار ہندو گھر کی لڑکی کا وواہ نو دس برس کی

اوستھا ہی میں ہوجانا چاہیے، کنتو میں آج تک ان کے وواہ کا پربندھ نہ کرسکا۔ تم پوچھو گے کیوں؟ سنو۔ لڑکوں کے باپ چڑھاوے کے گہنے اور جہیز کے ساتھ چار چار پانچ پانچ ہزار اپنے لڑکوں کی قیمت مانگتے ہیں اور میرے پاس قیمت میں دینے کے لیے پرارتھنا اور آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب تک میری آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسو دھرتی پر گرکے روپے نہ بن جائیں، ان ابھاگنیوں کا وواہ نہیں ہوسکتا—— وشرام کرو۔

(چلا جاتا ہے)

بھونچال: جیل سے بھاگنے کے بعد دوبارہ گرفتاری اور پولس کی نظروں سے بچتا ہوا بھیس بدلے آج ہی اس شہر میں پہنچا اور آج ہی یہ کنگن والا شکار مل گیا۔ میں راستے میں کئی جگہ اس کی جیب اور قینچی میں ملاقات کرانی چاہی، کنتو داؤں خالی جانے سے یہ شبھ کاریہ نہ ہوسکا اور مجھے نوکری کی کہانی گڑھ کے اتتھی کا اوتار دھارن کرنا پڑا—— چلو دھرماتما بھونچال جی، اس صندوق کے بندھن سے کنگن کا اُدّھار کرو۔

(کنجیوں کے گچھے سے صندوق کھول کر کنگن نکالتا ہے۔ گوتمی لوٹ کر آتی ہے)

گوتمی: مہاشے۔ آپ اندھیرے میں سونا نہ پسند کرتے ہوں تو میں چراغ لاؤں؟ یہ کیا؟—— چوری!!—— سیوا اور سہایتا کا یہ نیچ بدلہ!!!

بھونچال: (گھونسا دکھا کر) چپ۔

گوتمی: چور—— چور—— دوڑو—— دوڑو۔

بھونچال: نہیں مانتی (گھونسا مار کر زمین پر گرا دیتا ہے) اب چل دینا چاہیے۔

(بھاگتا ہے۔ گوتمی اُٹھ کر اس کا کپڑا پکڑ لیتی ہے)

گوتمی: میں نہیں بھاگنے دوں گی—— پتا جی، پتا جی۔

(ساوتری اور کیلاش ناتھ کا گھبرائے ہوئے پرویش)

کیلاش ناتھ: کیسا شور! کیا ہوا؟ (درشیہ دیکھ کر) اتتھی یہ کیا؟
بھونچال: پیرو — بھاگو۔

(گوتمی کو جھٹکا دے کر بھاگنا چاہتا ہے۔ کیلاش بڑھ کر پکڑ لیتا ہے)

کیلاش ناتھ: ٹھہرو۔ کیوں بھاگ رہے ہو؟ تمھارے ہردے میں ایشور کا بھے نہیں ہے تو منشیہ کا بھی بھے نہ ہونا چاہیے۔

بھونچال: مہاشے۔ مجھ سے بھول ہوئی۔ شما کرو۔

کیلاش ناتھ: جب تم جانتے ہو کہ یہاں اور وہاں جیسا کرم ہو ویسا پھل ملتا ہے، تب تم نے یہ بھول کیوں کی؟

بھونچال: اس لیے کہ میں تمھارے اس کنگن کو بیچ کر جیون کا سکھ خریدنا چاہتا تھا۔

کیلاش ناتھ: وچار کرو۔ جب پاپ سے کمائے ہوئے دھن میں اتنا سکھ ہے تو پنیہ سے کمائے ہوئے دھن میں کتنا سکھ ہوگا۔ پر نالے کے گندے پانی میں جب اتنا سواد ہے تو گنگا کے پوتر جل میں کتنا سواد ہوگا۔ وِش کے کٹورے میں جب اتنی مٹھاس ہے، تو امرت کے پیالے میں کتنی مٹھاس ہوگی۔ میرے بھائی، پاپ کو ٹھوکر مارو، چوری چھوڑ دو اور پوتر دھندے اور پوتر کمائی سے پیٹ پالنے کی پرتگیا کرو۔ دھندا بنا دھن کے نہیں ہوسکتا، اس لیے اِسے لے جاکر بیچ ڈالو۔ میں یہ سونے کا کنگن تمھیں بھینٹ دیتا ہوں۔

بھونچال: تم نسچے سنسار کی کوئی وچتر وستو ہو۔ میں نے شما مانگی اور تم شما کے ساتھ کنگن بھی دے رہے ہو؟

کیلاش ناتھ: اس لیے دے رہا ہوں کہ اسے بیچ کر جو دھن ملے تم اُس دھن کے سہارے دھرم کے راستے پر چل سکو۔ جگت پتا کی سرشٹی میں ہر ایک منشیہ دوسرے منشیہ کا بھائی ہے اور بھائی کو پاپ سے بچانا اور پنیہ کا راستہ دکھانا، یہ بھائی

کا دھرم ہے۔

بھونچال: اچھی بات ہے۔ تم دیتے ہو تو میں لے لیتا ہوں۔ کنتو دھوکا دے کر لینا نہیں چاہتا۔ سن لو۔ یہ میرا پہلا اُپرادھ نہیں۔ میں جیون بھر پاپ کے راستے کا مسافر رہا ہوں۔ یدی دیوتا بھی سورج چاند کی مشعلیں لے کر میرے آگے چلیں تو بھی مجھے پنیہ کا راستہ دکھائی نہ دے گا۔

(چلا جاتا ہے)

گوتمی: پتا جی۔ پاتر دیکھ کر دان دیا جاتا ہے۔ ایسے ادھم کو دنڈ دینے کے بدلے دھن دینا کیا اُچت تھا؟

کیلاش ناتھ: بیٹا۔ جیسے بنا کارن مرتیو نہیں ہوتی۔ اُسی طرح منشیہ بھی بنا کارن پاپ نہیں کرسکتا۔ وہ غریب تھا اور غریبی ہی پاپ کا سب سے بڑا کارن ہے۔ یدی ہمارے دھن سے کسی دکھی کا دکھ دور ہوسکے، کسی غریب کی آنکھوں کا آنسو سوکھ سکے، کسی کا پاپ میں ڈوبا ہوا جیون پوتر ہوسکے، تو سمجھ لو کہ ہم نے اپنا دھن کھویا نہیں، بلکہ لوک پرلوک کا دھن جمع کرلیا۔

(سب کا پرستھان)

ایکٹ پہلا — سین چوتھا

محلّہ۔ سمے سندھیا

ایک طرف سیوا سمیتی کا آشرم اور دوسری طرف مہادیو جی کا مندر
(موٹر ڈرائیور اور دو نوکروں کے ساتھ رادھے کانت کا پرویش)

رادھے کانت: وہ دیکھو — آکاش ساگر کے آخری کنارے پر اپنی مدھم رنگین کرنوں کی لہروں میں سانجھ کا سوریہ مرجھائے ہوئے کنول کی طرح تیر رہا ہے۔ یہی سمے ہے جب وہ دونوں بہنیں گلے میں تلسی کی مالا ڈالے، گھونگھٹ نکالے، سر جھکائے، گھر سے مندر تک راستے میں اپنے مکھ پرکاش سے روشنی کے پھول بکھیرتی ہوئی آتی ہیں۔

ڈرائیور: مہاشے۔ یہ پہلا سودا نہیں ہے۔ پولس اور جیل سے بے پروا ہوکر میں آج سے پہلے بھی آپ جیسے کتنے ہی آدمیوں کے ہاتھ انعام کے روپیوں پر اپنا دویک اور دھرم بیچ چکا ہوں۔ گرفتار ہوگیا تو جیل، چکّی، کولھو، سب کو بھگت لوں گا۔ کنتو آپ امیر کے لڑکے ہیں۔ ان نازک، نرم ہاتھوں سے بان بھی نہ بٹ سکیں گے۔ اس لیے پھر سوچ لیجے، اگر......

رادھے کانت: ہم نے تم کو پانچ سو کا نوٹ اگر مگر کے لیے نہیں، اس کام میں سہایتا کے لیے دیا ہے۔ ہمت ساتھ نہیں دیتی تو نوٹ واپس کردو۔

ڈرائیور: معلوم ہوا کہ آپ ابھی تک مجھے سمجھے ہی نہیں۔ میں پانچ سو استریوں کا دھرم نشٹ ہوتے دیکھ سکتا ہوں، کنتو ملا ہوا پانچ سو کا نوٹ واپس نہیں کرسکتا۔

رادھے کانت: تب تم نشچے میرا کام کرسکو گے؟

ڈرائیور: بھاگتے وقت پولس نمبر نہ پڑھ سکے، اس لیے میں نے نمبر کی تختی اتار لی ہے۔ ان دونوں کے آنے تک موٹر کہاں رہے گی؟

رادھے کانت: چلو میں جگہ بتاتا ہوں۔

(سب کا پرستھان۔ دوسری طرف سے شام لال اور پروہت کے ساتھ کیشو بابو کا پرویش)

کیشو بابو: نشچے برہمن برہما کے منھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ برہمن نے بھگوان کی چھاتی پر لات ماری تھی۔ برہمن اپنی آتمک شکتی سے بھارت کے چکرورتی راجاؤں پر بھی راج کرتے تھے۔ کنتو یہ سب ست یگ کی کتھائیں ہیں۔ اس یگ میں چوٹی، جنیئو، دو چار رٹے ہوئے اشلوک اور برہمن کے نام کے سوا برہمن میں کیا رکھا ہے!— کیوں شام لال۔

شام لال: آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آج بھوجن بنانے کے لیے رسوئیے کی ضرورت ہوتی ہے تو برہمن تلاش کیا جاتا ہے۔ پانی بھرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو برہمن کی ڈھونڈھ کی جاتی ہے۔ بٹیا۔ بیٹی کا گٹھ بندھن کرانا ہوتا ہے تو برہمن کو بلایا جاتا ہے۔ نہ اب برہمنوں میں وید شاستروں کا گیان ہے اور نہ شکشت ہندوؤں میں ان جیسے ان پڑھ برہمنوں کا مان ہے۔

کیشو بابو: پروہت جی، سن لی اپنی تعریف!— ہندوؤں سے پوجا کرانی چاہتے ہو تو پہلے اپنے اندر پراچین برہمنوں کا تیج پیدا کرو— میرانام کیشو بابو ہے، برہمن کا روپ دھارن کرکے تم مجھ سے ایک پیسہ بھی نہیں پاسکتے۔ ہاں، کیلاش ناتھ کی دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ میرے وواہ کا پربندھ کردو گے تو بہت کچھ دوں گا۔ سال بھر میں ہندو جاتی سے دان دکشنا کے نام سے جتنا ٹیکس وصول کرتے ہو، اُس سے بھی ادھک دوں گا۔

پروہت: کیشو بابو۔ آپ کی عمر تو ساٹھ ہی ورش کی ہے۔ کنتو میں نے تو اسی اور نوے

برس کی عمر والوں کے ساتھ، آٹھ آٹھ، نو نو برس کی کنیاؤں کا وواہ کرا دیا ہے۔ میرے دوارا اب تک ڈیڑھ سو کنیائیں بوڑھوں کے ساتھ بیاہی جا چکی ہیں، جن میں سے سوا سو ودھوا ہو چکیں اور باقی بھی دو چار برس میں ودھوا ہونے والی ہیں۔ پھر بھی جب میں کسی سے کہتا ہوں کہ ور کے بڑھاپے کا وچار نہ کرو، تمھاری لڑکی سکھ بھوگے گی، ہیرے موتی سے کھیلے گی، چاندی کی تھالی میں کھائے گی، سونے کے چھپرکھٹ میں سوئے گی تو وہ تھوڑے دنوں نہیں نہیں کہنے کے بعد انت میں ہاں کہہ دیتا ہے۔ کنتو کیلاش ناتھ نردھن، قرض دار، نراشرے ہونے پر بھی اب تک راضی نہیں ہوا اور نہ اُس کے راضی ہونے کی آشا ہے۔

شام لال: جس طرح وکیل بیرسٹر چکردار جرح کرکے سچے گواہ کو گھبرا کر اس کے منھ سے اپنے مطلب کی بات نکلوا لیتے ہیں، اُسی طرح پروہت کی زبان میں بھی دوسروں کی نہیں کو ہاں سے بدلوا دینے کی شکتی ہوتی ہے۔ یدی تم میں اب یہ شکتی نہیں رہی تو پروہت کا دھندا چھوڑ کر پیٹ پالنے کے لیے آٹے چاول کی دکان کھول لو۔

کیشو بابو: پروہت جی۔ جوان ور کے پاس کیول استری کے روپ کی لالسا ہوتی ہے، کنتو بوڑھے ور کے ہردے کے سمان ان کے ہردے میں استری کے لیے اتھاہ پریم نہیں ہوتا۔ دھندے روزگار کی چنتا، اور نزلے کی بیماری سے بال سفید ہوجانے کے کارن میرا چہرا بوڑھوں جیسا دکھائی دیتا ہے۔ کنتو میرا دل اور روپیہ بوڑھا نہیں ہوا ہے۔ اس لیے جاؤ۔ پھر جاؤ۔ کیلاش ناتھ سے کہو کہ اپنی ہٹ سے سنتان کے بھوشیہ کا ناش نہ کرو۔ تمھاری کنیاؤں کو جوان پتی مل سکتا ہے، لیکن پریم سے بھرا دل اور روپیوں سے بھرا ہوا گھر نہیں مل سکتا۔

پروہت: اچھی بات ہے۔ جاتا ہوں۔ کنتو اس کو سمجھانا، کاغذ کی ناو میں بیٹھ کر سمندر پار کرنا ہے۔

(پرستھان)

کیشو بابو: شام لال، کالے پانی سے چھوٹ کر آنے کے بعد تمھارے لیے اس شہر میں کہیں عزت اور نوکری نہیں تھی۔ ایک شریف گھرانے کے پڑھے لکھے وکیل کو روزگار کے لیے دروازے دروازے بھٹکتا دیکھ کر مجھے دیا آگئی اور میں نے پہلے تمھیں اپنے آفس کا ہیڈ کلرک اور پھر تمھارے کام سے خوش ہوکر اپنے اسٹیٹ کا منیجر مقرر کردیا۔ میرے اس اُپکار کے بدلے میں جس طرح تم نے مقدمے چلا کر اسٹیٹ کے بدمعاش اسامیوں کو ٹھیک کردیا، اسی طرح تمھیں اس کیلاش ناتھ کے بھیجے کی چولیں بھی ٹھیک کرنی ہوں گی۔

شام لال: آپ کی طرف سے کیلاش ناتھ پر دس ہزار کی ڈگری ہوچکی ہے۔ میں کل ہی جاکر ڈگری جاری کرا دیتا ہوں۔ وہ اپنی کنیا دینے کو راضی ہوگیا تو ڈگری روک دی جائے گی اور نہ راضی ہوا تو جیل پہنچا کر اُس کی شیخی اور ضد کو چور چور کردیا جائے گا۔

کیشو بابو: ٹھیک ہے۔ جاؤ، اس کا پربندھ کرو۔

شام لال: ابھی چلا۔

(پرستھان)

کیشو بابو: ایک بار مجھے خود بھی کیلاش ناتھ سے ملنا چاہیے۔ غریب کیا اور غریب کی ضد کیا! ایک طرف دھن کا لالچ، دوسری طرف جیل کی دھمکی— آندھی میں ریت کی دیوار نہیں ٹھہر سکتی۔

(سیوا سمیتی کے ممبروں کے ساتھ روپا اور سونا کا پرویش)

سب: دیا دھرم کی جے۔ بھارت کے دانی ویروں کی جے۔

سونا: شریمان— جیسے یاتری اپنے ہردے میں پنیہ پراپتی کی آشا لیے ہوئے تیرتھ دھام کو جاتے ہیں، ویسے ہی ہم سب بھی آپ کی دیا کے چرنوں میں اپنی شردھا کے پھول چڑھانے کو آپ ہی کے درشنوں کے لیے جارہے تھے۔

کیشو بابو: کس لیے؟

سونا: ہم نے بھارت کے اناتھوں، ودھواؤں، دین دکھیوں کی رکشا اور سہایتا کے لیے ایک سیوا سمیتی استھاپت کی ہے۔ کنتو جیسے شکتی اور تلوار کے بنا سپاہی یدھ میں جے نہیں پاسکتا، اسی طرح دھن کے ابھاؤ سے اِچھا پوروک ہم دیش کی سیوا نہیں کرسکتے۔

کیشو بابو: تب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

روپا: آپ کے سکھ کے آکاش میں ہیرے موتی کے لاکھوں ستارے چمک رہے ہیں۔ ہم دیش کے دکھ کا اندھیرا دور کرنے کے لیے ان ستاروں میں سے تھوڑی سی جیوتی، ارتھات تھوڑے دھن کی سہایتا چاہتے ہیں۔

کیشو بابو: سہایتا — کس لیے؟

روپا: بھارت کے نراشرے غریبوں کے لیے۔

کیشو بابو: تو کیا ہم دھنوانوں نے پچھلے جنم میں غریبوں سے قرضہ لیا تھا، جو وہ اس جنم میں تمھاری معرفت ہم سے وصول کرنا چاہتے ہیں؟ یدی غریبوں سے غریبی کا دکھ سہن نہیں ہوسکتا تو وہ دھرتی کا بوجھ بن کر دنیا میں کیوں جی رہے ہیں؟ جاؤ، غریبوں سے کہو کہ اپنی پھوٹی ہوئی قسمت پر صبر کریں جس طرح ہنستے مہکتے پھول گلے کا ہار بننے اور گھاس پیروں سے روندے جانے کے لیے اُتپن ہوئی ہے، اُسی طرح ایشور نے امیروں کو دھن اور سکھ کے ساتھ کھیلنے اور غریبوں کو دکھ کی کیچڑ میں کیڑے کی طرح سڑنے کے لیے پیدا کیا ہے۔

سونا: کیشو بابو، نیم کے درخت کو کوئی بھی انار کا درخت نہیں کہتا۔ ہندو کا لکشن دھن نہیں دھرم ہے۔ ہندو ماتھے کے تلک اور کندھے کے جنیؤ سے نہیں، اپنی دھرم بھگتی اور دیا بھاؤ سے پہچانا جاتا ہے۔ یدی آپ میں دیا نہیں ہے تو کون آپ کو ہندو سمجھے گا؟

کیشو بابو: لوگ مجھے ہندو نہ سمجھیں تو اس سے میرے بیوپار میں، دھن میں، سکھ میں، مان میں کون سی کمی ہوجائے گی؟ ہندو کا نام کوئی رائے بہادر یا سر کا خطاب

نہیں ہے، جس کے چھن جانے کا مجھے دکھ ہوگا— تم مجھے ہندو سمجھو یا اَہندو۔ میرے پاس غریبوں کے لیے نہ دیا ہے، نہ روپیہ ہے۔

سونا: کیشو بابو۔ ابھی سرکار چندہ مانگے تو کرسی اور خطاب ملنے کے لالچ میں اپنے نام کے سامنے لاکھوں کی رقم لکھ دیں گے۔ ابھی کسی جگہ ناچ گانے کا جلسہ ہو تو دوستوں میں اپنی شان دکھانے کے لیے آپ رنڈیوں پر روپیوں کی برسات برسا دیں گے۔ ابھی ریس ہو تو گھڑ دوڑ کے میدان میں آپ اپنی آنکھ بند کرکے اپنی جیب گنّیوں اور نوٹوں سے خالی کردیں گے۔ رنڈیوں کو دینے کے لیے، ریس میں کھونے کے لیے، گاڑی، موٹر، تھیٹر، جلسہ، پارٹی میں اُڑانے کے لیے آپ کے پاس روپے ہیں۔ کنتو اناتھ بچوں کا آنسو پونچھنے، ودھواؤں کے گھائل ہردے پر مرہم لگانے، سردی اور بھوک سے مرتے ہوئے غریبوں کو وستر اور انّ دینے کے لیے آپ کے پاس روپے نہیں ہیں جو اپنے دھن سے اپنے دکھی دیش کی سیوا نہ کرسکے، دھکار ہے اُس دھنوان پر اور دھکار ہے اُس کے دھن پر۔

کیشو بابو: تم کہتے ہو کہ دیش دکھی ہے۔ کنتو میں کہتا ہوں، دکھی نہیں، پہلے سے بھی زیادہ سکھی ہے۔ یہ بجلی کے لیمپوں سے جگمگاتے ہوئے شہر، یہ چکنی، ستھری سڑکوں پر دوڑتی ہوئی ٹرام اور موٹریں، یہ دو گھنٹے میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچا دینے والی ریلیں، یہ ڈاک خانے، یہ تار، یہ بینک، یہ ہوٹل، یہ لین دین کی کوٹھیاں، یہ مال لدے ہوئے اسٹیمر پہلے بھارت میں کہاں دکھائی دیتے تھے۔ جو دن بھر میں دو آنہ کماتا تھا، اب دو روپے کماتا ہے۔ جو موٹی مارکین کا کرتا دھوتی پہنتا تھا، اب ریشم کی گنجی اور آٹھ آٹھ دس دس روپے گز کے سرج کا کوٹ پہنتا ہے۔ اگر اسی کا نام دکھ ہے، تو میں نہیں سمجھتا کہ سکھ کسے کہتے ہیں؟

روپا: ایشور پر وشواس رکھنا، سب کا بھلا چاہنا اور لاؤ لاؤ چھوڑ کر شانتی سنتوش سے جیون بتانا اسی کا نام سکھ ہے اور آج یہ سکھ اس دین ہین بھارت میں

ڈھونڈھنے سے بھی کہیں نہیں ملتا۔

سونا: بجلی، موٹر، ریل، تار، ڈاک اِتیادی سے اس دیش کا کیا اُدھار ہوگیا۔ جس دیش میں سیتا اور ساوتری جیسی ستیاں جنم لیتی تھیں، آج اُسی دیش میں لاکھوں استریاں ویشیا کے روپ میں کوٹھوں پر دکھائی دے رہی ہیں۔ جس دھرتی پر پنیہ کی گنگا بہا کرتی تھی، آج اُس دھرتی پر وسکی اور برانڈی کی دھارائیں بہہ رہی ہیں۔ جس بھارت میں کبھی سونا مٹی کے بھاؤ بکتا تھا، آج اسی بھارت میں کپڑا اور اناج سونے کے بھاو بک رہا ہے۔ آج ایک روپیے میں پانچ سیر آٹا ملتا ہے، کنتو ریل اور جہاز کی مہربانی سے وہ دن آنے والا ہے جب ایک پاؤ آٹے کا پیکٹ ایک روپیے میں ملا کرے گا۔

روپا: شریمان، منشیہ کو جیون کے لیے گنے ہوئے دن اور گنی ہوئی سانسیں ملی ہیں۔ آپ یم راج کو سونا چاندی دے کر اپنی عمر میں ایک دن بھی نہیں بڑھوا سکتے۔ یاد رکھیے، دھرم ساتھ جاتا ہے، دھن ساتھ نہیں جاتا۔ اس لیے دیا کیجیے، دیا کیجیے۔ ہم سب آپ سے دیش کے دکھیوں کے لیے دیا کی بھکشا مانگتے ہیں۔

کیشو بابو: میں کہہ چکا کہ میرے پاس دیا نہیں ہے۔ دیا کی ضرورت ہے تو دیا دیوتاؤں سے مانگو۔

سونا: جس کے آتما میں پنیہ کا تیج ہو، ہردے میں پریم ہو، آنکھوں میں دیا ہو، ہونٹوں میں ستیہ ہو، وچاروں میں پوترتا ہو، وہی دیوتا ہے۔ لوبھ، سوارتھ کا تیاگ اور ستیہ کرم کو گرہن کرکے آپ بھی دیوتا بن سکتے ہیں۔

کیشو بابو: منشیہ دیوتا بن سکتا تو آج دنیا میں اتنے جھگڑے اور اتنے پاپ دکھائی نہ دیتے۔

سونا: اس کا کارن یہ ہے کہ ہم اپنی ماتر بھومی کے دھرم گرنتھوں اور ماتر بھاشا کو چھوڑ کر بدیشی بھاشا اور بدیشی شکشا کی پستکوں میں اپنے آتما کی انتی ڈھونڈھ رہے ہیں۔ ہم بیوپار اور سنسار کی خبریں جاننے کے لیے لندن اور امریکہ کے اخباروں کو روز پڑھتے ہیں۔ کنتو جس اخبار میں کوئی پرلوک کا

سماچار لکھا ہے، جو اخبار دھرم کے پریس میں چھپا ہے، جس اخبار کے شری رام اور بھگوان شری کرشن ایڈیٹر ہیں، اس اخبار کو، اُس پوتر رامائن اور گیتا کو دن میں ایک بار بھی نہیں دیکھتے۔

کیشو بابو: بس بکو مت۔ میں تم سب کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ تم دھرماتما روپی ڈاکو ہو اور تمھاری سیوا سمیتی دھرم کی دہائی دے کر دھن لوٹنے والے ڈاکوؤں کا آشرم ہے۔ تم مجھے نہیں لوٹ سکو گے۔ جاؤ کسی مورکھ کی جیب پر ڈاکا ڈالو۔

(ایک بڑھیا کا پرویش)

بڑھیا: بابا۔ مجھے اس محلے کا پتہ ملا تھا— سیوا سمیتی کا آشرم کہاں ہے؟

روپا: ماتا جی (ہاتھ کے اشارے سے بتا کر) وہ دیکھو۔ یہی سیوا سمیتی کا آشرم ہے اور ہم سب اس سمیتی کے سیوک ہیں۔

بڑھیا: بچو، تم دوسروں کا کلیان کررہے ہو۔ بھگوان تمھارا کلیان کریں— دھنیہ ہو تم اور دھنیہ ہیں تمھیں جنم دینے والی ماتائیں۔

سونا: دیوی، آپ نے آشرم تک آنے کا کشٹ کیوں سہن کیا؟

بڑھیا: بٹیا، میں ایک برہمن کل کی استری ہوں۔ دس برس کی عمر میں بیاہی گئی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں ودھوا ہوگئی اور پینتیس برس سے اپنے پتی دیو کی مورتی کو اپنے ہردے مندر میں استھاپت کرکے ان کے نام کا سمرن کرتے ہوئے ودھوا جیون بتا رہی ہوں۔ اب میرا بھی انتم سمے ہے، اس لیے اِچّھا ہے کہ کاشی جاکر شری بھاگرتھی کے تٹ پر اُس لوک کے یاترا کی تیاری کروں۔

روپا: تو آگیا کیجیے۔ ہم آپ کی کیا سیوا کریں؟

بڑھیا: میرے سوامی اپنے مرنے کے بعد جو دھن چھوڑ گئے تھے، اُس دھن میں سے پانچ ہزار روپے میرے پاس بچ گئے ہیں۔ اپنے شیش جیون کے لیے پانچ سو رکھ کر پتی دیو کی پوتر کمائی کے باقی ساڑھے چار ہزار روپے دین دکھیوں کی سیوا اور سہایتا کے لیے تمھیں ارپن کرنے آئی ہوں۔ (تھیلی دے کر) یہ لو

اور اس سے بھارت کے دکھیوں کا اُدّھار کرو۔

کیشو بابو: اری مورکھا۔ اس دنیا میں دھن ہی سے منشیہ کا مان، اور دھن ہی میں منشیہ کا سکھ ہے اور تو ان لٹیروں کو اپنا سارا دھن دیے دیتی ہے۔ کیا پاگل ہوگئی ہے۔

سونا: سیکھو۔ سیکھو۔ کیشو بابو۔ ایشور کا دیا ہوا دھن کہاں خرچ کرنا اور کیسے خرچ کرنا چاہیے اس دیوی سے سیکھو۔ تم اس کلیانی کو پاگل کہتے ہو۔ کنتو سنو۔ جگت اور دیش کا اُدّھار تم جیسے سوارتھی عقل مندوں سے نہیں، ایسے ہی دھرمی، پروپکاری پاگلوں سے ہوا کرتا ہے۔

بڑھیا: (کیشو بابو سے) مہاشے، تم کون ہو؟

سونا: یہ وہی ہیں، جو بھارت بھومی میں جنم لے کر، بھارت کے اَن جل سے پل کر، بھارت کے پہاڑوں کے سونے اور بھارت کے دریاؤں کے موتیوں سے اپنا گھر بھرکربھی اپنے کو بھارت ماتا کی سنتان نہیں سمجھتے۔ یہ بھی تمھاری طرح پاگل ہیں۔ کنتو تم پاگل ہو دھرم کے لیے اور یہ پاگل ہیں دھن کے لیے۔

کیشو بابو: بس اور نہیں۔ اس سے زیادہ سہن نہیں کرسکتا۔

(چلا جاتا ہے)

روپا: کتنا نیچ اور کتنا سوارتھی! — اس کو منشیہ کہنا منشیہ شبد کا اپمان کرنا ہے۔

سونا: ماتا آؤ۔ اپنے چرن رج سے ہمارے آشرم کو پوتر کرو۔

(سب کا آشرم کی اور پرستھان۔ رادھے کا نت کا ڈرائیور کے ساتھ پُنہ پرویش)

رادھے کانت: ساودھان۔ وہ دونوں آرہی ہیں۔ کان آواز کی طرف رہیں۔ جیسے ہم پکاریں یا سیٹی بجائیں، تم موٹر لے کر آجانا۔

ڈرائیور: کنتو پولس کا ڈر ہے۔ انھیں موٹر میں اٹھا لے چلنے کی جلدی کیجیے گا۔ کہاں لے جانا ہوگا؟

رادھے کانت: میرے باغ میں۔ وہ آپہنچیں — جاؤ — چوکنے رہنا۔

(ڈرائیور کے جانے کے بعد رادھے کانت مندر کے دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ گوتمی اور ساوتری پوجا کی سامگری لیے ہوئی آتی ہیں)

ساوتری: بہن ہم دونوں ایک ماس سے ہر روز سانجھ کے سمے آ کر بھگوان اُما پتی سے اپنے دکھی پتا کے لیے دیا کی پرارتھنا کرتے ہیں۔ دیکھیں ہماری پرارتھنا کب سویکار ہوتی ہے۔

گوتمی: کنتو بہن۔ آج بہت دیر ہو گئی۔ ہمیں پوجا کر کے شیگھر لوٹ جانا چاہیے۔

(مندر میں جانا چاہتی ہیں۔ رادھے کانت روکتا ہے)

رادھے کانت: سندریو۔ ٹھہرو۔ تمھیں پوجا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پریم کے مندر میں ہردے سنگھاسن پر براجمان ہو کر تم تو خود ہزاروں روپ بھکتوں سے اپنی پوجا کرا سکتی ہو۔

گوتمی: صورت سے منشیہ اور باتوں سے پشاچ معلوم ہوتے ہو۔ تم کون ہو؟

رادھے کانت: یہ ہم سے نہیں، اپنی بہن کی رسیلی آنکھوں، ٹیڑھی بھوؤں، گنگھرالے بال، گلابی گال، مستانی چال سے پوچھو اور ہمیں سے پوچھنا چاہتی ہو تو سنو، ہم روپ کے بھکاری اور پریم کے پیاسے ہیں۔

ساوتری: ناری مریادا کا دھیان رکھو۔ تم بازار کی استریوں سے نہیں گرہست گھر کی کنیاؤں سے بات کر رہے ہو۔

رادھے کانت: (گوتمی سے) دیکھتی ہو۔ تمھارا چہرا سندر ہے۔ کنتو میری ہردیشوری کا چہرا بھی سندر ہے اور غصہ بھی سندر ہے۔

گوتمی: پاپی چلا جا۔ مجھے آج معلوم ہوا کہ اس دھرتی پر تیرے جیسے نیچ منشیہ بھی جنم لیتے ہیں۔

رادھے کانت: سندری، یہ ہزار ہزار کے نوٹ لو۔ یہ ہماری طرف سے پریم کی بھینٹ اور تمھارے روپ کی قیمت ہے۔

ساوتری: دیوتاؤ۔ تم سن رہے ہو۔ پھر بھی آکاش سے نہیں کہتے کہ اِن دُشٹوں پر ٹوٹ پڑے۔ دھرم گھاتی میں تیرے نوٹ کوٹھوکر مارتی اور جس منھ سے یہ نرلج شبد نکالے ہیں، اُس گھرنت منھ پر تھوکتی ہوں۔

رادھے کانت: بس استری کے روپ اور جوانی کی خوشامد ہوچکی۔

(سیٹی بجاتا ہے۔ موٹر آتی ہے۔ ساوتری کو کھینچ کر موٹر میں بٹھانا چاہتا ہے)

گوتمی اور ساوتری: رکشا کرو— بھگوان، ہماری رکشا کرو۔

(آواز سن کر آشرم کی کھڑکی کھلتی اور سونا دیکھ کر چونک اٹھتا ہے)

سونا: یہ کیا—

(سونا کھڑکی سے موٹر میں کودکر رادھے کانت کو گلے سے پکڑلیتا۔ ڈرائیور اور نوکر سونا پر حملہ کرتے ہیں اور اسی وقت آشرم کا دروازہ کھول کر روپا اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل آتا اور سونا کی مدد کرتا ہے)

ایکٹ پہلا — سین پانچواں

(کومک)

لال چند کا مکان

بھیرو: ہات تیری نوکری کی ایسی تیسی۔ جیسے فروری کے مہینے میں تیسواں دن نہیں ہوتا، ولایتی دکان میں سو دیشی کپڑا نہیں دکھائی دیتا، کلکتہ میں سستا گھر نہیں ملتا، ویسے ہی نوکری کی جنتری میں چھٹی کی تاریخ ہی نظر نہیں آتی۔ دن بھر گھر اور بازار میں بجاج کا گز بن کر پاؤں سے زمین کو ناپنا پڑتا ہے اور اس چوبیس گھنٹے کی محنت اور خوشامد کے بدلے ملتا کیا ہے؟ پندرہ روپیہ مہینہ۔ اسی پندرہ میں کنبہ پالو، اسی میں ہولی دیوالی کا تیوہار مناؤ، اسی میں لڑکی کا بیاہ اور لڑکے کا منڈن کرو، اسی میں بیوی یا لڑکا بیمار پڑگیا تو ڈاکٹر صاحب کی فیس اور مرگیا تو مسان کے دھرم شالہ میں گھنٹہ بھر ٹھہرنے کا کرایہ دو۔ اگر آدمی کو سکھ سے کھانا اور سکھ سے سونا ہے تو چھ آنے کا دیسی اُسترا خرید کے سڑک کے کنارے بیٹھ کر حجامت کرے، لیکن پیسے والوں کی غلامی جس کا دوسرا نام نوکری ہے، کبھی نہ کرے۔ پھر کہتا ہوں، ہات تیری نوکری کی ایسی تیسی۔

(بھیرو کا پرستھان۔ لال چند اور شوبھا رام کا پرویش)

شوبھا رام: مہاشے لال چند جی۔ نوکری کے ایگری منٹ میں سے یہ شرط نکال دیجیے۔

لال چند: کبھی نہیں۔ میں کہہ چکا کہ مجھے بیاہا نوکر نہیں کنوارا نوکر چاہیے۔

شوبھا رام: سنیے تو، بچپن میں ماں پالتی ہے اور جوانی میں جورو سنبھالتی ہے۔ بے ماں کے بچے کی طرح بے جورو کا مرد بھی اناتھ ہوتا ہے۔ کیا آپ کنوارے نوکر رکھ کر اپنے گھر میں اناتھالے کھولنا چاہتے ہیں؟

لال چند: (منھ سے سگریٹ کا دھواں چھوڑ کر) ہاں تو سن لیا۔ جس طرح ہندستانیوں نے قسم کھائی ہے کہ اپنے ملک اور ملک کی چیزوں کو کبھی پیار نہ کریں گے۔ بناوٹی لیڈروں اور سر پھٹول کرانے والے اخباروں نے عہد کیا ہے کہ کبھی ہندستان کے لوگوں کو بھائی بھائی نہ بننے دیں گے۔ اسی طرح میں نے بھی فیصلہ کرلیا ہے کہ جس نوکر کا بیاہ ہوچکا ہے وہ نوکر چاہے آرام پہنچانے میں بجلی کا پنکھا، جلدی کام کرنے میں سنگر مشین، چلنے دوڑنے میں موٹر، ہاں جی ہاں کہنے میں گراموفون کا ریکارڈ ہو تو بھی اُسے نوکر نہ رکھوں گا۔

شوبھا رام: حضور، مرد کی زندگی ایک گاڑی، عورت اُس گاڑی کا پہیہ اور بیاہ اس پہیے کا ٹائر ہے۔ پہیہ اور ٹائر نہ ہو تو یہ گاڑی دنیا کی سڑک پر کیسے دوڑے گی؟

لال چند: دوڑے یا نہ دوڑے، میں نے تمھیں کنوارا سمجھ کر اپنا پرائیویٹ سکریٹری بنایا ہے۔ جس دن یہ معلوم ہوا کہ تم بیاہ کرچکے ہو یا کرنے والے ہو، اسی دن تمھاری نوکری اس طرح غائب ہوجائے گی جیسے گنجے کی چندیا سے بال غائب ہوجاتے ہیں۔ بی کیرفل۔

شوبھا رام: مگر آپ بیاہے نوکر کو کیوں پسند نہیں کرتے؟

لال چند: بیاہا نوکر کبھی جی لگا کر کام نہیں کرسکتا۔ کام کے بدلے اُس کا دھیان مکھی کی طرح جورو کے رس گلے جیسے گالوں کے ارد گرد گھوما کرتا ہے۔ میری تو دعا ہے کہ یہ میری چوتھی بیوی جو کونین کی کڑوی گولی کی طرح موت کے گلے سے نیچے اُترتی ہی نہیں، کسی طرح لڑھک جائے اور تمھاری طرح میں بھی کنوارا ہوجاؤں۔

شوبھا رام: کیا چوتھی بیوی مرگئی تو آپ پانچویں سے بیاہ نہ کریں گے؟

لال چند: (صوفے سے اُٹھ کر) بیاہ کیسا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ اس لڑاکا جورو کے

مرنے کے بعد عورت کا منھ بھی نہ دیکھوں گا۔

(اندر جاتا ہے)

شوبھا رام: اب کیا کروں۔ اس زمانے میں مانگنے سے سب کچھ مل سکتا ہے، لیکن دو چیزیں بڑی مشکل سے ملتی ہیں۔ ایک موت، دوسری نوکری۔ اگر میں یہ جانتا کہ نوکری کے لیے مجھے کنوارا رہنا ہوگا تو پہلی بیوی کے مرنے کے بعد دوسری عورت سے بیاہ ہی نہ کرتا۔ کل ہی میں نے یہاں آنے کے لیے بی گھر والی کو تار دیا ہے۔ اگر وہ ریل کا ٹکٹ خرید کر روانہ ہوچکی ہیں تو بس یہ نوکری بھی روانہ ہوچکی۔ بھیرو— او بھیرو۔

(بھیرو کا پرویش)

بھیرو: کیا صاحب، مالک ایک دفعہ پکارتا ہے تو تم دس دفعہ پکارتے ہو، ایک منٹ بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔

شوبھا رام: نوکری اور چین۔ نوکری چین کرنے کے لیے ہے یا کام کرنے کے لیے؟

بھیرو: جتنی تنخواہ پاتا ہوں، اُس سے دوگنا کام کرتا ہوں۔ خالی ڈانٹنے ہی کے لیے سیٹھ کے پرائیوٹ سکریٹری بنے ہو۔ کام بڑھانا ہے تو تنخواہ بھی بڑھواؤ۔

شوبھا رام: سنیے۔ اُس روز دھوبی آکر کہنے لگا کہ میونسپلٹی نے دھوبی گھاٹ پر ٹیکس لگا دیا ہے، اس لیے چار پیسے کپڑے سے کم نہیں لوں گا۔ پرسوں حجام آکر کہنے لگا کہ جرمنی کا مال بند ہونے سے صابن اور استرا مہنگا ہوگیا ہے، اب سے پانی لگا کر داڑھی بناؤ گے تو چار پیسے اور پرانی دیوار پر سفید چونے کی طرح صابن ملنا ہوگا تو آٹھ پیسے لوں گا۔ آج یہ بھی آکر وہی سر الاپنے لگا۔

بھیرو: تنخواہ نہیں بڑھوانا چاہتے تو پھر پچاس برس پہلے کی طرح کپڑا اور اناج سستا کرادو۔ تنخواہ بڑھوانے کی بیماری تو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

شوبھا رام: میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ تھوڑے دنوں میں ڈاکٹروں کو چیچک کے ٹیکے کی

طرح تنخواہ بڑھوانے کی بیماری کا بھی ٹیکا نکالنا پڑے گا۔

بھیرو: (چلا کر) اچھا— بولو— کیا کام ہے؟

شوبھا رام: نوکر اسی طرح کام پوچھتے ہیں۔ جانتا نہیں میں سکریٹری ہوں۔ اینٹھ کے بات کی تو ابھی نوکری سے الگ کرادوں گا۔

بھیرو: میں کوئی 'بی اے' یا 'ایم اے' پاس نہیں ہوں جو آفس آفس پھرنے پر بھی نوکری نہ ملے گی۔ دوسروں سے نوکری کی بھیک نہ مانگنی پڑے، اسی لیے باپ کے کہنے پر بھی میں نے اسکول میں نہیں پڑھا۔ اپنی نوکری اپنی جیب میں رکھو۔

شوبھا رام: اتنا گھمنڈ— منھ پھٹ— دو ٹکے کا آدمی......

بھیرو: بس...... ہاتھ بیچا ہے، ذات نہیں بیچی ہے۔ گالی نہ دینا۔

شوبھا رام: (دل میں) غریب ہے نا۔ اس لیے نہ دینا کہہ کر رہ گیا۔ ایک اور ڈانٹ دوں، رعب بیٹھ جائے گا— کیا کہا، گالی نہ دینا؟ ضرور دوں گا۔ چیخ کر کہتا ہوں، تو پاجی ہے۔

بھیرو: اچھا تو بچا کھوپڑی۔ (ڈنڈا تانتا ہے)

شوبھا رام: ارے ارے پالو ریچھ بگڑ گیا— ہاتھ روک— کیا کرتا ہے؟

بھیرو: دیکھتا ہوں کہ تونے اپنی کھوپڑی کا بیمہ اُتروایا ہے یا نہیں؟

شوبھا رام: (نرم ہوکر) مہاشے بھیرو ناتھ جی۔ میں تو ہنس رہا تھا (چمکار کر) میرے ببوا، ڈنڈا پھینک دو، نہیں تو تم حوالات جاؤ گے اور میں اسپتال جاؤں گا۔

بھیرو: کچھ بھی ہو، تونے مجھے پاجی کہا ہے۔ اس ڈنڈے سے کھوپڑی کی ڈفلی نہ بجوانا ہو تو بول بھیرو ناتھ جی، تم پاجی نہیں، میں پاجی ہوں۔

شوبھا رام: شریمان جی۔ ایک عزت دار آدمی اپنے منھ سے اپنے کو پاجی کیسے کہہ سکتا ہے؟

بھیرو: (ڈنڈا تان کر) یہ کھوپڑی جھنجن کہلائے گا۔

شوبھا رام: اچھا بابا، میری کھوپڑی کے قلعے پر سے اپنی عزت کا جھنڈا ہٹالے۔ میں پاجی اور میرا باپ پاجی۔

بھیرو: اور بول کہ پورا پاجی۔

شوبھا رام: کیسا جھگڑالو آدمی ہے۔ ارے بھائی آدھا پاجی میں اور آدھا پاجی میرا باپ۔ دو آدھے ملا کر پورا پاجی تو ہوگیا۔

بھیرو: خبردار— اب کسی غریب کو گالی نہ دینا۔ جی چاہتا ہے کہ جاتے جاتے ایک ہاتھ……

شوبھا رام: ارے بھائی ہاتھ میں کھجلی ہورہی ہے تو پتھر پر رگڑ ڈال۔

(بھیرو کا پرستھان)

شوبھا رام: لوگ سچ کہتے ہیں کہ دنیا کی بندریا ڈنڈے ہی کے زور سے ناچتی ہے۔ اس کے گرم ہوتے ہی مجھے ٹھنڈا ہوجانا پڑا۔

(سرلا کر پرویش)

سرلا: واہ صاحب واہ۔

شوبھا رام: ارے تم آگئیں— کیا میرا تار پہنچنے سے پہلے ہی ریل کا ٹکٹ خرید چکی تھیں؟— بس جورو یا نوکری— دو میں سے ایک کو اب ضرور چھوڑنا پڑے گا۔

سرلا: واہ جی واہ— تار بھیج کر بلایا اور اسٹیشن پر لینے بھی نہ آئے۔

شوبھا رام: لینے کیا آتا، اپنا سر۔ یہاں تو نوکری ہی کا رونا پڑ گیا ہے۔

سرلا: نوکری کا رونا کیسا؟ قسمت کی مہربانی سے نوکری تو اچھی مل گئی ہے۔

شوبھا رام: لیکن میرے مالک کو بیاہا نہیں کنوارا پرائیویٹ سکریٹری چاہیے۔ اگر اُسے معلوم ہوگیا کہ میں تم سے بیاہ کر چکا ہوں تو اسی دن حکم دے گا کہ کوئی اور دروازہ دیکھو۔

سرلا: مگر تمھارا بیاہ تو ہو چکا ہے۔

شوبھا رام: یہی تو افسوس ہے۔ کنوارا نہ سہی، رنڈوا بھی ہوتا تو نوکری بچ جاتی۔

سرلا: رنڈوا۔۔ یہ کیا کہا؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں مرجاؤں؟

شوبھارام: نہیں پیاری۔ مریں تمھارے دشمن۔ تم مرجاؤ گی تو دنیا کی آدھی خوبصورتی مرجائے گی۔ میں مروں، نوکری مرے، تنخواہ مرے لیکن تم جیتی رہو۔

سرلا: نہیں نہیں۔ میرے مرنے سے تمھیں سکھ مل سکتا ہو تو میں ابھی مرجاؤں۔

شوبھا رام: نہیں پیاری۔ نوکری کی کیا پروا ہے۔ بس میری ہمت بڑھاتی رہو۔ تم جیتی رہو گی تو میں بہت کما لوں گا۔

سرلا: اچھا تو پھر مالک کو کیا جواب دو گے؟

شوبھا رام: سنو، اگر تمھیں میرے پاس دیکھ کر میرے مالک نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو میں صاف کہہ دوں گا کہ میری بہن ہے۔

سرلا: بہن؟

شوبھا رام: ہاں، اور تم سے پوچھے تو تم بھی کہہ دینا کہ میرا بھائی ہے۔

سرلا: چھی چھی۔ یہ میں کیسے کہہ سکوں گی؟

شوبھا رام: نہ کہو گی تو پھر سمجھ لو کہ نوکری کا شرادھ ہو چکا۔ اچھا یہ تو کہو کہ اسٹیشن پر اُترنے کے بعد تمھیں میرے مالک کے گھر کا پتہ کس نے بتایا؟

سرلا: ایک داڑھی مونچھ منڈے ہوئے جنٹل مین نے— کیوں جی۔ آج کل لوگ داڑھی کے ساتھ مونچھ کیوں منڈا دیتے ہیں؟

شوبھا رام: پیاری، پہلے زمانے میں مردوں کی قدر تھی۔ اور اب اس نئے زمانے میں عورتوں کی قدر ہے۔ اس لیے اپنی عزت بڑھانے کے لیے آج کل مرد بھی مونچھیں منڈا کر عورتوں کی گھگھرا پلٹن میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

سرلا: تو یہ گھگھرا پلٹن کے مونچھ منڈے سپاہی مرد ہیں یا عورت؟

شوبھا رام: جیسے ریل گاڑی میں سیکنڈ اور تھرڈ کے بیچ میں ایک انٹر کلاس ہوتا ہے، ویسے ہی عورت اور مرد کے بیچ میں یہ ایک نیا کلاس پیدا ہوا ہے۔

سرلا: اس کلاس والوں کو کس نام سے پکارنا ہوگا؟

شوبھا رام: ابھی ان کا نام سوچا جا رہا ہے۔ اب کی وائسرائے کی کونسل میں شاردا ایکٹ کے بعد یہی بل پیش ہوگا کہ اُن پُرش روپی استریوں کا کیا نام رکھا جائے۔

سرلا: یہ آدھے مرد اور آدھے عورت ہیں۔ اس لیے ان کا نام فیشن کی کھچڑی رکھنا چاہیے۔

(دونوں ہنستے ہوئے جاتے ہیں)

ایکٹ پہلا — سین چھٹا

کیلاش ناتھ کا گھر

(کیلاش ناتھ کے ساتھ پروہت کا پرویش)

کیلاش ناتھ: تمھارے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود جانتا ہوں، لڑکیوں کا بیاہ نہ ہونے کے کارن سماج مجھ پر نام رکھتا ہے۔ محلے والے ہنستے ہیں۔ ذات برادری کے لوگ طعنہ دیتے ہیں۔ کنتو کیا پربندھ کروں۔ روپے کے لیے کسی دھنوان کے گھر پر ڈاکا ڈالوں۔ کسی بینک میں سیندھ لگاؤں۔ کسی کی جیب میں نوٹوں کا بنڈل دیکھ کر اُس کی پیٹھ میں پیچھے سے چھری بھونک دوں، یا ابھاگنی لڑکیوں کا ہاتھ پیر باندھ کر گنگا میں بہا دوں۔

پروہت: آپ کی کنیاؤں کے منگل کے لیے ایک مہینے سے دروازے دروازے بھٹک رہا ہوں۔ لڑکا ونش اور سوبھاو میں اچھا ہو، تندرست ہو، پڑھا لکھا ہو، چار پیسے کما سکتا اور بیوی بچوں کو سکھ سے رکھ سکتا ہو۔ بیاہ سے پہلے یہی باتیں دیکھی جاتی ہیں۔ ایسے لڑکے اس شہر میں ایک دو نہیں بیسیوں ہیں۔ کنتو کیا کروں؟ دوسرے کے دل میں اپنا دل نہیں ڈال سکتا۔ اس سمبندھ کے لیے کسی طرح ان کے ماں باپ راضی نہیں ہوتے۔

کیلاش: کیوں راضی نہیں ہوتے؟ کیا میری لڑکیاں اندھی، لولی، لنگڑی ہیں؟ کیا وہ روگی ہیں؟ کیا وہ ہندو دھرم اور ہندو سماج کو اپنے آچرن سے کلنکت کرتی ہیں؟ کیا وہ ماتا پتا کی بھکتی، بڑوں کا آدر، چھوٹوں سے پیار، دین دکھیوں کی سہایتا،

ایشور کی پوجا، گئو اور برہمن کی سیوا پاپ سمجھتی ہیں؟ کیا وہ گھونگھٹ نکال کر بھاگوت اور رامائن کا پاٹھ کرنے کے بدلے آرام کرسی پر لیٹ کر ناول اور ناٹک پڑھتی ہیں؟ الٹے بال سنوارتی ہیں؟ ٹیڑھی مانگ نکالتی ہیں؟ منھ پر پاؤڈر ملتی ہیں؟ اونچی ساڑی اور اونچی ایڑی کا بوٹ پہن کر کلبوں اور تھیٹروں میں بھارت کی للناؤں کا نام ہنساتی پھرتی ہیں؟ وہ دونوں گائے کی طرح سیدھی اور پنیہ مئی گنگا کی طرح پوتر ہیں۔ اس دوش کے سوا اور ان میں کیا دوش ہے؟

پروہت: اُن کا یہی دوش ہے کہ اُن کا پتا کل وان اور دھرم وان ہے۔ کنتو دھنوان نہیں ہے— اُن کا پتا لڑکوں کو بیاہ میں آشیرواد دے سکتا ہے، لیکن لڑکے کے باپ کو منھ مانگا روپیہ نہیں دے سکتا۔

کیلاش ناتھ: تو اس کا یہ اَرتھ ہوا کہ لوگ سندر، سشیلا، دھرم پرائنا کنیاؤں کے ساتھ نہیں، اپنے لڑکوں کا بیاہ روپیوں کے ساتھ کرانا چاہتے ہیں۔ انھیں گرہ کے لکشمی نہیں کیول لکشمی چاہیے— روپ وتی نہیں، روپیہ وتی چاہیے۔ کیا اپنے پنیہ، پریم، ستیہ اور سوامی بھکتی سے روپیہ اُن کے گھر کو سورگ بنائے گا؟ کیا دکھ بیماری میں دن کا چین اور رات کی نیند تیاگ کر روپیہ اُن کی سیوا کرے گا؟ یدی ان لوبھیوں کے لیے اس دنیا میں روپیہ ہی سب کچھ ہے، تو انھیں سناتن دھرم کو تیاگ کر نوٹ کے کاغذ کو اپنا وید، پران، ٹکسال کو اپنا مندر اور روپے کو اپنا ایشور سمجھنا چاہیے۔

پروہت: مہاشے، یہ بہت برا زمانہ ہے۔ لڑکیاں جوان ہوچکی ہیں۔ اس لیے جیسے ہو اور جس جگہ ہو ان کا بیاہ ہوجانا چاہیے۔ یاد رکھیے، جس گھر کی تجوری میں سونا چاندی رکھا ہو کیول اُسی گھر میں چوری نہیں ہوا کرتی۔ جس گھر میں روپ اور جوانی ہو، اُس گھر پر بھی ڈاکا پڑا کرتا ہے۔

کیلاش ناتھ: تمھارا اشارہ سمجھتا ہوں۔ کنتو جہاں روپیہ نہیں ہے، وہاں اُپائے بھی نہیں ہے۔ آہ، کیا یہی دیش ہے جس نے سب سے پہلے سنسار کو سبھیتا اور منشیتا سکھائی

تھی۔ کیا یہی دیش ہے، جس کی گود میں دیا نے جنم لیا تھا؟ پہلے اس دیش میں اُپکار راج کرتا تھا اور اب سوارتھ راج کرتا ہے۔ پہلے دھرم پوجا جاتا تھا اور اب دھن پوجا جاتا ہے۔ پہلے لوگ لڑکی کے بیاہ کو ایک دھارمک کرتویہ سمجھتے تھے اور اب ایک بیوپار سمجھتے ہیں۔ پہلے پوچھتے تھے کہ لڑکی کیسی ہے؟ اور اب پوچھتے ہیں کہ لڑکی کے باپ کے پاس کتنا ہے؟ پہلے لڑکی میں روپ، گن، ستیہ ڈھونڈھتے تھے اور اب گن کی جگہ گہنے، روپ کے بدلے روپیے اور ستیہ کی جگہ لڑکی کے پتا کی سمپتی ڈھونڈھتے ہیں۔

پروہت: لڑکیوں کی عمر اور آپ کی غریبی دیکھ کر میں نے جو رائے دی تھی۔ یدی اب بھی وہ رائے آپ مان لیں، تو پیسے دیے بغیر دونوں میں سے ایک کا بیاہ آج ہی ہوسکتا ہے۔

کیلاش ناتھ: ہوسکتا ہے! اور روپیے دیے بنا!! کس کے ساتھ؟

پروہت: کیا نام بھول گئے۔ کیشو بابو کے ساتھ۔

کیلاش ناتھ: اُس لوبھی، سوارتھی، بوڑھے کے ساتھ، جس کا ایک پاؤں گھر میں اور دوسرا پاؤں چتا میں ہے۔ جس کے جیون کی جڑیں اکھڑ چکی ہیں۔ جو ہوا میں رکھے ہوئے چراغ کی طرح آخری ہچکی لے کر بجھا چاہتا ہے؟ یدی ایشور نے تمھیں بھی سنتان دی ہوتی، تو یہ شبد کہتے ہی دونوں ہونٹ شرم کی آگ سے جل اُٹھتے۔ یہ گھرنت رائے اسی لیے دے رہے ہو کہ نہ تم پتا ہو اور نہ تمھاری چھاتی میں پتا کا ہردے ہے۔

(کیشو بابو اور شام لال کا پرویش)

کیشو بابو: کیلاش ناتھ، میں تمھیں آخری نوٹس دینے آج خود آیا ہوں۔ ڈگری کے روپیوں کا کیا بندوبست کیا؟

کیلاش ناتھ: زمین داری تھی، وہ کوڑیوں کے بھاؤ نیلام ہوگئی۔ مکان تھا وہ بھی رہن ہوچکا۔ جن دوستوں کی مصیبت میں تمسک اور پرونوٹ لکھائے بغیر میں نے ہزاروں

روپیوں سے مدد کی تھی، وہ روپیہ پانے ہی سے انکار کر رہے ہیں۔ پھر میں کیا بندوبست کر سکتا ہوں۔

شام لال: تو کیا ہمیں یہ سمجھانا چاہتے ہو کہ تمھارے پاس کچھ نہیں ہے؟

کیلاش ناتھ: کیوں نہیں ہے۔ قرض کا بوجھ ہے۔ لڑکیوں کے بیاہ کی چنتا ہے۔ غریبی ہے، دکھ ہے، آنسو ہیں، روپے کے سوا بہت کچھ ہے لیکن اس دنیا میں دُکھ کا کون خریدار ہے؟ آنسوؤں کی کہاں قیمت ملتی ہے؟ غریب کی پھوٹی ہوئی قسمت کون مول لیتا ہے؟

شام لال: تو پھر کشو بابو کیا کریں؟ ان کا بازار میں لاکھوں کا لین دین ہے اور لین دین میں ہر وقت روپے کی ضرورت رہتی ہے۔

کیلاش ناتھ: گھر میں گرہستی کا تھوڑا سامان، چالیس پچاس برتن اور میری سورگیہ دھرم پتنی کے پندرہ بیس چاندی سونے کے گہنے بچ گئے ہیں۔ یہی سامان اور گہنے میں لڑکیوں کے جہیز میں دینا چاہتا تھا۔ اب نہیں دوں گا۔ بھکاری کی لڑکیاں، بھکارنوں ہی کی طرح بیاہی جائیں گی۔ جو کچھ ہے لے لیجیے اور باقی رِن کے لیے دیا کیجیے۔ آپ کو روپے کی ضرورت ہے اور مجھے آپ کے دَیا کی ضرورت ہے۔

کیشو بابو: میں تمھارے مکان کے رہن نامے کو دیا سلائی دکھا دوں گا، ڈگری کے دس ہزار روپے معاف کر دوں گا اور زندگی کے باقی دن سکھ سے بتانے کے لیے تمھیں دس ہزار اور دوں گا۔ لیکن اس دیا کے بدلے میرے ساتھ اپنی دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا بیاہ......

کیلاش ناتھ: بس آگے نہیں۔ دولت کے لیے بوڑھے کے ساتھ جوان لڑکی کا بیاہ کر دینا، نہیں، بیاہ کی ویدی پر لوبھ کی چھری سے کنیا کے جیون، جوانی اور بھوشیہ کے سکھوں کا بلیدان کرنا ہے۔۔۔ میں کنیا بیچ کر تم سے تمھاری دیا خریدنا نہیں چاہتا۔

شام لال: جانتے ہو اس نہیں کہنے کے بعد کیا ہوگا؟

کیلاش ناتھ: وہی جو کرم میں لکھا ہے۔

شام لال: کنتو تم ایسے دھنوان کے ساتھ اپنی کنیا کا وواہ کرکے اپنے کرم کے لکھے کو بدل سکتے ہو۔

کیشو بابو: پریم، مان، دھن، سکھ، کپڑا، گہنا سب کچھ موجود ہے۔ اپنی کنیا ۔کے لیے اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو؟

کیلاش ناتھ: بس دھیرج کی بھی حد ہوتی ہے۔ ایک غریب کی سہن شکتی کی پریکشا نہ لو۔

کیشو بابو: میں تمھیں سوچنے کے لیے ایک دن کا سمے دیتا ہوں۔ سوچنے کے بعد بھی یہی جواب رہا تو پھر اس گھر کے بدلے جیل میں دکھائی دو گے۔

(پروہت، کیشو بابو اور شام لال کا پرستھان)

کیلاش ناتھ: جیل، وہ مجھے جیل بھیجنا چاہتا ہے۔ کنتو میرے لیے تو یہ سنسار ہی ایک جیل ہے۔ دکھ کی چار دیواری کے اندر چنتا کی اندھیری کوٹھری میں بند ہوں۔ ہاتھوں میں کنیا روپی ہتھکڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ بوڑھی پیٹھ پر غریبی کے کوڑے پڑ رہے ہیں۔ جیون کے قید کی مدت کب پوری ہوگی، اس کے لیے ایک ایک دن گن رہا ہوں— اوہ، اس بھارت میں لڑکیوں کا باپ ہونا بھی ایک پاپ ہے، اور قسمت، مہاجن سماج سب مل کر مجھے اس پاپ کی سزا دے رہے ہیں۔

(گوتمی کا پرویش)

گوتمی: پتا جی، بہت دیر ہوئی، کیا آج بھوجن نہ کیجیے گا؟

کیلاش ناتھ: دیکھو، اس دکھ کی چلتی بولتی مورتی کو دیکھو۔ ماں کے گربھ میں آنے کے سمے ایشور سے سوندریہ مانگ کر لائی۔ دیویوں کا سوبھاؤ مانگ کر لائی، دھرم، پنیہ، لاج، ستیہ مانگ کر لائی، کنتو بھاگیہ مانگ کر نہیں لائی۔ روپ لائی، کنتو سماج کے لوبھیوں کو دینے کے لیے روپیہ مانگ کر نہیں لائی۔ میں سمجھا کہ دو لکشمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ لکشمیوں کا روپ دھارن کرکے میرے گھر میں میرے پوروجنم کے پاپوں نے جنم لیا ہے۔ ابھاگنی، غریب ماں

باپ کے گھر میں دُکھ بھوگنے کے لیے کیوں آئی؟ سکھ چاہتی ہے تو مرجا۔ کسی دھنوان کے گھر میں جنم لے۔

(گوتمی کا گلا دباتا ہے۔ ساوتری کا پرویش)

ساوتری: پتا جی — پتا جی — (ہاتھ پکڑتی ہے)

کیلاش ناتھ: آگئی۔ مرتیو کی پکار سن کر تو بھی آگئی۔ اچھا دونوں کے لیے ایک ہی چتا بنانی پڑے گی۔ جس دنیا میں روپیہ دیے بغیر سشیلا، دھرم پرائنا کنیاؤں کو بھی ور نہیں مل سکتے۔ جس دنیا میں ساٹھ برس کے بوڑھے دولت کا لالچ اور جیل کی دھمکی دے کر غریب باپوں سے ان کی لڑکیاں چھیننا چاہتے ہیں۔ اُس نیچ دنیا میں جی کر کیا کرے گی؟ یہ مررہی ہے، تو بھی مر — (ساوتری کا بھی گلا دباتا ہے)۔ ارے۔ یہ کیا۔ کیا گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کے لیے میں نے انھیں اپنے سنیہہ کی چھایا میں پال پوس کر بڑا کیا تھا؟ کیا پیروں سے روند ڈالنے کے لیے، ان کلیوں کو پتا پریم کے امرت سے سینچ کر پھول بنایا تھا۔ (زمین پر گھٹنے ٹیک کر) شما کرو شما کرو۔ میری بچیو۔ اپنے ابھاگے باپ کا اَپرادھ شما کرو۔ میں دکھ سے پاگل ہوگیا ہوں۔

دونوں: پتاجی —

(ہاتھ پکڑ کر اٹھاتی ہیں)

کیلاش ناتھ: روتی ہو، کیوں روتی ہو؟ کیا تمھارے رونے سے منشیہ روپی راکشس دیوتا ہوجائیں گے؟ کیا تمھارا رونا دیکھ کر دھن کی پوجا کرنے والے سماج کو دیا آجائے گی؟ ابھی تمھارے بھاگیہ میں بڑے بڑے دکھ لکھے ہیں اور تمھیں ہر ایک دکھ پر رونا ہوگا۔ اس لیے ان آنسوؤں کو رکھ چھوڑو۔ تم غریب کی لڑکیاں ہو۔ تمھیں آنسو بھی اُدھار نہ مل سکیں گے — کیسا وچتر جیون ہے۔ دکھ کا انت بھی نہیں اور مرتیو بھی نہیں۔

(چلا جاتا ہے)

ساوتری: (جاتے جاتے) بھگوان۔ پتا کو سکھ نہیں دیتے تو سہن شکتی دو۔

(چلی جاتی ہے)

گوتمی: ہمارے ہی دواہ کی چنتا نے پتا کی یہ اوستھا کردی۔ ہماری ہی صورت دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارائیں بہنے لگتی ہیں۔ ہم دونوں بہنیں پتا کے گلے کی پھانسیاں ہیں۔ یدی ایک پھانسی بھی کم ہوجاتی تو وہ تھوڑی دیر کے لیے سکھ کی سانس لے سکتے۔ پتا۔ پوجیہ پتا۔ میں اب تک ہماری کوئی سیوا نہیں کرسکی، آج اس اَپرادھ کا پرائشچت کروں گی۔ تمھارے جیون کو تھوڑا بہت سکھی کرنے کے لیے اپنے جیون کا بلیدان دوں گی۔ دیوتاؤ۔ میں پتا سیوا کے یگیہ میں اپنی آہوتی دینے جارہی ہوں۔ اس یگیہ پورتی میں میری سہایتا کرو۔ میں ابلا دُربلا ہوں۔ میرے ہردے میں بل دو۔

(پرستھان)

ایکٹ پہلا — سین ساتواں

کیلاش ناتھ کے گھر کا ایک بھاگ

(چھت سے ایک رسی لٹک رہی ہے۔ گوتمی کھلے بال اُداس مکھ کھڑی ہے)

گوتمی: دکھی ہو یا سکھی، راجا ہو یا بھکاری، سادھو ہو یا سنساری، اس کرم بھومی میں سب اپنا اپنا کرتویہ پالن کرنے آئے ہیں۔ آنکھوں میں رکھ کر، ہردے سے لگا کر، اپنا سکھ، چین، نیند تیاگ کر، سنتان کا پالن پوشن کرنا پتا کا کرتویہ ہے۔ تو اپنی سیوا سے پِتا کے اپکاروں کا قرض ادا کرنا، پتا کے کندھوں سے دکھ کا بوجھ اتار کر اپنے کندھوں پر رکھ لینا یہ سنتان کا کرتویہ ہے۔ جس سنتان کے ہونٹوں پر پتا کے اُپکاروں کا گن واد نہیں ہے، جس کے ہردے میں پتا بھکتی نہیں ہے، جس کے جیون میں پتا کے جیون کو سکھی بنانے کا اُتساہ نہیں ہے، اس نے ایشور کے سامنے اس سرشٹی کو لجت کرنے کے لیے سرشٹی پر جنم لیا ہے۔ پتا، پوجیہ نیہ پتا، جب میں بچہ تھی اور تمھیں دیکھتے ہی تمھاری چھاتی سے لپٹ جاتی تھی، تب تم مجھے گود میں بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیر کے میری آنکھوں کو پریم سے چوما کرتے تھے۔ پھر میں انھیں آنکھوں سے تمھیں گلے تک دُکھ اور چنتا میں ڈوبا ہوا کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ دو دو لڑکیوں کے بیاہ کی چنتا نے تمھیں سمے سے پہلے بوڑھا کر دیا۔ میرے آتم ہتیا کر لینے کے بعد تمھارا آدھا دُکھ کم ہو جائے گا۔ ابھی تک دو چنتائیں ہیں، میرے مرنے کے بعد کیول ایک ہی چنتا رہ جائے گی — بھگوان، میں جانتی ہوں کہ آتم ہتیا کرنا پاپ ہے۔ کنتو

شما کرنا، دکھ کی آگ کی جلن کو گھٹانے، پتا کو چنتا بندھن سے چھڑانے کے لیے میں اس پاپ ساگر میں پھاند رہی ہوں (گلے میں پھندا ڈال کر) آؤ مرتیو آؤ۔ جس نیند میں سوجانے کے بعد اس سنسار کے دکھوں کا درشیہ دیکھنے کے لیے منشیہ دوبارہ نہیں جاگتا، مجھے اُس نیند کا دان دو۔ جس دنیا میں اس دنیا کا انیائے، لوبھ، سوارتھ، دکھ، چنتا، رونا نہیں ہے، اُس دنیا میں لے چلو— پیارے پتا، پیاری بہن، میرے لیے دکھی نہ ہونا۔ سوپن میں دیکھی ہوئی وستو سمجھ کر مجھ ابھاگنی کو بھول جانا— بہن سکھی رہو۔ پتا میرا انتم پرنام لو۔

(پھانسی لگا کر لٹک جاتی ہے۔ ساوتری کا پرویش)

ساوتری: کوئی کارن سمجھ میں نہیں آتا۔ سویرے سے دل دھڑک رہا ہے۔ بار بار جی چاہتا ہے کہ چیخ مار کر رونے لگوں۔ اتنے دکھ تو ہیں، کیا آج اس گھر میں کوئی نیا دکھ آنے والا ہے (گوتمی پر نظر پڑتی ہے) یہ کیا! یہ کون!! بہن گوتمی!!! ارے دوڑو، دوڑو، ہمارا ناش ہوگیا۔ ہمارے گھر کی شوبھا نے پھانسی لگالی— بہن۔ بہن۔

(کیلاش ناتھ کا پرویش)

کیلاش ناتھ: کیسی بھیانک چیخ۔ ساوتری کیا ہوا؟ کیا کہیں بجلی گری۔

ساوتری: وہ دیکھیے، دکھ کو نئے روپ میں دیکھیے۔

کیلاش ناتھ: بھگوان، بھگوان۔ یہ تم مجھے کیا درشیہ دکھا رہے ہو؟

ساوتری: بچائیے۔ پتا جی بچائیے۔ شاید کوئی سانس باقی ہو؟

کیلاش ناتھ: بھگوان، تم نے سب کچھ چھین لیا۔ اب یہ میرا انتم دھن مجھ سے نہ چھینو۔

(رسی کاٹ کر گوتمی کی لاش کو زمین پر اُتارتا ہے اور سر گود میں لے کر بیٹھتا ہے۔ ساوتری پاؤں کے پاس بیٹھتی ہے)

میری گود کا پھول مرجھا گیا۔ میری بوڑھی آنکھوں کی روشنی چھن گئی۔ میری سونے کی مورتی ٹوٹ گئی۔ بیٹی بیٹی یہ کیا کیا؟ کیا اپنے ابھاگے باپ کو پتا ہونے کے اَپرادھ میں کوئی اور سزا نہیں دے سکتی تھیں؟

ساوتری: بہن تم نے کل سانجھ کو مجھ سے کہا تھا کہ پتا کی چنتا کم کرنے کے لیے میں آتم ہتیا کروں گی۔ یدی میں جانتی کہ یہ ہنسی نہیں سچ ہے تو تمھارے شریر کی چھایا کی طرح تمھارے ساتھ ساتھ رہتی۔ نہ جاؤ۔ بہن ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تم تو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلیں، پھر تمھیں مرتیو لوک کا راستہ کیسے معلوم ہوگیا؟

کیلاش ناتھ: بیٹی گوتمی، میں غریب ہونے کے کارن اچھا کھانا، اچھا کپڑا، اچھا گھر، سنسار کا کوئی سکھ تمھیں نہیں دے سکا۔ کنتو تم نے سکھ نہ ملنے کی کبھی شکایت نہیں کی۔ میرے آشیرواد کے سوا کبھی مجھ سے اور کچھ نہیں مانگا۔ پھر آج میری قسمت کی طرح مجھ سے کیوں روٹھ گئیں؟ اٹھو بیٹی اٹھو۔ چھوٹی بہن کے آنسو پونچھو۔ بوڑھے باپ کو شانتی دو۔ ایک بار، ایک بار پھر پتا کہہ کر پکارو۔ نہیں اٹھتیں، نہیں بولتیں۔ تمھارا شریر ابھی تک میری گود میں ہے، پھر تم کہاں ہو؟ اور کتنی دور ہو؟— جو میری آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز تم تک نہیں پہنچتی۔

ساوتری: بہن۔ اس دُکھ اور بڑھاپے میں پتا کی سیوا کرنے کے بدلے تم پتا کو اکیلا چھوڑ کر چلی جا رہی ہو! نہیں نہیں۔ ایسی نردئی نہ بنو— میں تمھیں نہیں جانے دوں گی۔

کیلاش ناتھ: دیکھو دیکھو۔ لڑکیوں کے باپ سے اپنے لڑکوں کی قیمت مانگنے والے لوبھیو۔ دیکھو یہ تمھارے ہی سوارتھ کا پرینام ہے کہ آج ایک ہندو کنیا نے نردھن پتا کو اپنے بیاہ کی چنتا سے مکت کرنے کے لیے سماج پرتھا کی چوکھٹ پر اپنے جیون کا بلیدان کردیا ہے۔ یہ تمھارا ہی اتیاچار ہے کہ جس گھر سے دلھن کی پالکی نکلنے والی تھی، آج اُسی گھر سے ابھاگنی کنیا کی ارتھی نکلے گی— ساوتری بہن کی لاش پر رو رہی ہے، تو رو— کنتو اتنا رو کہ تیرے آنسوؤں میں میرا

دکھی جیون اور یہ پاپی سماج دونوں ڈوب جائیں۔ گوتمی— گوتمی۔

(بیلف کے ساتھ شام لال اور کیشو بابو کا پرویش)

شام لال: یہ رہا اسامی، گرفتار کرو۔ کیلاش ناتھ۔

کیلاش ناتھ: کس نے نام لیا! کس نے پکارا!! کیا گوتمی کا پران لے کر اب مرتیو اس کا شریر بھی مجھ سے چھیننے آئی ہے!!! (سپاہیوں کو دیکھ کر) دیکھ لیا۔ مرتیو ہی ہے۔ کنتو گوتمی کی مرتیو نہیں، میری عزت کی مرتیو، اصلی روپ میں نہیں، گرفتاری کے روپ میں۔

کیشو بابو: کیلاش ناتھ، میں نے تمھیں سوچنے کا سمے دیا تھا۔ جو درشیہ تم دیکھ رہے ہو، وہ تمھارے آخری جواب کا جواب ہے۔

شام لال: تم پر دس ہزار کی ڈگری ہے۔ ڈگری کے روپیے دو یا ہتھکڑی پہنو۔

ساوتری: ہتھکڑی۔ ہتھکڑی۔ کیا تمھیں دکھائی نہیں دیتا— کہ میری بہن مری ہوئی پڑی ہے جو ابھاگا، اپنی کنیا کی لاش گود میں لیے ہوئے چھاتی پیٹ رہا ہے، تم اُسے ہتھکڑی پہناؤ گے۔ کیا تم منشیہ نہیں ہو؟ کیا تم مہادیالو ایشور کی دنیا میں نہیں، کسی راکشس کی بنائی ہوئی دنیا میں رہتے ہو؟

کیلاش ناتھ: ستی ہو۔ گوتمی ستی ہو۔ اُٹھو۔ اُٹھو۔ آنکھیں کھولو۔ تم نے اس گھر میں سب طرح کے دُکھ دیکھے۔ آج اپنے بوڑھے باپ کو ہتھکڑی پہن کر جیل جاتے ہوئے بھی دیکھ لو۔ اس لوک میں روتی رہیں، تو اُس لوک میں بھی روتی ہوئی جاؤ۔

بیلف: میں عدالت کی طرف سے تمھارا باڈی وارنٹ لایا ہوں، تم ڈگری کا روپیہ دینے کو تیار ہو؟

کیلاش ناتھ: روپیہ۔ روپیہ۔ روپیہ ہی ہوتا تو آج میری یہ دشا کیوں ہوتی؟ روپیہ ہی ہوتا تو میں بیاہ کے بازار میں کنیاؤں کے بھوشیہ کے لیے سکھ، سوبھاگیہ کی بھکشا مانگتا پھرتا؟ روپیہ ہی ہوتا تو بوڑھے باپ کو سماج کے اتیاچار اور لوگوں کے طعنوں سے بچانے کے لیے میری جوان کنیا اپنی پران ہتیا کرلیتی؟ روپیہ چاہیے

تو مجھے لے چل کر ہرش چندر کی طرح کسی چانڈال کے ہاتھ بیچ ڈالو۔ پھر بھی ڈگری کے روپے پورے نہ ہوں تو یہ دیکھو، ایک ابھاگنی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اس لاش کو یم راج کے پاس گروی رکھ دو۔

شام لال: سن لیا۔ روپیہ نہیں مل سکتا۔ ہتھکڑی لگاؤ۔

بیلف: اس غریب کی لڑکی مرگئی ہے۔ ایسی اوستھا میں پتھر جیسے دل میں بھی دیا پیدا ہوجاتی ہے۔ کیا آپ اسے تھوڑا اور سمے نہ دیں گے؟

کیشو بابو: لڑکی مرگئی ہے تو مرجائے۔ میں یہاں اپنا دھن لینے آیا ہوں، دیا بانٹنے نہیں آیا۔

بیلف: لاچاری— گرفتار کرو۔

(سپاہی کیلاش ناتھ کو ہتھکڑی لگاتے ہوئے)

ساوتری: کیا کرتے ہو! کیا کرتے ہو!! (کیشو بابو سے) چھوڑ دو۔ چھوڑ دو۔ میرے دکھی باپ کو چھوڑ دو۔ میں دوسروں کے جھوٹے برتن مانج کر، کسی گرہست گھر میں نوکری کرکے، دروازے دروازے دیالو پُرشوں سے بھیک مانگ کر تمھارے قرض کے روپے ادا کردوں گی۔ تم ہندو ہو۔ میں تمھارے چرنوں میں بیٹھ کر دھرم کی دُہائی دیتی ہوں۔

کیشو بابو: کیلاش ناتھ، تمھاری ایک لڑکی مرگئی۔ کنتو یہ دوسری زندہ ہے۔ اب یعنی میری بات مان لو۔ یہ بھی دھن اور سکھ کے جھولوں میں جھولے گی اور تم بھی جیل اور سدا کے دکھ سے چھوٹ جاؤ گے۔

کیلاش ناتھ: جس طرح گوتمی پھانسی لگا کر مرگئی، اُسی طرح یہ بھی چھری مار کر یا وِش کھاکر مرجائے۔ اس کی لاش کے برابر اس کی لاش بھی رکھی ہوئی دیکھ سکتا ہوں۔ کنتو تیرے ساتھ بیاہ کر اسے جوانی میں ودھوا کا وستر پہنے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔

کیشو بالو: معلوم ہوگیا۔ تم اپنا وچار یہاں نہیں جیل کی کوٹھری میں بدلو گے— لے چلو۔

ساوتری: اُدھرمیو۔ بیٹی مری پڑی ہے۔ اور تم باپ کو جیل لیے جارہے ہو۔ بیٹی کی لاش پر رونے نہیں دیتے۔ چھاتی پیٹنے نہیں دیتے، تو اس کا انتم سنسکار تو کرلینے دو۔

کیشو بابو: غریبوں کا ولاپ، امیروں کے کانوں کے لیے گانا ہے۔ تم کیوں نہیں لے چلتے؟

کیلاش ناتھ: ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ ان آنکھوں سے سوریہ کو چمکتا، چندرما کو مسکراتا، پھولوں کو ہنستا دیکھوں گا۔ کنتو مرتیو کی نیند میں سوئی ہوئی اس پنیہ پرتیما کا بھولا چہرا اب دوبارہ دکھائی نہ دے گا۔ مجھے انتم بار اسے جی بھر کر دیکھ لینے دو (لاش کے پاس بیٹھ کر) گوتمی— میری ابھاگنی، تم مجھ سے بدا ہورہی تھیں۔ اب میں تم سے بدا ہوتا ہوں۔ بیٹی شما کرنا کہ ان بوڑھے کندھوں پر تمھاری ارتھی رکھ کر تمھیں شمسان بھومی تک بھی نہ پہنچا سکا۔ (سپاہی کھینچتے ہیں)۔ جاؤ— بیٹی سورگ میں جاؤ— وہاں پہنچ کر آج بھارت میں استری جاتی اور غریب گھر کی کنیاؤں پر سماج کتنا اتیاچار کررہا ہے، اِس اتیاچار کی کہانی آنسوؤں کی زبان سے دیوتاؤں کو سنانا اور اب کبھی دھرتی پر کنیا کا جنم نہ لینا۔ جنم لینا بھی تو کسی غریب باپ کے گھر میں پیدا نہ ہونا (جاتے جاتے) ساوتری، ایشور تیری رکشا کرے۔

ساوتری: پتا جی— پتا جی۔

(دوڑ کر کیلاش ناتھ کو لپٹ جاتی ہے)

شام لال: تیرے باپ کو روپیہ چھڑا سکتا ہے۔ تیرے آنسو نہیں چھڑا سکتے۔

(جھٹکا دے کر گرا دیتا ہے۔ سب کا پرستھان)

ساوتری: بہن سورگ گئی اور پتا جیل گئے— اب اس گھر میں، میں ہوں۔ بھیانک بھوشیہ ہے اور بہن کا مرت شریر ہے۔ اُٹھو بہن اٹھو۔ مجھے اکیلے گھر میں ڈر معلوم ہورہا ہے— تم تو سوریہ کی پہلی کرن کے ساتھ جاگ اٹھتی تھیں۔ پھر آج ابھی تک کیوں سورہی ہو؟ کیا پوجا پاٹھ نہ کرو گی؟ پتا کے کشٹ نوارن کے لیے دیوتاؤں سے پرارتھنا نہ کرو گی؟ اَدھری، نردئی، پتا کو کھینچتے ہوئے جیل لے گئے ہیں— اُٹھو بہن— اُٹھو— چلو ہم دونوں بہن چل کر اُن

پاپیوں کے پاؤں پر گر کے پتا کے لیے دیا مانگیں اور وہ نہ مانیں، تو پتا کی ہتھکڑیاں اپنے ہاتھوں میں پہن لیں— وہ دیکھو۔ وہ دیکھو— دُکھ اور دُربھاگیہ دونوں مل کر جیل کے دروازے پر پتا کا گلا گھونٹ رہے ہیں— نردئی مہاجن پتا کو، پتا کے آنسوؤں میں ڈبوئے دے رہا ہے— کوئی نہیں بچاتا— کوئی رکشا نہیں کرتا— پتا— پتا— پتا—

(بیہوش ہوکر گوتمی کی لاش کے پاس گرجاتی ہے)

—ڈراپ—

ایکٹ دوسرا — سین پہلا

سیوا سمیتی آشرم کا ایک بھاگ

(گنگا، سونا اور روپا کا پرویش)

سونا: ماتا جی، اس نگر کے دھنوانوں کے دروازے پر جاکر کئی بار ان کے ہردے کا دوار کھٹکھٹایا کنتو سب جگہ سے یہی جواب ملا کہ واپس جاؤ، یہاں دیا نہیں ہے۔

روپا: ہم نے کہا کہ ایک غریب کنبے کی ناو رکھ کے بھنور میں ڈوب رہی ہے۔ اُس کا ہنستے ہوئے ہونٹوں سے یہ اُتر ملا کہ ڈوبنے دو۔ غریبوں کے ڈوبنے سے دنیا نہیں ڈوب جائے گی۔

گنگا: کیسا آشچریہ ہے۔ وہ جیون جو کالے بادلوں میں بجلی کی چمک کی طرح آتا اور چلا جاتا ہے۔ وہ جیون جو سرشٹی کے ہونٹوں پر ہنسی بن کر پیدا ہوتا ہے اور آنسو بن کر سمے کی لہر میں مل جاتا ہے۔ اس تُچھ جیون کو سوارتھ اور پاپ میں ڈوبے ہوئے منشیوں نے اجر اور امر سمجھ رکھا ہے۔ ہر روز کندھوں پر ارتھی اور شمشان میں جلتی ہوئی چتا دیکھ کر بھی انھیں اپنی مرتیو یاد نہیں آتی۔

سونا: کل ہم دونوں بھائی جیل میں کیلاش ناتھ سے ملنے گئے تھے۔ وہ پہلے بڑی دیر تک پتھر کے پتلے کی طرح استبدھ آنکھوں سے ہماری طرف دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اُس کے دونوں ہونٹ کانپنے لگے۔ اس کے منھ سے ایک چیخ نکلی اور جڑ سے کٹ گئے ہوئے درخت کی طرح ہمارے قدموں پر گر پڑا اور

اتنا رویا کہ اس کی آنکھوں کے آنسوؤں سے ہمارے پاؤں اور پاؤں کے پاس کی زمین بھیگ گئی۔

روپا: اُسے جیل میں بھی اپنی نہیں، اپنی نراشرے بچی کی چنتا ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ میں دکھی ہوں۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے جیل سے رہائی دلا دو۔ اُس نے کیول یہ کہا کہ میری ساوتری کی رکشا کرو۔

گنگا: بیٹا۔ یدی تمھارے سورگ واسی پتا آج جیتے ہوتے تو میں اُن سے ونے کرتی کہ گھر کی ساری پونجی گرو رکھ کر غریب کیلاش ناتھ کو چھڑا دو۔ یا میرے پاس چاندی سونے کے کچھ زیور ہوتے تو تمھیں دیتی کہ بیچ کر نردئی مہاجن کا قرض ادا کردو۔ کنتو کیا کروں۔ کوئی اپائے نہیں۔ میرے اور تمھارے پاس اُس غریب کے لیے سہانو بھوتی ہے، دھن نہیں ہے۔ جاؤ۔ بھائی شام لال کو بلالاؤ۔

روپا: آپ انھیں کیوں بلاتی ہیں؟

گنگا: کیا تم نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ مہاجن اور مہاجن کی مرضی شام لال کی مٹھی میں ہے۔ وہ انھیں کے کانوں سے سنتا اور انھیں کی آنکھوں سے دیکھتا اور انھیں کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ میں ابھاگے کیلاش ناتھ اور دُکھیا ساوتری کے لیے ہاتھ جوڑ کر شام لال سے دیا کی بھیک مانگوں گی۔ وہ غیر نہیں، بھائی ہیں۔ بھائی کو بہن کے پرارتھنا کی لاج رکھنی ہی ہوگی۔

سونا: کنتو وہ اِس دنیا میں اپنے سوارتھ کے سوا کسی کو اپنا نہیں سمجھتے۔

گنگا: پھر بھی مجھے آشا ہے کہ بنجر کھیت میں چھڑکے ہوئے دانوں کی طرح میرے شبد بیکار نہیں جائیں گے۔ جاؤ بلا لاؤ۔ میں ان سے کہوں گی کہ اپنے مالک کو سمجھاؤ کہ منشیہ کا جیون دو گھڑی کا تماشا ہے۔ ایک دن نہ امیری رہے گی نہ غریبی۔ نہ سکھ کے ستار کی جھنکار کان میں آئے گی، نہ دکھ کی پکار سنائی دے گی۔ اس لیے کرم کی کھیتی میں پھول کے بدلے کانٹے نہ بوؤ۔ یہ کانٹے اس لوک میں بھی چبھیں گے اور اُس لوک میں بھی۔

سونا: آپ کی آگیا ہے تو ہم جاتے ہیں— کلثو یاد رکھیے، چوٹ پڑنے پر پتھر سے آگ ہی نکلتی ہے۔ پانی نہیں نکلتا۔

(دونوں کا پرستھان)

گنگا: ہاں— دنیا کتنی بدل گئی۔ آج ہر جگہ دھرم کے بدلے دھن کی پوجا ہو رہی ہے۔ مانو اس سرشٹی کو ایشور نے نہیں چاندی سونے نے مل کر پیدا کیا ہے۔

(پرستھان)

ایکٹ دوسرا— سین دوسرا

راستہ

(کارندے کے ساتھ کسانوں کا پرویش)

کارندہ: یدی ہل میں جتے ہوئے بیلوں کا پسینہ زمین پر پگھلا ہوا سونا بن کر بہے۔ یدی تمھارے کھیتوں میں گیہوں کی جگہ پکھراج اور چاول کی جگہ ہیرے پیدا ہوں، یدی بادل سے جل کی بوندوں کے بدلے سفید موتی برسیں تو بھی لگان ادا کرنے کے سمے تم کسان لوگ یہی کہتے ہو کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔

کسان 1: کچھ ہو تو کہاں سے ہو؟ ہم سردی گرمی میں آدھی رات سے جاگ کر، جاڑے پالے میں ٹھٹھر کر دھوپ میں جل کر، خون کا پسینہ بنا کر جو کچھ پیدا کرتے ہیں، وہ سب مہاجن اپنے بیاج میں اور زمین دار اپنے لگان میں چھین لیتا اور ہماری محنت کی کمائی میں سے ہمارے لیے کیول ہائے ہائے اور فاقہ چھوڑ دیتا ہے۔

کارندہ: رادھے کانت بابو نے تمھیں گاؤں سے شہر میں تھیٹر اور بائیسکوپ کی سیر دکھانے کے لیے نہیں بلایا ہے۔ وہ اپنی کوٹھی پر تمھارے منھ سے تمھارا آخری جواب سننا چاہتے ہیں۔ غریبی کی دُہائی اور خوشامد سے جان نہ بچے گی۔ خوشی سے دو، سمجھانے سے دو، گالیاں اور ٹھوکریں کھا کر دو، کنتو لگان کا پیسہ پیسہ دینا ہوگا۔

(سب کا پرستھان۔ شام لال اور چمپت کے ساتھ بھونچال کا پرویش)

بھونچال: جس دن سے جیل کے پنجرے کی تیلیاں توڑ کر پر پھڑپھڑاتا ہوا باہر نکلا ہوں، اسی دن سے تم منگل مورتیوں کو ڈھونڈھ رہا تھا۔ آج راستے میں اچانک مڈبھیڑ نہ ہوجاتی، تو میں سمجھتا کہ اب کسی اور جنم میں درشن ہوں گے۔

شام لال: تم نے تو اپنا نام، لباس، چہرہ، چال، رنگ ڈھنگ سب بدل ڈالا۔ جب ہم پرانے ساتھی ہوکر تمھارے بتائے بنا تمھیں نہ پہچان سکے تو پولس تمھیں کب پہچان سکتی ہے۔

چمپت: گروجی، تم نے تو بھیس بدلنے میں ناٹک کے ایکٹروں کو بھی مات کردیا۔ اب تمھارے چہرے میں پرانے پاجی پن کے سوا اور کوئی پرانی چیز دکھائی نہیں دیتی۔

بھونچال: بیٹا چمپت۔ چہرا اور بھیس بدل دینا کون سی بڑی بات ہے۔ ضرورت ہو تو میں اپنے باپ تک کو بدل ڈالوں۔

شام لال: متر، تم یہ سن کر خوش ہوگے کہ میں اس شہر کے مشہور مہاجن۔ کیشو بابو کے اسٹیٹ کا منیجر ہوگیا ہوں— اچھا ہوا کہ تم جیل سے آگئے۔ اس بوڑھے کو کسی ترکیب سے مسان گھاٹ پہنچانے اور اس کی تمام جائیداد ہڑپ کرجانے کے لیے مجھے تمھاری رائے اور مدد کی ضرورت ہوگی۔

بھونچال: ایسے پنیہ کاریہ میں مدد دینے سے میں نے کب انکار کیا ہے۔ تم جیسے دس نمبر کے مہاتماؤں کی سیوا کرنا تو میرا دھرم ہے۔ کنتو اس سیوا کی کیا قیمت ملے گی؟

شام: جب تک جائیداد پر قبضہ نہ ہو، خرچ کے لیے پچاس روپے ماہانہ اور قبضہ ہوجانے کے بعد جائیداد کی چوتھائی۔ یعنی روپے میں چار آنا۔

بھونچال: تو لاؤ ہاتھ۔

شام لال: (ہاتھ ملاکر) یہ دوستی کا ہاتھ (ہاتھ پر ہاتھ مار کر) اور یہ وعدے کا ہاتھ۔

بھونچال: اچھا کہاں ملاقات ہوا کرے گی؟

شام لال: شام کے وقت کمپنی باغ میں۔

(پرستھان)

بھونچال: بیٹا چمپت۔ شام لال نے پچاس روپے مہینے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن پچاس میں تو پانچ دن کی شراب کا بھی خرچ نہیں نبھ سکتا۔ کوئی آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا اسامی پھانسے بغیر کام نہیں چلے گا۔

چمپت: اُدھر دیکھو۔ سامنے والی کوٹھی میں رادھا کانت نامی ایک نوجوان زمین دار رہتا ہے۔ جتنی دیر میں ہم ایک سیزر سگریٹ پی کر ختم کرتے ہیں، اُتنی دیر کے اندر یہ رنڈی، شراب، ریس میں ہزاروں روپے کا دھواں اُڑا دیتا ہے۔ اس سونے کی چڑیا پر پھندا پھینکو۔ پھنس گئی تو پھر چین ہی چین ہیں۔

بھونچال: لیکن جب تک دوستی نہ ہو، اس کی دولت ہماری جیب میں نہیں آسکتی۔ (سوچ کر) دیکھو بٹیا چمپت۔ ہم دونوں کو مل کر ایک ناٹک کرنا ہوگا۔ تم گھڑی، چین چھیننے کے لیے اس پر حملہ کرو اور میں انجان بن کر اس کی مدد کروں۔ یہی مدد مجھے اس کا دوست بنا دے گی۔

چمپت: بڑی عمر— پھانسی دینے سے بھی نہ مرے گا۔ گرو جی۔ وہی آرہا ہے۔

بھونچال: اپنا پارٹ سمجھ چکے ہو نا؟— تیار ہو جاؤ۔

(دونوں چھپ جاتے ہیں۔ رادھے کانت کا پرویش)

رادھے کانت: پارسی انفنسٹن ڈرامٹک کمپنی— آج رات کو نو بجے— نیا تماشا۔ ویر بالک۔ ماسٹر موہن کی کامک۔ مس کوپر کا پارٹ۔ میموں کا ناچ۔ جگمگاتی ہوئی سین سینری۔ آیئے دیکھیے۔ نہ دیکھیے گا تو افسوس رہ جائے گا— جب اشتہار اتنا خوبصورت ہے تو تماشا کتنا خوبصورت ہوگا۔ اشتہار میں تماشے کا نام ہے۔ ایکٹروں کا نام ہے۔ اسٹیج کی پریوں کا نام ہے۔ کنتو تماشا کے لیکھک کا نام نہیں ہے۔ ٹھیک تو ہے۔ لیکھک کے نام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لوگ تھیٹر میں گانے ناچ کا مزہ لینے جاتے ہیں۔ لیکھک کی لکھان دیکھنے تھوڑا ہی جاتے ہیں۔ سشیلا میرے ساتھ چلی تو اس کی ماں بہن اور استاد جی بھی ضرور نتھی ہو جائیں گے۔ کم سے کم دو بکس ریزروڈ کرانے ہوں گے۔ کیا ہرج ہے۔

سمجھوں گا۔ آج سشیلا کا مجرا نہ سنا، تماشا ہی دیکھا۔

چمپت: (پستول دکھا کر) گھڑی، چین، نوٹ جو کچھ جیب میں ہے، نکال دو۔

رادھے کانت: تم کون؟

چمپت: چپ— نہیں تو گھڑی، چین کے ساتھ جان بھی دینی ہوگی۔

رادھے کانت: پولس۔ پولس۔

چمپت: منھ بند کر۔

(رادھے کانت کی جیب سے گھڑی، چین نکالتا۔ پیچھے سے بھونچال آ کر گردن پکڑ لیتا ہے)

بھونچال: خبردار— کمینے— چور۔

چمپت: مرنے آیا ہے تو مر۔

(چمپت بھونچال پر فائر کرتا۔ بھونچال پستول چھین لیتا۔ چمپت بھاگتا ہے)

بھونچال: کہاں جاتا ہے؟

(چمپت کے پیچھے دوڑتا ہے)

رادھے کانت: یہ کیا تھا؟ ایک نے پستول سے حملہ کیا— دوسرے نے آ کر پران رکشا کی— کیا میں نے کھلی ہوئی آنکھوں سوپن دیکھا؟

(بھونچال واپس آتا ہے)

بھونچال: پاپ کا پھل بن کر پیچھے دوڑا۔ کمبخت نکل گیا پاجی— چھی چھی— اس دنیا میں ایسے ایسے نیچ کام اور ایسے ایسے اُدھرم ہوتے ہیں۔ شریمان۔ بھاگتے سے اُس دشٹ کے ہاتھ سے آپ کی گھڑی، چین گر پڑی تھی۔ لیجیے۔

رادھے کانت: تم نے اپنی جان کی پروا نہ کرکے میری جان کی رکشا کی ہے۔ میں اس

اُپکار کے بدلے میں یہ گھڑی، چین تمھیں بھینٹ دیتا ہوں۔

بھونچال: مہاشے۔ یہ گھڑی، چین کسی اور کو دان دیجیے۔ اس دنیا میں منشیہ کی سیوا سے بڑا کوئی پنیہ نہیں ہے۔ میں غریب آدمی ہوں، کنتو اپنا پنیہ نہیں بیچتا۔

رادھے کانت: کتنا بڑا دل!— سجن تمھارا نام؟

بھونچال: سیوک کا نام ہے۔ گھانسی رام۔

رادھے کانت: آج سے تم میرے متر ہو۔ میرے گھر تک چلنے کی کرپا کرو۔ میں تمھارا یہ اُپکار کبھی نہیں بھولوں گا۔

بھونچال: یدی اس تُچھ سیوا کا نام اُپکار ہے۔ تو ہے بھگوان سدا مجھ سے ایسے ہی اُپکار ہوتے رہیں۔

(دونوں کا پرستھان)

ایکٹ دوسرا — سین تیسرا

دیوان خانہ

(بھونچال اور رادھے کانت شراب پی رہے ہیں)

رادھے کانت: دنیا کا مزا دولت سے، دولت کا مزا جوانی سے، جوانی کا مزا شراب سے اور شراب کا مزا گورے رنگ اور رسیلی آنکھ والی سندری سے ہے۔

بھونچال: دولت، جوانی، شراب اور سندری، جس بھاگیہ وان کے پاس یہ چار چیزیں ہوں، اُسے دنیا میں پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

رادھے کانت: اس گلاس میں کیا دکھائی دیتا ہے؟

بھونچال: نشے کی لہروں میں تیرتی ہوئی رس، رنگ سگندھ کی رنگین دنیا۔

رادھے کانت: بس تو مجھے یہ دنیا چاہیے۔ سورگ نہیں چاہیے اور کچھ نہ ہو کنتو شراب ہو اور سندری ہو۔

(کارندے کا پرویش)

کارندہ: شریمان، آپ کی آگیا نوسار اسامیوں کو گاؤں سے بلا لایا ہوں۔ وہ کہتے ہیں لگان میں دینے کے لیے پران ہیں کنتو پیسے نہیں۔

رادھے کانت: سرکس والے یکتی اور ڈنڈے سے ریچھ اور شیر کو ناچنا سکھا دیتے ہیں۔ تمھارے پاس میرا حکم تھا، پیادے تھے، گاؤں کے نمبردار اور پٹیل تھے، پھر بھی تم انھیں ٹھیک نہ کرسکے۔ تمھاری جگہ اب مجھے کوئی اور کارندہ رکھنا ہوگا۔

حاضر کرو۔

بھونچال: ان کسانوں کا سوبھاؤ بھی وچتر ہے۔ ہندستان کا کسان سال میں چھ مہینے کھیتی باڑی کرتا اور چھ مہینے عدالت میں مقدمہ لڑتا ہے۔ زمین دار کو لگان دینا ہو تو غریب بن جائے گا اور مقدمہ لڑنا ہو تو گھر اور کھیت بیچ کر کچہری اور وکیلوں کو بھینٹ چڑھا دے گا۔

(کارندے کے ساتھ کسانوں کا پرویش)

سب کسان: دُہائی ہے۔ دہائی ہے۔ زمین دار بابو کی دُہائی ہے۔

کسان 1: ہمارے لیے بادل کے پاس پانی نہیں ہے۔ دھرتی کے پاس اَنّ نہیں ہے۔ کھیت کے پاس ہریالی نہیں ہے، جیسے روگی وید کے پاس، پیاسا کنوئیں کے پاس، دردر دانی کے پاس جاتا ہے، ویسے ہی ہم آشا اور پرارتھنا کے ساتھ آپ کے چرنوں میں آئے ہیں۔ ہمیں اپنی دیا کی چھایا میں شرن دیجیے۔

کسان 2: سمے نے دکھ کی چھری گلے پر رکھ دی ہے۔ اس چھری سے ہماری رکشا کیجیے۔

رادھے کانت: بدمعاشو۔ یہ میری بھول تھی جو اَب تک تمھارا گھر، کھیتی، ہل، گائے، بیل نیلام کرانے کے بعد باقی قرضے میں تم سب کو جیل نہیں بھیجا۔ اب میری کوٹھی ہی تمھارا جیل ہے۔ مال گزاری کا روپیہ دیے بغیر تم اِس جیل سے رہا نہیں ہوسکتے۔

کسان 1: لیکن مائی باپ، کہاں سے روپیہ دیں۔ برسات نہ ہونے کے کارن دو برس سے ایک دانہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ چارا گھاس نہ ملنے سے غریب جانور مرگئے۔ کھیت دھوپ سے جل گئے۔ گھر کے برتن اور بدن کے کپڑے تک بک گئے۔ مہاجن کے پاس دو آنہ بیاج پر اس سال کی فصل گرو رکھ کر پچھلے سال کی مال گزاری ادا کی تھی۔ کنتو نہ فصل ہوئی اور نہ بیاج ادا ہوا۔ ہمیں چھ مہینے کا سمے دیجیے۔ ہم پیٹ پر پتھر باندھیں گے، بال بچوں کو ننگا بھوکا رکھیں گے، مہاجن کی گالیاں سنیں گے، کنتو اگلی فصل پر آپ کی مال گزاری ادا

کردیں گے۔

رادھے کانت: سرکار کے ٹیکس اور مال گزاری کے روپیے ٹھیک سے پر خزانہ میں داخل نہ ہوں تو کیا تحصیل دار اور کلکٹر ہمیں مہلت دیتے ہیں؟ پھر ہم تمھیں کیوں مہلت دیں۔ جیسے بادل سمندر سے پانی لے کر کھیتوں کو دیتا ہے، ویسے ہی ہم تم سے لگان کا روپیہ لے کر سرکار کو دیتے ہیں۔ ہمیں روپیہ چاہیے۔ جھوٹے خوشامدیو، تمھاری خوشامد نہیں چاہیے۔

کسان 2: پانی نہ برسنے پر بادلوں کی خوشامد، بیج خریدنے کے لیے گاؤں کے مہاجن کی خوشامد، لگان ادا نہ ہونے پر کارندے کی خوشامد، گالی، لات اور بیگار سے بچنے کے لیے تھانیدار اور تحصیل کے چپراسیوں کی خوشامد، کچہری میں کھنچے جانے کے بعد عدالت کے پیادوں اور وکیلوں کی خوشامد۔ اس دنیا میں بھارت کے کسانوں کا جنم ہی محنت اور خوشامد کے لیے ہوا ہے۔ یہ بھارت میں جنم لینے ہی کا پھل ہے کہ ہم خوشامد کرکے بھی ٹھوکریں کھانے اور دنیا کا پیٹ پالنے کے لیے رات دن محنت کرکے بھی خود بھوکوں مرتے ہیں۔

رادھے کانت: سمجھ گیا۔ لوہے کو نرم کرنے کے لیے آگ میں تپانا ہوگا۔ تم کسانوں کے ہونٹوں سے ’دیتے ہیں‘ کا شبد تب ہی نکلتا ہے، جب تمھارے منھ پر بوٹ کی ٹھوکر پڑتی ہے۔

کسان 3: آپ اپنے بوٹ کی ٹھوکروں سے ہم غریبوں کو دھرتی پر بیکار اُگی ہوئی گھاس سمجھ کر روند ڈالیے۔ اپنے پاؤں کا جوتا بنانے کے لیے ہمارے بدن کی کھال اتار لیجیے۔ ہم اپنے محنت کے پسینے سے کھیت سینچ کر بھارت کا پیٹ پالتے ہیں۔ اس اَپرادھ میں ہمارا گلا گھونٹ دیجیے۔ کنتو ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے۔ ہم آپ سے اس لیے دیا مانگتے ہیں کہ دو برس سے ہمارے کھیتوں پر بادلوں نے دیا نہیں کی۔

رادھے کانت: تو کیا میں نے بادلوں کو منع کردیا تھا کہ پانی نہ برساؤ۔ کھیتوں کو حکم دے دیا تھا کہ اناج نہ اگاؤ۔ زمین کو روک دیا تھا کہ تمھیں چاول اور گیہوں کا ایک

دانہ نہ دے۔ تم ہر فصل پر بادلوں کی پوجا کرتے ہو۔ پھر بادل دیوتا سے کیوں نہیں کہا کہ دیا کرکے پانی برساؤ۔ پانی نہیں برساتے تو اناج برساؤ۔ اناج بھی برسانا نہیں چاہتے تو زمین دار کی لگان دینے کے لیے روپیے برساؤ۔

کسان 1: اَنّ داتا۔ سمندر میں ندی نالے کا پانی اور آپ کی بھری ہوئی تجوری میں ہم غریبوں کے تھوڑے سے روپیے نہ پہنچے تو سمندر سوکھ جائے گا اور نہ آپ کی تجوری میں سونے چاندی کا کال پڑجائے گا۔ دنیا کا دھن خرچ کرنے سے گھٹتا، اور دھرم کا دھن جتنا خرچو اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ آپ نے اب تک روپیہ جمع کیا۔ اب غریبوں کا آشیرواد جمع کیجیے۔

رادھے کانت: غریبوں کا آشیرواد روپیہ ہے، اشرفی ہے، نوٹ ہے، بینک کا چیک ہے، ہنڈی ہے، کسی فرم کا شیئر ہے، کیا چیز ہے؟ جو تم لگان کے بدلے مجھے دینا چاہتے ہو؟ جس آشیرواد سے موٹر کے لیے ایک ٹن پٹرول بھی نہیں خریدا جاسکتا، اُس آشیرواد کو پاکر صرف بیوقوف خوش ہوسکتے ہیں۔ میں بیوقوف نہیں ہوں۔ مجھے رشیوں کے وقت کا پرانا دھرم اور تمھارا آشیرواد نہیں چاہیے، دنیا کا دھن اور دنیا کا سکھ چاہیے۔

کسان 2: مہاراج۔ یہ دونوں چیزیں قیمت دے کر آپ نے ایشور سے مول نہیں لی ہیں۔ وہ جب چاہیں اپنا دیا ہوا 'دھن اور سکھ' آپ سے چھین سکتے ہیں۔ اس گھومتے ہوئے دھرتی کے گولے پر منشیہ کی قسمت رات دن کروٹ لیتی رہتی ہے۔ اس لیے ایشور سے دیا چاہتے ہیں تو غریبوں پر دیا کیجیے۔ سنسار ساگر میں منشیہ کے جیون کی ناؤ دھن سے نہیں، دھرم سے پار ہوتی ہے۔

رادھے کانت: پاجی، روپیے کے بدلے اُپدیش دیتا ہے۔ (تھپڑ اور لاتیں مار کر) تیرے اُپدیش کا یہ جواب ہے۔

کسان 1: ہائے غریبی—— غریبی۔

کسان 2: دیامے، کیا دنیا میں سارے دکھ اور سارے اپمان کیول غریبوں ہی کے لیے ہیں؟

رادھے کانت: غریب دنیا کے کتے ہیں اور کتے ٹھوکر اور لات ہی سے سیدھے ہوتے ہیں۔

(لاتیں مارتا ہے)

کسان 3: بس کرو مہاراج۔ بس کرو۔ ہم سہن کرلیں گے، کنتو بھگوان یہ انیائے نہ سہن کرسکیں گے۔

رادھے کانت: بھگوان پر بھروسا ہے تو انھیں اپنی سہایتا کے لیے کیوں نہیں بلاتا۔ (لات مارتا ہے۔ بھونچال سے) ہنٹر لاؤ--

(بھونچال دیوار پر لٹکتے ہوئے ہنٹر اتار کر لاتا ہے)

بھونچال: یہ لیجیے۔

رادھے کانت: ایک ہنٹر تم لو اور ایک مجھے دو (کسانوں سے) روپے نکالو، نہیں تو تمھاری پیٹھ کے لہو سے اس زمین کو لال مخمل کا فرش بنا دیں گے۔

کسان 1: مارو— مارو— اتنا مارو کہ ہماری پیٹھ سے لہو کی دھاریں اُچھل کر ایشور کے سوئے ہوئے غصے کی آنکھوں پر جا پڑیں اور وہ جاگ کر دیکھے کہ اس دنیا میں دھنوان اتیارچار کی چکی میں غریبوں کو کس طرح پیس رہے ہیں۔

بھونچال: نکالو لگان۔ سمجھ لو۔ ان ہنٹروں میں چھری کی دھار سے زیادہ کاٹ اور بچھو کی ڈنک سے زیادہ جلن ہے۔

رادھے کانت: بولو۔ روپے دیتے ہو یا نہیں؟

کسان 2: ہمارے پاس روپے ہوں بھی تو اب ہم ناچ، رنگ، رنڈی، شراب میں خرچ کرنے اور دھرم کا گلا گھونٹنے کے لیے تمھیں نہیں دینا چاہتے، ہم روپے کے بدلے تمھیں اپنی گھرنا، اپنی دھکار، اور تمھاری دھن شکتی کا سروناش ہونے کے لیے اپنے ٹوٹے ہوئے دل سے نکلا ہوا شراپ دیتے ہیں۔

رادھے کانت: برساؤ کوڑے۔

(بھونچال اور رادھے کانت کسانوں کو کوڑے مارتے ہیں۔ سونا، روپا کا پرویش)

روپا: یہ کیا۔ یہ کیا؟

سونا: ٹھہرو۔ ہاتھ روکو۔ چوری، ڈاکا، خون، کس اَپرادھ کے لیے انھیں ایسی بھیانک سزا دے رہے ہو؟

رادھے کانت: یہ ہمارے گاؤں کے کسان ہیں۔ کسانوں سے مال گزاری کا روپیہ زبان سے نہیں، ہنٹروں ہی سے وصول ہوتا ہے۔

سونا: ایشور نے، سماج نے، قانون نے، کس نے تمھیں غریبوں کو ستانے کا ادھیکار دیا ہے؟ یہ غلام نہیں ہیں، قیدی نہیں ہیں، بے زبان جانور نہیں ہیں، تمھاری ہی طرح منشیہ ہیں۔ تم غریبوں کو منشیہ سمجھ کر اُن کے ساتھ منشیوں جیسا برتاؤ نہ کرو گے تو دھرم اور عدالت سرکار اور ایشور، کوئی تمھیں شما نہیں کرے گا۔

رادھے کانت: بکو مت۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟

سونا: جس دن میں نے موٹر میں کود کر تمھارے پاپ کے پنجے میں پھنسی ہوئی ہندو کنیا کا ستیتو بچایا تھا۔ اس دن تم نے معافی مانگنے کے ساتھ بھوشیہ میں پوتر جیون بتانے کی قسم کھائی تھی۔ میں سمجھا تھا کہ دُشٹ سے دھارمک آدمی بن گئے ہوں گے، اس دھوکے میں آج تم سے ایک دھرم کاریہ میں سہایتا مانگنے آیا تھا۔ ان غریبوں کو چھوڑ دو— نہیں تو ان کی رکشا کے لیے مجھے قانون اور عدالت کی سہایتا مانگنی پڑے گی۔

رادھے کانت: میرا حکم ہی ان کے لیے قانون، اور میرا گھر ہی ان کے لیے عدالت ہے۔ (بھونچال سے) مارو کوڑے— دیکھو، میری عدالت اس طرح سزا دیتی ہے۔

(رادھے کانت اور بھونچال کسانوں کو مارتے ہیں۔ روپا اور سونا ہنٹر چھین کر اُن دونوں کو پیٹنا شروع کر دیتے ہیں)

ایکٹ دوسرا— سین چوتھا

کامک

(لال چند کا مکان)

شوبھا رام: واہ بھئی واہ۔ کیا نئے ٹائپ کا مالک ملا ہے۔ لوگ ہوشیار نوکر، محنتی نوکر، نمک حلال نوکر مانگتے ہیں اور یہ کنوارا نوکر مانگتا ہے۔ کہتا ہے، چاہے نوکر سمجھ میں پھپھوندی لگا ہوا آلو بخارا ہو، کام کرنے میں ٹوٹا ہوا کھٹارا ہو، صورت شکل میں جھاڑو تارا ہو، کنتو ڈبل کے بدلے سنگل یعنی بیاہا نہیں کنوارا ہو۔ جب کنوارا ہونا ہی نوکری کی شرط ہے، تب نوکری کے لیے بی اے، ایم اے پاس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بی اے، ایم اے کا سرٹیفیکٹ لینے کے بدلے کالج سے کنوارا ہونے کا سرٹیفکٹ لینا چاہیے۔

(لال چند کا پاگلوں کی طرح پرویش)

لال چند: ہائے ہائے۔ جوانی کا روپ تھا، یا گلابی کاغذ پر سنہری تصویر، نگاہیں تھیں یا وِش میں ڈوبے ہوئے تیر۔ مرگیا، شوبھا، مرگیا۔

شوبھا رام: شوبھا مرگیا یا آپ مرگئے؟

لال چند: ارے میں مرگیا۔

شوبھا رام: ایشور آپ کو سورگ میں ٹھکانہ دے۔ کنتو مہاشے، کیسے مرگئے، کیوں مرگئے؟ اپنی چوتھی استری سے پوچھے بنا آپ کو مرنا نہیں چاہیے۔ اس کا پتی، باپ،

بھائی، جو کچھ ہیں۔ آپ ہی ہیں۔

لال چند: ارے اُس چوتھی بیوی کو گولی مار۔ وہ اپنے باپ کے گھر گئی ہے۔ ایشور کرے وہ اپنے باپ کے گھر سے سیدھی یم راج کے گھر پہنچ جائے۔ ہائے ہائے مرگیا۔ مرگیا۔ دیکھ چھاتی کے اندر دل کیسا دھڑ دھڑ کررہا ہے۔

شوبھا رام: (سینے پر ہاتھ رکھ کر) اوہ ہو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھاتی کے اندر ٹٹّی کی ریس ہورہی ہے۔

لال چند: ابھی ابھی میں نے کوٹھے کی کھڑکی سے بجلی کی طرح چمکتی اور پھولوں کی ڈالی کی طرح لچکتی ہوئی ایک جوان سندری کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ آہاہا— کیا مزے دار عورت تھی۔

شوبھا رام: ارے کہیں اس بڈھے بلے نے میری ربڑی کی ہنڈیا تو نہیں دیکھ لی۔

لال چند: اَہ ہا۔ چہرا رسیلا، آنکھیں رسیلی، ہونٹ رسیلے، سر سے پاؤں تک رس میں ڈوبی ہوئی بالکل انگور کی پٹاری معلوم ہوتی تھی۔

شوبھا رام: مہاشے آپ نے تو پرتگیا کی تھی کہ اب میں کسی استری کا منھ بھی نہ دیکھوں گا۔ کیا اب اپنی کنواری پرتگیا کو ودھوا بنانا چاہتے ہیں۔

لال چند: نشچے میں نے استری کو نہ دیکھنے کی پرتگیا کی تھی، کنتو وہ استری نہیں، اندر سبھا کی پری ہے پری۔

(سرلا کا پرویش)

سرلا: اچھا گھر دلایا۔ چلو سمجھاؤ۔ دربان کہتا ہے کہ کرایہ پہلے دینا ہوگا۔

لال چند: یہی ہے۔ یہی ہے۔ وہ چھلاوا۔ وہ پری۔ وہ پٹاخہ، وہ سات فیر کا طمنچہ یہی ہے۔

شوبھا رام: ارے تم گھر چھوڑ کر یہاں کیوں آئیں؟

سرلا: تمھیں بلانے کے لیے۔ دربان کرائے کے لیے دروازے پر ڈنڈا لیے بیٹھا ہے۔

شوبھا رام: بس گھر اور کرائے کے پھیر میں نوکری گئی۔

سرلا: یہ کون؟ مجھے اس طرح کیوں گھور رہا ہے؟

شوبھا رام: منھ پھیر لو۔ نہیں تو یہ بلاٹنگ پیپر کی طرح آنکھوں سے تمھارا آدھا روپ چوس لے گا۔

سرلا: مگر یہ ہے کون؟

شوبھا رام: وہی کنوارے نوکروں والا مالک۔

سرلا: تمھارا مالک۔ ہائے ہائے، جب تو میں مرگئی۔

شوبھا رام: تم مرو یا نہ مرو۔ مگر یہ تم پر ضرور مرگیا۔

لال چند: اِدھر آ شوبھا۔ اِدھر آ۔ دیکھا کیسی نمکین رسیلی عورت ہے۔

شوبھا رام: جی ہاں۔ کٹلر پامر کے بسکٹ سے بھی زیادہ خستہ اور کرسمس کے کیک سے بھی زیادہ میٹھی ہے۔

لال چند: جب تجھ سے ملنے آئی ہے تو ضرور تو اسے جانتا ہوگا۔ یہ کون ہے؟

شوبھا رام: جی— یہ...... یہ...... میری اِستری......

لال چند: کیا!

شوبھا رام: یہ میری بہن ہے۔

لال چند: کیوں جی، یہ سچ کہہ رہا ہے؟

سرلا: جی نہیں، میں ان کی......

شوبھا رام: سنبھالنا، نوکری کی خیریت نہیں ہے۔

سرلا: جی، یہ میرا بھائی ہے۔

لال چند: ایسی سندر لڑکی کو جنم دے کر تمھارے پتا جی تو......

شوبھا رام: جی ہاں، وہ آپ ہی کی عمر کے تھے۔

لال چند: چپ بیٹھ۔ میں تجھ سے نہیں پوچھتا۔

سرلا: میرے پتا جی تو دو برس ہوئے، مرگئے۔

شوبھا رام: تو کیا ہرج ہے۔ مالک بھی باپ کے برابر ہوتا ہے، تم آج سے انھیں کو اپنا باپ سمجھو۔

لال چند: یہ کانٹا اسی طرح چبھتا رہے گا۔ بہانہ بنا کر اسے ٹرخانا چاہیے۔ (شوبھا سے)

منھ پھیکا ہو رہا ہے۔ جاؤ، بازار سے پان لاؤ۔

شوبھا رام: دیکھو، مجھے گھسا دے کر کھسکانا چاہتا ہے۔ مہاشے پان کہاں سے لاؤں۔ تنبولیوں نے اسٹرائک کر دی ہے۔

لال چند: سمجھ گیا۔ بہن کو اکیلا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔ اچھا ایک پیکٹ سگریٹ خرید لا۔

شوبھا رام: سگریٹ بھی نہیں ملے گا۔

لال چند: کیوں؟

شوبھا رام: کیونکہ سودیشی لیڈروں نے سگریٹ کا بائیکاٹ کرادیا ہے۔

لال چند: بائیکاٹ کے بچے۔ بازار تک جا تو سہی۔ پھر کھڑا ہے۔ کیا منھ کے بدلے لات سے حکم دوں؟

شوبھا رام: بٹیا جھڑوس۔ تم مجھے لاکھ ٹالو، مگر میں سنیچر کی طرح تمھارے سر پر سوار ہی رہوں گا۔

(چھپ کر آڑ میں کھڑا ہو جاتا ہے)

لال چند: سندری۔ ان آنکھوں نے آج تک ہزاروں رسیلی نکیلی استریاں دیکھیں، کنتو یہ چہرا، یہ چھب، یہ روپ......

شوبھا رام: آچھیں......

لال چند: سگریٹ لینے گیا اور ناک سے فائر کرتا ہوا خالی ہاتھ واپس آیا؟

شوبھا رام: مہاشے، آپ سے کوئی آدمی ملنے آیا ہے۔

لال چند: چولھے میں جائے تو بھی اور ملنے والا بھی۔ کہہ دے کہ میرا مالک گھر میں نہیں ہے۔

شوبھا رام: (دروازے کی طرف منھ کرکے) اجی سنتے ہو۔ میرے مالک کہتے ہیں کہ میں گھر میں نہیں ہوں۔

لال چند: میں کہتا ہوں۔

شوبھا رام: اور نہیں تو کیا میں کہتا ہوں۔

لال چند: گدھے۔ کہہ دے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی۔

شوبھا رام: سنتے ہو، میرے مالک گھر میں ہیں لیکن، کہتے ہیں کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی۔

لال چند: ارے باوا۔ کہہ دے کہ میرا مالک بیمار ہے۔

شوبھا رام: نہیں سرکار۔ میں اپنے مالک کے لیے ایسی اَشبھ بات نہیں نکال سکتا۔

لال چند: اپنی بکے جاتا ہے۔ کیسا پاجی نوکر ہے۔

شوبھا رام: (سائڈ میں) ہوں ہوں۔ نوکر پاجی اور مالک بڑے شریف۔ جو نوکر کو ٹرخا کر اس کی جورو پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔

لال چند: جا میرے بھائی— میرے باپ جا— کوئی بہانہ بنا کر اُسے ٹال دے۔ میں کل ہی تجھے پرائیویٹ سکریٹری سے اپنی اسٹیٹ کا منیجر بنا دوں گا۔

شوبھا رام: دیکھا خوبصورت بیوی سے بیاہ کرنے کا یہ فائدہ ہے۔ آج ہی سے ڈگری بڑھنے لگی (جاتے جاتے سرلا سے) عزت سنبھالنا۔ بڑا پرانا پاپی ہے۔

لال چند: نالائق نے بیچ میں ٹپک کر بات کا مزا ہی کھودیا۔ ہاں..... میں کیا کہہ رہا تھا؟

سرلا: آپ یہ کہہ رہے تھے کہ اس مرتبہ وائسرائے کا کپ گھوڑا نہیں ایک گھوڑی جیتے گی۔

لال چند: بڑی چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے— نہیں جی— بیٹھ جایئے نا—

(لال چند کرسی بڑھاتا جاتا ہے اور سرلا کرسی ہٹاتی جاتی ہے)

ہاں، میں کہہ رہا تھا کہ تم جس وقت موٹر میں بیٹھ کر نکلتی ہوگی تو سینکڑوں آدمی چاہتے ہوں گے کہ پہیے کے نیچے لیٹ جائیں۔ یہ ہرن جیسی آنکھیں، مور جیسی گردن، لقا کبوتر جیسی چال......

(شوبھا رام آکر زمین پر ڈنڈا پٹکتا اور لال چند گھبرا کر کرسی سے نیچے گر پڑتا ہے)

شوبھا رام: ٹھہر تو سہی چنڈال۔ ہات تیری اُڑ گیا۔

لال چند: ارے او پاگل— یہ ڈنڈا لے کر کیوں آیا؟

شوبھا رام: سیٹھ جی گھبرایئے نہیں۔ ایک بدمعاش کوا میری مینا پر جھپٹا مارنا چاہتا تھا۔

اس لیے ڈنڈا پٹک کر اُسے بھگا دیا۔

لال چند: تو بڑے پاجی باپ کا بٹیا معلوم ہوتا ہے۔ نکل یہاں سے، نہیں تو اسی ڈنڈے سے تیری ٹانگیں توڑ دوں گا۔

تلسا: (اندر سے) بس۔ اس سے زیادہ کرایہ نہیں ملے گا— بھیرو— سامان دیکھ لینا گاڑی میں کچھ چھوٹ نہ جائے۔

لال چند: یہ تو میری جورو کی آواز! کیا باپ کے گھر سے واپس آگئی۔

شوبھا رام: کیوں۔ کیوں گھبرا کیوں گئے؟ جورو آئی ہے، بخار تو نہیں آیا ہے۔

لال چند: ارے وہ ہیضے کی ماسی اور بخار کی نواسی ہے۔ پرائی عورت کو گھر میں دیکھے گی تو کھوپڑی پر ایک بال بھی نہ چھوڑے گی۔

شوبھا رام: تو اچھا ہوا حجامت کے پیسے بچ جائیں گے۔

تلسا: (اندر سے) نہیں نہیں۔ اس سے زیادہ کرایہ نہیں دینا۔

لال چند: ارے وہ آپہنچی۔ چھپا۔ باوا۔ اسے کہیں چھپا۔

شوبھا رام: کہاں چھپاؤں۔

لال چند: چولھے میں، بھاڑ میں، ٹوپی میں، پاکٹ میں، جوتے میں کہیں چھپا دے۔

شوبھا رام: آپ گئے پان مانگا تھا۔ ٹھہریے میں لاتا ہوں۔

لال چند: ارے ٹھہر۔ پان کے پھیر میں رہا تو بیوی آکر طمانچوں سے منہ لال کر دے گی۔ پہلے اس قینچی کے سگریٹ کو کسی ڈبیا میں بند کر دے۔

شوبھا رام: نہیں۔ میں آپ کا پرائیوٹ سکریٹری ہوں۔ عورت کی نوکری کرنا میرا انسلٹ ہے۔

لال چند: دیکھ جس طرح تو کنوارا ہے، اُسی طرح میری عزت بھی کنواری ہے۔ اس وقت اس کی رکشا کر۔ میں تجھے انعام دوں گا— یہ لے۔

(نوٹ دیتا ہے)

شوبھا رام: میں روپے کا لالچی نہیں ہوں۔ کنتو لکشمی کا اپمان نہ کرنے کے لیے کرپا

کرکے لیے لیتا ہوں (سرلا سے) اچھا میری گوری گوری کوئل اس پنجرے میں داخل ہوجاؤ۔

لال چند: جاؤ۔ میری ماں، جاؤ۔

سرلا: ابھی سندری کہہ رہے تھے اور اب ماں کہہ رہے ہو؟

لال چند: ضرورت کے وقت لوگ گدھے کو باپ بنا لیتے ہیں۔ میں نے تمھیں ماں کہہ دیا تو کیا ہرج ہے۔

(سرلا پردے کی آڑ میں چھپ جاتی ہے)

تلسا: (آکر) واہ وا۔ گویا میں گھر کی مالکن ہی نہیں ہوں۔ آواز پر آواز دے رہی ہوں اور کوئی نوکر سامنے نہیں آتا۔ جی چاہتا ہے اس گھر کو آگ لگا دوں۔

شوبھا رام: ٹھہریے۔ آگ لگانا ہے تو پہلے فائر بریگیڈ والوں کو ٹیلیفون کرلینے دیجیے۔

تلسا: (شوبھا سے) تم بھی بہرے ہوگئے تھے۔ جاؤ سامان گن کر کمرے میں رکھوا دو— سنا نہیں؟

شوبھا رام: شریمتی جی۔ ایک جیوتشی نے مجھے یہاں سے ہٹنے کے لیے منع کیا ہے۔ میں یہاں سے ہٹوں گا تو چاند اور جھاڑو تارے میں ٹکر ہوجائے گی۔

تلسا: یہ کیا! یہ پردہ کیوں ہل رہا ہے؟

شوبھا رام: جی یہ پردہ بیمار ہوگیا ہے۔ دو دن سے اسے جاڑا دے کر بخار آتا ہے— (لال چند سے) کیوں کہہ دوں؟

لال چند: خبردار۔ دیکھ میں اپنے باپ کی عزت تیرے پاؤں پر رکھتا ہوں۔

(ٹوپی پاؤں پر رکھتا ہے)

شوبھا رام: عزت بینک کا چیک نہیں ہے۔ نقدی لاؤ۔

لال چند: لے باوا لے۔

(نوٹ دیتا ہے)

تنسا: مجھے شک ہوتا ہے۔ ضرور اس پردے کے پیچھے کوئی چھپا ہے۔

(پردہ ہٹانے چلتی ہے)

لال چند: اجی اُدھر کہاں جاتی ہو؟— سنو، میں نے تمھارے لیے بنارس سے ساڑی اور پیرس سے جوتا منگایا ہے— ایسا اچھا جوتا......

تلسا: جوتا میری سوت کے منھ پر مارو۔ (شوبھا رام سے) الگ ہٹ۔ (پردہ ہٹا کر سرلا کو باہر کھینچتی ہے) یہ کیا؟

شوبھا رام: بڑھاپے کا ناٹک۔

تلسا: تو کون؟

شوبھا رام: (سرلا سے) اس ناٹک میں کام کرنے والی ایکٹریس۔

تلسا: کیوں۔ میرے جانے کے بعد گھر بھی تھیٹر بن جاتا ہے؟ عورتیں بلائی جاتی ہیں۔ کیوں ری تجھے کوئی جوان پتی نہیں ملا، جو بوڑھے کے گلے پڑنے آئی ہے؟

شوبھا رام: شریمتی جی۔ ڈھول گلے میں نہیں لٹکا بلکہ گلا ڈھول میں لٹک گیا ہے۔

تلسا: چپکا رہ— نہیں تو تیرا منھ نوچ لوں گی۔ عورتیں لانے کے لیے پرائیویٹ سکریٹری بنا تھا؟

شوبھا رام: شریمتی جی خفا نہ ہوں— آج کل تو بڑے بڑے راجاؤں کے پرائیوٹ سکریٹری کو بھی یہی دھندا کرنا پڑتا ہے۔

تلسا: دیکھ بوڑھے میں تیری ارتھی پر رو سکتی ہوں۔ لیکن سوت کا جلاپا نہیں سہ سکتی۔ آج گلے میں کلسی باندھ کر خود بھی ڈوبوں گی اور تجھے بھی ساتھ لے ڈوبوں گی۔

لال چند: (شوبھا سے) ارے باوا کچھ بول۔ کیا کیس ہار جانے کے بعد وکالت کرے گا؟

شوبھا رام: اجی سیٹھانی جی، بات یہ ہے......

تلسا: میں کوئی بات سننا نہیں چاہتی۔ پہلے یہ بتا کہ یہ کون ہے؟

شوبھا رام: یہ بیاہ کی دکان کا حلوا سوہن ہے۔ جو دیکھتا ہے منھ مارنا چاہتا ہے۔

سرلا: اجی مجھ سے سنو— میں بھی تمھاری جیسی ایک عورت ہوں۔

تلسا: میری جیسی۔ میری جیسی کیسے ہو سکتی ہے؟ میں تو بیاہی ہوئی ہوں۔

سرلا: تو میں کب کنواری ہوں۔

تلسا: تو کیا تیرا بیاہ ہو چکا ہے؟

شوبھا رام: نہیں تو کیا پتی کے پیدا ہونے کا راستہ دیکھ رہی ہے۔

تلسا: تیرے پتی کا نام

سرلا: ہندستانی لڑکی اپنے منھ سے پتی کا نام کیسے بتا سکتی ہے؟ یہ تمھیں پتی سے پوچھنا چاہیے۔

شوبھا رام: اور شریمان پتی جی آپ کے سامنے اُپستھت ہیں۔

لال چند: ابے کیوں جھوٹ بولتا ہے؟ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ یہ میری بہن ہے۔

شوبھا رام: بہن ہوگی، تمھارے لڑکے کی۔ یہ تو میری ساس کی لڑکی ہے۔

تلسا: یہ تیری استری ہے۔ تو اسے تو نے پردے کے پیچھے کیوں چھپا رکھا تھا؟

شوبھا رام: اس لیے کہ اس چھپٹے کچالو کے دونے کو ایک پاگل کتا لے بھاگنا چاہتا تھا۔

تلسا: تیری بیوی ہے تو قسم کھا۔

شوبھا رام: (لال چند کے سر پر ہاتھ رکھ کر) سیٹھ کے پیروں کی قسم۔

لال چند: او پاجی۔ تو نے مجھے دھوکا دیا۔ میں نے تو کنوارا سمجھ کر پرائیوٹ سکریٹری بنایا تھا۔ نکل۔ ابھی نکل میرے گھر سے۔

شوبھا رام: اچھا تو میں بھی بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔ سیٹھانی جی اصل بات یہ ہے کہ......

لال چند: ارے چپ چپ۔

شوبھا رام: تو لاؤ— لاؤ۔

(لال چند نوٹ دیتا ہے)

تلسا: شوبھا کیا ہے؟

شوبھا رام: جی کچھ نہیں— ہمارے شریف مالک ایسی خوبصورت جورو ملنے پر مجھے دھنیہ واد دے رہے ہیں۔

تلسا: ناتھ، میں نے غصے اور بھول میں شک کیا۔ شما چاہتی ہوں۔

لال چند: جاؤ شما کیا اور پرائیوٹ سکریٹری مہاشے، تمھیں بھی معاف کرتا ہوں۔

سرلا: اور مجھے؟

لال چند: تمھیں تو پہلے ہی سے سات خون معاف ہیں۔ سکریٹری مہاشے، اب تمھیں الگ گھر لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم دونوں میرے ہی گھر میں رہ سکتے ہو۔

شوبھا رام: نا باوا۔ کتے کی دُم اور بوڑھوں کی نیت کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔ اس گھر میں رہا، تو نوکری اور جورو دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔

لال چند: وشواس کر۔ میں اسے اپنی بیٹی سمجھوں گا۔

شوبھا رام: تو آپ بھی وشواس کیجیے۔ یہ جہاں رہے گی، وہاں سے آپ کو باپ سمجھ کر خیریت کا خط لکھا کرے گی۔

ایکٹ دوسرا — سین پانچواں

کیلاش ناتھ کا گھر

(ساوتری دکھی من سے بیٹھی ہے)

ساوتری: دنیا میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ بھاگیہ جل گیا، سکھ جل گیا، ہنسی جل گئی۔ سنسار کی شوبھا جل گئی۔ کنتو کتنا آشچریہ ہے کہ دُکھ ابھی تک نہیں جلا۔ جلنے کے بدلے جل میں نہ ڈوبنے والے کمل کی طرح اب تک آگ اور دھوئیں کی لہروں پر ناچ رہا ہے۔ نشچے ہوگیا کہ جب تک منشیہ جیتا رہے گا، دُکھ بھی جیتا رہے گا۔

(شام لال کا پرویش)

شام لال: دکھ کی اِچھا نہیں ہے کہ منشیہ کے ساتھ رہے۔ کنتو منشیہ ہی دکھ سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔

ساوتری: تم — تم — پھر کیوں آئے؟ مرتیو میری بہن کو اور تم میرے بوڑھے باپ کو مجھ سے چھین کر لے گئے۔ اب اس گھر میں کون سا دھن، کون سا سکھ ہے، جس پر ڈاکا ڈالنے آئے ہو؟ یدی تمھارا پاپ تم سے نئی بھینٹ مانگ رہا ہے اور اس لیے مجھے بھی ہتھکڑی پہنا کر جیل لے جانا چاہتے ہو تو لے چلو۔ قید خانے میں کوئی بھی پتا کا آنسو پونچھنے والا نہیں ہے۔ یدی میں قیدی بن کر جیل میں پتا سیوا کرسکی، تو تمھارے اس اتیاچار کو تمھارا اُپکار سمجھوں گی۔ لاؤ،

پہناؤ، کہاں ہے ہتھکڑی——

شام لال: یہ ہاتھ ہتھکڑی کے لیے نہیں، سونے کی چوڑیوں، موتی کے لچھوں اور ہیرے جڑے کنگنوں کے لیے ہیں۔ یہ وہ ہاتھ ہیں، جن سے تم جب چاہو جیل کی کوٹھری کا تالا اور اپنے پتا کے ہاتھوں کی ہتھکڑی کھول سکتی ہو۔

ساوتری: تمھارے مالک کے پاس ہردے نہیں، تمھارے پاس نیائے نہیں، عدالت کے پاس غریبوں کے لیے سہانو بھوتی نہیں، جیلر کے پاس دیا نہیں اور ان ہاتھوں میں پتا کا قرض چکانے کے لیے دھن نہیں۔ پھر ان بوڑھے ہاتھوں کی ہتھکڑی کس طرح کھل سکتی ہے؟

شام لال: تمھارے ہاتھ کے اشارے سے۔ تمھارے ہونٹوں کے ایک شبد سے۔

ساوتری: میں باپ کی رہائی کے لیے، ان کی ہتھکڑی اپنے ہاتھوں میں پہننے، اپنا سارا جیون جیل کی کوٹھری میں بتانے، پھانسی کے تختے پر چڑھ کر اپنی بہن کی طرح رسی کا پھندا اپنی گردن میں ڈال لینے کو تیار ہوں۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے جو اس سنکٹ میں پتا کی سہایتا کرے۔ میں ہی ان کا بیٹا اور میں ہی ان کی بیٹی ہوں۔ سکھاؤ۔ سکھاؤ۔ بولو۔ مجھے سنتان کا کرتویہ کس طرح پالن کرنا چاہیے۔

شام لال: تم باپ کے بدلے جیل کے دروازے میں داخل ہونا چاہتی ہو؟

ساوتری: ہنستے ہوئے۔

شام لال: اُس کے بدلے خود قید ہونا چاہتی ہو؟

ساوتری: خوشی سے۔

شام لال: تو سنو۔ باپ کو قید کے بندھن سے چھڑانے کے لیے تمھیں اپنا جیون کیشو بابو کے جیون کے ساتھ برہمنوں کے منتر بندھن سے باندھنا ہوگا۔ تمھارے جیل کا نام ہے لگن منڈپ اور تمھاری قید کا نام ہے وواہ۔

ساوتری: میرے وواہ کا ادھیکار مجھے نہیں، میرے پتا کو ہے۔

شام لال: تمھارا مورکھ باپ جیل میں سڑ سڑ کر مرنے کو راضی ہے۔ کنتو اس بیاہ کے

لیے راضی نہیں ہے۔

ساوتری: جب وہ راضی نہیں ہیں تو میں اُن کی اِچھا کے وِرُدھ کیسے راضی ہوسکتی ہوں۔ بھارت کی کنیائیں اپنے پتا کی مرضی کو بھگوان کی مرضی سمجھتی ہیں۔ تمھارے کیشو بابو کے ساتھ تو کیا، یدی پتا جی مجھے کسی اندھے، لولے، اپاہج کے ساتھ بیاہ دیں تو مَیں اُن کی آگیا کے چرنوں پر سر جھکا دینا اپنا پرم دھرم جانوں گی اور اس اندھے اپاہج پتی کی سیوا اور پوجا کو لوک پرلوک کا سکھ سمجھوں گی۔

شام لال: میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ تمھاری آنکھوں سے بہتی ہوئی آنسوؤں کی دھارا کو موتیوں کی لڑی سے بدل دوں۔ باپ تمھارا سکھ اور تم باپ کی رہائی نہیں چاہتیں، تو جاتا ہوں۔ کنتو سن لو۔ تمھارا باپ قرض میں جیل بھگت رہا ہے۔ اُس کے جیون کو جیل ہی میں سماپت کرنے کے لیے اب اُس پر دوسرا فوجداری کا مقدمہ چلایا جائے گا۔

ساوتری: دوسرا مقدمہ! کس اَپرادھ پر؟

شام لال: اُس دغا باز نے میرے پاس سونے کا ملمع چڑھا کر پیتل کے زیور بیچے ہیں۔

ساوتری: یہ جھوٹ ہے۔

شام لال: سچ ہے۔

ساوتری: میرا باپ دھن کے لیے دھرم کی ہتیا نہیں کرسکتا۔

شام لال: غریبی اور ضرورت سب کچھ کرا سکتی ہے۔

ساوتری: کبھی نہیں۔ غریبی منشیہ کی کسوٹی ہے۔ پاپ پنیہ کا گیان رکھنے والا اس کسوٹی پر ہمیشہ سونا ثابت ہوتا ہے۔

شام لال: عدالت میں ان باتوں کو نہیں، گواہی اور ثبوت کی پوچھ ہوتی ہے۔ یاد رکھنا، وہ بوڑھی پیٹھ پر سپاہیوں کے ہاتھ سے کوڑے کھاتے کھاتے اور چکیاں پیستے پیستے جیل ہی میں مرجائے گا اور تم اپنے مرتے ہوئے باپ کی صورت بھی نہ دیکھ سکو گی۔

ساوتری: ٹھہرو— ٹھہرو— کہاں جاتے ہو؟

شام لال: تمھارے باپ کے لیے نئی سزا اور نئے دکھوں کا پربندھ کرنے۔

(پھر جانا چاہتا ہے)

ساوتری: سنو، ٹھہرو۔ یدی دوسروں کا دُکھ ہی تمھارا سکھ ہے، یدی غریبوں کا رونا ہی تمھارے ہونٹوں کی ہنسی ہے تو اچھا۔ اپنے اتیاچار سے کہو کہ تمھاری کامناؤں کے محل میں گھی کے چراغ جلائے۔ اپنے اَدھرم اور پاپ سے کہو کہ ایک دکھی کنبے کا سروناش کرنے کے لیے تمھیں بدھائیاں دے۔ میرے باپ کو چھوڑ دو۔ میں اس بیاہ کے لیے راضی ہوں۔

شام لال: تمھارے اس شبد نے تمھارے باپ کو جیل میں سڑنے سے بچا لیا۔ کنتو رہا ہونے کے بعد وہ اس سمبندھ پر راضی نہ ہوا تو اُسے دوبارہ جیل جانا ہوگا۔

ساوتری: نہیں نہیں۔ اب جیل کا نام نہ لو۔ یہ نام سنتے ہی سنسار کے سارے دُکھ آنکھوں کے سامنے آ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میں سر جھکا کے ہاتھ جوڑ کے آنسو سے پتا کے چرنوں کو بھگو کے ان سے اُن کی آگیا کا دان مانگوں گی۔

شام لال: یہ دان نہ ملنے پر بھی تم اپنا وچار نہ بدلو گی۔ اس کی کیا ضمانت ہے؟

ساوتری: میرا کرتویہ۔

شام لال: تم اپنا کرتویہ پالن کرو گی، اس کا کون ساکشی ہے؟

ساوتری: دھرم اور ایشور۔

شام لال: تب تمھارا باپ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائے گا۔ سمجھ لو کہ اب وہ جیل میں نہیں گھر ہی میں ہے۔

(شام لال کا پرستھان)

ساوتری: رو رہی ہو۔ بہن گوتمی اس سورگ میں بھی رو رہی ہو۔ کیوں رو رہی ہو؟ کیا اس لیے کہ بڑھاپے اور مرتیو کی لہروں پر ڈگمگاتی ہوئی ٹوٹی ناؤ میں بیٹھ کے

میں کرتویہ ساگر میں ڈوبنے جارہی ہوں۔ ڈوبنے دو بہن۔ ڈوبنے دو۔ جب تک میں نہ ڈوبوں گی پتا کا بیڑا پار نہ ہوسکے گا— یدی ایک ہزار جیون اور جوانی کا بلیدان دوں تو بھی پتا کے اپکاروں کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔ پتا کی سیوا ہی سنتان کا دھرم اور پتا کے چرنوں ہی میں سنتان کا سورگ ہے۔

(پرستھان)

ایکٹ دوسرا — سین چھٹا

کیشو بابو کا گھر

(کیشو بابو کے ساتھ سونا اور روپا کا پرویش)

کیشو بابو: بے شک مجھے اکثر بخار رہتا ہے، کھانسی کے ساتھ خون بھی آتا ہے۔ کبھی کبھی دل بھی دھڑکنے لگتا ہے۔ کنتو یہ سادھارن بیماریاں ہیں جو دوا اور علاج سے آج نہیں تو کل جاتی رہیں گی۔ پھر تم سے کس بیوقوف نے کہا کہ میں دھیرے دھیرے اپنی چتا کی طرف بڑھ رہا ہوں۔

سونا: جس ڈاکٹر کی دوا سے اب تک آپ زندہ ہیں، وہ ہماری سیوا سمیتی کا ممبر اور میرا متر ہے۔ اُسی سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی زندگی کے درخت میں بیماری اور بڑھاپے کا گھن لگ چکا ہے۔ جس دن حد سے زیادہ صدمہ یا حد سے زیادہ خوشی ہوئی، اُسی دن آپ کا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔ اس لیے پھر وِنے کرتا ہوں کہ زندگی کے بچے ہوئے دو چار دن کے لیے ایک ہندو کنیا کا سارا جیون ناش نہ کیجیے۔

کیشو بابو: تو کیا میں یہ شادی کا لباس اُتار دوں، دروازے پر بجتے ہوئے باجے بند کرادوں، آئے ہوئے برہمنوں اور مہمانوں کو واپس لوٹادوں — دنیا مجھے کیا کہے گی؟

روپا: دنیا آپ کی تعریف کرے گی۔ منشیتا آپ کے گن گائے گی۔ دھرم آپ کو بدھائی دے گا۔ کیونکہ یہ بیاہ نہیں، بیاہ کے پوتر شبد کا اپمان، لگن منڈپ میں لالسا کا کھیل اور بڑھاپے کی چھری سے جوان کنیا کی ہتیا ہے۔

کیشو بابو: اسے تم ہتیا کہتے ہو۔ بھارت کی کنیائیں نہیں کہتیں۔

سونا: وہ کیا کہیں۔ انھیں بچپن ہی سے مردوں کی غلامی اور اپنے سکھوں کے تیاگ کی شکشا دی جاتی ہے۔ بھارت کی کنیاؤں کا ولاپ سننے کے لیے سماج کی طرح آپ کے پاس بھی کان نہیں ہیں۔ نہیں تو آپ سنتے کہ لوک لجا سے ان کے ہونٹ چپ ہیں، کنتو ان کا روم روم اس اتیاچار کو شراپ دے رہا ہے۔

کیشو بابو: بڑھاپے اور بیماری میں استری کے سوا اپنا، پرایا، نوکر، متر کوئی بھی سچی سیوا نہیں کرسکتا۔ اس لیے مجھے بیاہ کرنا ہی ہوگا۔

سونا: کیشو بابو۔ ذرا آئینہ میں اپنے سر کی سفیدی، اپنے گالوں کی جھرّیاں، اپنے چہرے پر رینگتی ہوئی مرتیو کی چھایا کو دیکھیے۔ جب جیون کا سوریہ چتا کے دھویں میں ڈوبنے جارہا ہے۔ اُس سے اپنی پوتی اور نواسی کے برابر لڑکی سے بیاہ کرنا جسے بیٹی کہہ کے پکارنا چاہیے، اُسے پتنی اور پریے کہہ کے پکارنا کتنے شرم کی بات ہے۔ آپ کو ایشور کی شرم نہیں ہے تو دنیا ہی کی شرم کیجیے۔

کیشو بابو: بس— تمھاری بکواس سننے کے لیے میرے پاس اور سمے نہیں ہے۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم چندا مانگنے کے لالچ میں کمیٹی کی طرف سے مجھے بیاہ کا دھنیہ واد دینے آئے ہو۔

(چلا جاتا ہے)

سونا: کتنا انیائے! کتنی کٹھورتا!! استری جاتی کی یہ دُردشا، اس دیش کے سوا سنسار کے اور کسی دیش میں دکھائی نہیں دیتی۔

(سونا، روپا کا پرستھان، پڑوس کی استریوں کے ساتھ دلھن کے لباس میں ساوتری کا پرویش)

استری 1: ساوتری۔ اس سنسار میں لڑکے ایک بار اور لڑکیاں دو بار جنم لیتی ہیں۔ ان کا پہلا جنم ماں باپ کے گھر میں اور دوسرا جنم ساس سسر کے گھر میں ہوتا ہے۔

پہلے جنم میں وہ کنیا کہلاتی اور دوسرے جنم میں کل ودھو کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ آج سے تمھارا نیا جیون شروع ہوگا۔ اس جیون میں ہنسی اور شانتی تمھاری سہیلیاں اور دھرم تمھارے گھر کا اجالا ہو۔

استری 2: یہ کیا؟ ایسے سکھ کے دن بھی تم رو رہی ہو؟

ساوتری: غریب باپ اور غریب باپ کی لڑکی کا جنم ہی رونے کے لیے ہوا ہے۔ پتا کے گھر سے بدا ہوتے سمے کوئی ایسی وستو نہیں ہے جو میں ساتھ لے جاؤں۔ یہ رونا ہی میرا دھن اور یہ آنسو ہی میرا جہیز ہے۔

استری 1: یدی اس بیاہ سے سکھی ہونے کی آشا نہیں ہے، تو پھر کیوں بیاہ کر رہی ہو؟

ساوتری: اپنا کرتویہ پالن کرنے کے لیے— میری بہن نے پتا کو دکھ بندھن سے چھڑانے کے لیے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کے اپنے پران تک دے دیے۔ تو کیا میں اُن کو سکھی کرنے کے لیے اپنے جیون کے تُچھ سکھوں کا بھی بلیدان نہیں کرسکتی۔ دیوتا، میرا بلیدان سویکار کرو۔ میں اب اس لوک کا سکھ نہیں، اس لوک کا سکھ چاہتی ہوں۔

(کیلاش ناتھ کا پاگلوں کی طرح پرویش)

کیلاش ناتھ: کہاں ہے، کہاں ہے؟ میری ابھاگنی، میری ساوتری کہاں ہے؟ بیٹی۔ تو بیاہ کا وستر پہن کر کہاں جارہی ہے؟ یہ وستر نہیں تیرا کفن ہے۔ یہ لگن منڈپ نہیں شمشان بھومی ہے۔ یہ بیاہ کے باجوں کی آواز نہیں، تیری مرتیو پر تیرے جیون اور جوانی کا ولاپ ہے۔ اب بھی سمے ہے اب بھی اس بیاہ سے انکار کردے۔ اب بھی اس قصائی کی چھری سے اپنے بھوشیہ کو بچالے۔ میں دوبارہ ہتھکڑی پہن کر جیل جانے کو تیار ہوں۔ یدی تو یہی چاہتی ہے کہ میں جیل نہ جاؤں تو اچھا، آ۔ ہم دونوں بھاگ چلیں۔ کسی ایسی جگہ چلیں، جہاں دھن دھرم کو ٹھوکر نہیں مار سکتا۔ جہاں منشیہ روپی پشاچ بوڑھے ہاتھوں سے گئو سمان کنیاؤں کا گلا نہیں گھونٹ سکتے۔

ساوتری: پتا جی۔ دنیا میں کوئی منشیہ قسمت کا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔ میرے بھاگیہ میں یہی لکھا تھا۔ شانت ہو جیے۔

کیلاش ناتھ: میرے جیون کا سہارا، میرے دل کی ٹھنڈک، میری بوڑھی آنکھوں کی روشنی ایک ڈاکو چھینے لے رہا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک راکشس میری گود کے پھول کو روندے ڈال رہا ہے۔ پھر بھی تو کہتی ہے کہ شانت ہو۔ کہاں ہے شانتی۔ کہاں ہے دھرم، کہاں ہے نیائے؟ مجھے تو اس دھرتی پر پاپ اور دُکھ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ غریبوں کی دُردشا، استریوں کا ولاپ، دھنوانوں کا اتیاچار دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بھارت کا کوئی ایشور نہیں ہے اور ہے تو اس بھارت کو پیدا کرکے بھول گیا ہے۔

ساوتری: پتا جی، دکھ اور سکھ جیون کے سپنے ہیں۔ شما کیجیے۔ اتنی دور آنے کے بعد اب میں اپنے کرتویہ کے راستے سے واپس نہیں لوٹ سکتی۔

کیلاش ناتھ: نہیں، بیٹی نہیں۔ جس راستے پر تو آنکھیں بند کرکے جارہی ہے، یہ راستہ سکھ کی گود میں نہیں، آنسوؤں کے راج اور سدا کے اندھیرے میں ختم ہوتا ہے۔ یہ لگن نہیں، جیتی ہوئی مرتیو ہے۔ یہ بیاہ کے گہنے نہیں، آگ کے انگارے ہیں۔ ستی ایک بار جل کر راکھ ہوجاتی ہے اور تجھے اس بیاہ کی چتا میں تل تل کرکے سارا جیون جلنا ہوگا۔ پھینک دے، کلائیوں میں لپٹے ہوئے ان سانپوں کو نوچ کر پھینک دے۔

استری 1: (روک کر) یہ کیا کرتے ہو؟

کیلاش ناتھ: کیوں روکتی ہو؟ کیوں روکتی ہو؟ اس رنگ میں لگن کا جوڑا، اس مانگ میں سہاگ کا سندور، ان ہاتھوں میں بیاہ کی چوڑیاں کب تک رہیں گے۔ آج ہو، کل ہو، برس دو برس بعد ہو، کنتو یہ چوڑیاں اتارنی ہی ہوں گی۔ ایک دن یہ بھی ٹکڑے ٹکڑے کی جائیں گی اور اسی طرح، جس طرح میرا ہردے ٹکڑے ٹکڑے ہورہا ہے۔

ساوتری: (کیلاش ناتھ کے پاؤں چھوکر) بھگوان آپ کو شانتی دیں—— پتا پرنام۔

(سب جاتی ہیں)

کیلاش ناتھ: ٹھہرو۔ بیٹی ٹھہرو۔ ساوتری — ساوتری —

(پکارتا ہوا جاتا ہے)

استری 1: دنیا میں جہاں سکھ ہے وہیں دکھ بھی ہے۔ پانی بھی برس رہا ہے اور دھوپ بھی نکلی ہوئی ہے۔

استری 2: دشرتھ نندن شری رام کی طرح آج ساوتری بھی پتا کے لیے اپنے جیون کے سکھوں کا تیاگ کر رہی ہے۔ یہ کل یُگ میں دھرم کی جے ہے۔

استری 1: مجھے نشچے نہیں تھا کہ اس لوبھ اور سوارتھ کے زمانے میں بھی پتا سیوا اور کرتویہ بھکتی کا ایسا پوتر درشیہ دکھائی دے گا — ساوتری تم بھارت کی کنیاؤں میں دھنیہ ہو۔

(جاتی ہیں)

ایکٹ دوسرا — سین ساتواں

لگن منڈپ

(بیاہ کا لباس پہنے کیشو بابو اور ساوتری پاس کھڑے ہیں
شام لال اور مہمان بھی اُپستھت ہیں)

کیلاش ناتھ: یہی ہاتھ، یہی ہاتھ ہے، جس سے میں نے کنیا دان کیا ہے۔ یہی ہاتھ ہے جس سے میں نے باپ ہوکر بیٹی کے گلے میں پھانسی ڈالی ہے۔ چھری دو — چھری دو۔ میں اس ہاتھ کو اس کے اکشمیہ اَپرادھ کی سزا دوں گا۔ اپنے دل کے ٹکڑوں کے ساتھ، اس ہاتھ کے ٹکڑے بھی اس راکشس کو بھینٹ دوں گا۔ ہنس رہا ہے۔ نیچ نرادھم۔ میرے بڑھاپے میں زہر گھول کر، میری بچی کے سکھ سہاگ میں آگ لگا کر، ہنس رہا ہے۔ اچھا ہنس لے۔ لیکن یاد رکھ، ایک دن اس ابھاگنی کی آنکھوں کے ایک ایک آنسو کا تجھے ایشور کی عدالت میں جواب دینا ہوگا۔

شام لال: کیلاش ناتھ، کمان سے چھوٹا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔ کیشو بابو کے ساتھ تمھاری لڑکی کا بیاہ ہوچکا۔ اب تمھارے ہونٹوں پر دھکار کے بدلے آشیرواد ہونا چاہیے۔

کیلاش ناتھ: گلے پر چھری رکھ کر کہتے ہو کہ گاؤ۔ آنکھوں میں سوئے بھونک کر کہتے ہو کہ ہنسو۔ ایک غریب کنیا کے جیون کو شراپ بنانے کے بعد کہتے ہو کہ اس راکشس کو آشیرواد دو۔ نکال۔ چھری نکال۔ جھوٹے مقدمے بنا کر گھر اور زمین داری چھین لی۔ ہتھکڑی پہنا کر عزت چھین لی۔ جیل کی دھمکی دے کر

کنیا چھین لی۔ تو یہ پران بھی چھین لے۔ ایشور کی دی ہوئی وستوؤں میں سے اس کے پھوٹے بھاگیہ اور میری لاش کے سوا کچھ نہ رہنے دے۔

کیشو بابو: بس زیادہ اپمان سہن نہیں کرسکتا۔ اب ایک شبد بھی بولا تو لات مار کر باہر نکلوا دوں گا۔

کیلاش ناتھ: لات مارے گا۔ کس اَپرادھ میں؟ اس اَپرادھ میں کہ تجھے سزا دینے کے لیے میرے ہاتھ میں ایشور کے نیائے کا کوڑا نہیں ہے؟ اس اَپرادھ میں کہ میں بھدر پُرش کے بھیس میں چھپے ہوئے کمینے کو کمینہ کہہ رہا ہوں۔ سن میں پھر کہتا ہوں۔ تو غریبوں کو دنیا کا کوڑا سمجھتا ہے، اس لیے نیچ ہے۔ تو نے ایک بوڑھے باپ کے دکھی ہردے کی شانتی لوٹی ہے، اس لیے ڈاکو ہے۔ ایک کنیا کے جیون کی ہتیا کی ہے، اس لیے خونی ہے۔

کیشو بابو: بدمعاش۔ میں تیرا گلا دبا کر...... یہ کیا...... مجھے سنبھالو...... اندھیرا...... اندھیرا...... ڈاکٹر...... ڈاکٹر...... آہ......

(ہارٹ فیل ہونے سے گر کر مرجاتا ہے)

شام لال: کیشو بابو۔ کیشو بابو۔ ڈاکٹر کی بھوشیہ وانی پوری ہوئی۔ غصہ اور صدمہ کے ایک ہی جھٹکے سے جسم کی مشین کو چلانے والا پرزہ ٹوٹ گیا۔

کیلاش ناتھ: ہٹ جاؤ— ہٹ جاؤ۔ اُسے اٹھ کر میرا گلا گھونٹنے دو۔ دھرم ہتیا، دیا ہتیا۔ ناری ہتیا سے نہیں روکا، تو اب ایک ابھاگے باپ کی ہتیا سے کیوں روک رہے ہو؟ یہ ہتیا نہ کی تو اس کے کرم کی پونجی کم ہوجائے گی۔ اس کے پاس جتنا دھن ہے، اتنا ہی پاپ بھی ہونا چاہیے۔

شام لال: کس سے کہہ رہے ہو؟ جو جواب دیتا تھا، وہ اب اس شریر میں نہیں ہے۔

کیلاش ناتھ: کیا!— کیا!!— مرگیا!!!

ساوتری: ہائے بھاگیہ......

(سر پیٹ کر زمین پر بیٹھ جاتی ہے)

کیلاش ناتھ: نہیں نہیں۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ یہ نہیں مرسکتا۔ یدی یہ مرجائے گا تو غریبوں کو جیل کون بھیجے گا؟ نردھن باپوں کی چھاتی میں چھری کون بھونکے گا؟ ہندو کنیاؤں کے لیے اس دنیا کو جلتی ہوئی چتا کون بنائے گا؟ اٹھ کیشو اٹھ۔ تو نے کہا تھا کہ میں بیاہ کے بعد تمھاری کنیا کو ہونٹوں سے کبھی جدا نہ ہونے والی ہنسی دوں گا۔ سوبھاگیہ کا راج دوں گا۔ جیون اور جوانی کے سکھ دوں گا۔ یہ سب دیے بنا تو کیسے مرسکتا ہے؟ اٹھ، پشاچ اٹھ۔ اس کی ماں نہیں ہے۔ بہن نہیں ہے۔ تو نہ اٹھے گا، تو اس کی چوڑیاں کون توڑے گا؟ اسے جوانی میں ودھوا ہوجانے کا دھنیہ واد کون دے گا؟

شام لال: کیلاش ناتھ، بس۔ مرے ہوئے منشیہ پر غصہ کرنے سے کیا لابھ ہے؟

کیلاش ناتھ: تم اسے منشیہ کہتے ہو؟ منشیہ کی صورت کے سوا اس نرادھم میں منشیہ کا ہردے، منشیہ کا دھرم، منشیہ کا وچار، منشیتا کا کون سالکشن تھا؟ اسے منشیہ نہیں راکشس کہو۔ اس دھرتی پر راون نے سیتا کا سکھ ہرنے اور اس راکشس نے میری کنیا کا جیون ناش کرنے کو جنم لیا تھا۔ پاپی، جو آنکھیں دھن کے نشے سے ہر وقت لال رہا کرتی تھیں، اب کیوں نہیں کھلتیں؟ جو ہونٹ دیا دھرم کو گالی دیا کرتے تھے، اب کیوں نہیں ہلتے؟ اُٹھ اور سن۔ میں تجھے شراپ دیتا ہوں کہ تجھے کسی لوک اور کسی جنم میں شانتی نہ ملے۔ جس طرح تیرا شریر آگ میں جلایا جائے گا، اُسی طرح تیری آتما بھی سدا میرے شراپ میں جلتی رہے۔

ساوتری: شما، شما، پتا جی شما۔ میں ہندو گھر کی لڑکی ہوں۔ ہندو لڑکی کا بیاہ بار بار نہیں، ایک ہی بار ہوتا ہے۔ اب یہ میرے پتی ہیں اور جیون کے انت تک ان ہی کو اپنا پتی سمجھوں گی۔ میرے پتی دیو کی آتما کو شراپ نہ دیجیے۔ میں کسی لوک اور کسی جنم میں اِن کا امنگل نہیں چاہتی۔

کیلاش ناتھ: جس نے ایک دن بھی یہ نہ سمجھا کہ اس جنم کے بعد دوسرا جنم بھی ہے۔ جس نے ایک گھڑی کے لیے یہ نہ سوچا کہ اس جنم کے پنیہ پاپ کا پھل دینے والا ایک ایشور بھی ہے، اُس کے لیے شما کی پرارتھنا کرتی ہے۔ ج۔ غریبوں کا

ہردے توڑنے کے لیے پتھر، اُن کا گھر جلانے کے لیے آگ، اُن کے سکھ شانتی کو ڈسنے کے لیے منشیہ روپی سانپ تھا، اُس کے آتما کا منگل چاہتی ہے!! آنسو بہا کر، بال کھول کر، چھاتی پیٹ کر، میرے ساتھ تو بھی اُسے شراپ دے۔ ہر جنم میں سدا کا اندھیرا اُس کا ساتھی اور نرک اُس کا آخری ٹھکانہ ہو۔

ساوتری: نہیں۔ پتا جی نہیں۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ میرے پتی دیو مر گئے۔ کنتو اُن کی اسمرتی اور ان کی بھکتی سدا میرے ہردے میں جیتی رہے گی۔ مجھے اس جنم میں ان کی چرن پوجا کا اوسر نہ ملا، آشیرواد دیجیے کہ دوسرے جنم میں دھرم پتنی بن کر ان کی سیوا کرسکوں۔

کیلاش ناتھ: جنم! جنم!!— ماتا کی گود کا سکھ، کپڑے گہنے کا سکھ، پتا کے دھن کا سکھ، پتی کے گھر کا سکھ، اس جنم میں دنیا کا کون سا سکھ پایا ہے جو دوسری مرتبہ جنم لینا چاہتی ہے۔ اُس جنم میں بھی غریب کی دنیا میں پیدا ہوئی، تو اسی طرح اپنی جوانی کی لاش پر رونا ہوگا— اوہ، کتنی جلن، کتنی ویدنا۔ وچار بھی نہ تھا کہ مجھے جیون کے آخری دنوں میں بوڑھی آنکھوں سے جوان کنیا کو ودھوا کے روپ میں دیکھنا ہوگا!— ابھاگنی، گیلی لکڑی کی طرح دھیمے دھیمے کب تک جلتی رہے گی؟ کب تک لمپٹ پُرشوں کی کام درشٹی سے بچانے کے لیے اپنے چہرے کو دھرم اور ستیہ کی آڑ میں چھپاتی رہے گی؟ اب دنیا میں نہ میرے لیے شانتی ہے اور نہ تیرے لیے سکھ ہے۔ ہم دونوں کے گھائل ہردے کا مرہم، ہمارے دکھ کی دوا، ہمارے جیون کا انتم سکھ ایک ہی ہے— مرتیو— کیول مرتیو—

—ڈراپ—

ایکٹ تیسرا — سین پہلا

شام لال کا مکان

(سونا، روپا، گنگا، ساوتری اور شام لال موجود ہیں)

شام لال: ساون کے بادل بھی اتنی دیر نہیں برستے جتنی دیر سے تمھارے ہونٹ اُپدیش کے شبدوں کی ورشا کررہے ہیں۔ کہہ چکیں، یا کچھ اور کہنا ہے؟

گنگا: شام لال بھائی، یدی گنگا کا پانی پیاسے کی پیاس نہ بجھا سکے، تو وہ پانی نہیں، پگھلا ہوا گرم سیسہ ہے۔ یدی سورج دنیا کو اجالا اور گرمی نہ دے سکے تو وہ سورج نہیں برف کا ڈھیر ہے۔ یدی منشیہ دوسرے منشیہ کے دُکھ کی پکار نہ سن سکے تو وہ منشیہ نہیں، بولتا ہوا پتھر ہے۔ دیا اور دھرم گھائل شکار کی طرح نراش آنکھوں سے تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں۔ دھرم کو شانتی دو — دیا کے آنسو پونچھو اور منشیوں کی دنیا میں جنم لیا ہے تو اپنے کو منشیہ پرمانت کرو۔

شام لال: جانتی ہو دنیا کسے منشیہ سمجھتی ہے؟

گنگا: جس میں منشیتا ہو۔

شام لال: نہیں — جس کی تجوری میں روپیے ہوں۔ جس کے گھر میں نوکر چاکر ہوں، جس کے دروازے پر موٹر ہو، جس کے ہونٹوں میں حکم چلانے کی شکتی ہو۔ جس کا نام دھنوان ہو — ہمارے جیب میں بینک کی چیک بک، ہماری ٹائی میں ہیرے کی پن، ہمارے کوٹ میں سونے کی چین گھڑی چمک رہی ہے تو ہم سماج سے اپنے کو منشیہ کیا دیوتا پُجوا سکتے ہیں۔

گنگا: سانپ کا کاٹا ہوا، بل کھائی ہوئی رسی کو بھی دیکھ کر جھجک اُٹھتا ہے۔ آگ کا جلا ہوا سلگتی ہوئی دیا سلائی سے بھی خوف کھاتا ہے۔ دنیا میں بنی ہوئی بات کھوئی، چلتی ہوئی وکالت کھوئی، جیل جاکر خاندان کی عزت کھوئی۔ آشچریہ ہے کہ اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی اپنی بھول دیکھنے کے لیے اب تک تمھاری آنکھیں نہیں کھلیں۔ اتنے دنوں تک پاپ کو دوست بنا کر کیا سکھ پایا، جو اَب بھی اس کی دوستی چھوڑنا نہیں چاہتے۔

شام لال: سورج آکاش میں اپنا راستہ نہ بھول جائے اس لیے تم اُسے دن میں دیپک دکھانے آئی ہو۔ میں اندھا اور بچہ نہیں ہوں— دنیا کو دیکھنے اور پاپ پنیہ کا اَرتھ سمجھنے کے لیے مجھے تمھاری آنکھوں اور تمھاری سمجھ کی ضرورت نہیں ہے۔

گنگا: (ساوتری کو دکھا کر) دیکھو۔ دیکھو اس کھلنے سے پہلے مرجھائی ہوئی کلی، اس دُربھاگیہ کی روتی ہوئی تصویر۔ اس جوانی کی جلتی ہوئی ارتھی کی طرف دیکھو— پتی نہیں۔ پتا نہیں۔ بھائی نہیں۔ بہن نہیں، ماں نہیں، پھر یہ نرآشرے کس کے دروازے پر بیٹھ کر ستی کے کرتویہ اور ودھوا دھرم کی رکشا کرسکتی ہے؟ تم نے کس اَپرادھ پر اس کے سوامی کی ساری سمپتی چھین کر اسے گھر سے باہر نکال دیا ہے؟ پراربدھ نے بیاہ کے دن اس بھاگنی سے پتی کو چھین لیا۔ اب تم پتی کے گھر کا اَنّ اور پتی کے چھت کی چھایا بھی اس سے چھینے لیتے ہو!!

شام لال: کیشو بابو، مرنے سے آٹھ دن پہلے اپنی جائیداد اور گھر میرے نام لکھ گئے ہیں۔ اب ان کے دھن کی ایک پائی اور اُن کے گھر کی ایک اینٹ بھی اس کی نہیں۔ جو کچھ ہے، میرا ہے۔

ساوتری: تو کیا پتی کے دھن پر میرا کوئی ادھیکار نہیں؟

لال شال: کوئی نہیں۔

ساوتری: تو کیا پتی دیو کی یہ اِچھا تھی کہ گھر کے کونے میں بیٹھ کر اُن کے نام کے اسمرن کرنے کے بدلے میں رستے رستے بھیک مانگتی پھروں؟

شام لال: اس کا جواب سورگ میں جانے کے بعد اپنے سوامی سے پوچھنا۔

ساوتری: تمھارے پاس اس دعوے کا کیا ثبوت ہے؟

شام لال: اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا کاغذ۔

ساوتری: وہ کاغذ کہاں ہے؟

شام لال: وہ کاغذ دیکھنا ہے تو عدالت میں جاؤ۔

ساوتری: جس کے پاس پیسہ نہیں، سہارا نہیں، سفارش نہیں، اُس غریب کی عدالت میں کون سنتا ہے— مجھے عدالت ہی میں جانا ہوگا، تو جہاں کلرک کو رشوت، وکیل کی فیس، اسٹامپ کا دام دینا نہیں پڑتا۔ جہاں جھوٹی گواہی دینے کی کسی کی ہمت نہیں ہوتی، جہاں قانون کو توڑ مروڑ کر جھوٹ کو سچ نہیں بنایا جاسکتا، اس عدالت میں جاؤں گی۔ اس مقدمے میں منشیہ کو نہیں ایشور کو جج بننا ہوگا۔ تمھارا بیرسٹر تمھارا پاپ ہوگا اور میرا وکیل میری آنکھ کے آنسو ہوں گے۔

شام لال: میں اُس عدالت کے فیصلے کی کوئی پروا نہیں کرتا— میرا دل اتنا کمزور نہیں ہے کہ ایشور کا نام سن کر کانپ اٹھے—

گنگا: شام لال میں دیکھتی ہوں کہ دھن کا بوجھ تمھیں ڈھکیلتا ہوا نرک کے دروازے کی طرف لیے جارہا ہے۔ میں تمھاری کون ہوں؟

شام لال: اس سوال کا کیا مطلب؟ تم میری بہن ہو۔

گنگا: تو بتاؤ— اگر بھائی اپنے گلے پر چھری پھیر رہا ہو، تو کون بہن ہے جو اس کے ہاتھ سے چھری نہ چھین لے گی— پھر سمجھاتی ہوں کہ پاپ کی عمر لمبی نہیں ہوتی۔ موٹر گاڑی مل جائے، گھر مل جائے، اشرفیوں سے بھری ہوئی تجوری مل جائے، کنتوستی کا دل دکھا کر تمھیں جیون میں کبھی شانتی نہیں مل سکتی۔

شام لال: شانتی دھن کی لونڈی ہے۔ جہاں دھن ہوگا، وہاں شانتی سو مرتبہ خوشامد کرتی ہوئی آئے گی۔

ساوتری: میں ہندو ودھوا ہوں۔ ودھوا کو ہیرے موتی کے زیور، ریشم کے کپڑے، چاندی کے تھال میں پروسا ہوا بھوجن نہیں چاہیے۔ میں تم سے رہنے کو ایک کوٹھری، کھانے کو دو مٹھی اَنّ۔ اور شریر ڈھانکنے کو چار جوڑے کپڑے چاہتی ہوں۔ کیا تم

اتنا بھی مجھے نہیں دے سکتے۔ میری پتی کا دھن سمجھ کر نہیں، تو دان سمجھ کر دو۔

شام لال: یہاں بھیک نہیں بنتی۔ جا کسی اور دروازے پر بھیک مانگ۔

ساوتری: پاپی، یاد رکھ۔ اس لوک میں نہ سہی، اُس لوک میں سہی، کنتو ایک دن تجھے بھی ایشور سے دیا کی بھیک مانگنی ہوگی اور وہ تجھے نرک کے سوا اور کچھ نہ دیں گے۔

شام لال: جاتی ہے یا لات مار کر—

(ساوتری کو لات مارنے جاتا۔ سونا روک دیتا ہے)

سونا: خبردار— (گنگا سے) ماں، جاؤ، تم اپنی پرارتھنا سے زہر کو امرت نہیں بنا سکتیں۔

گنگا: (ساوتری سے) بہن آؤ۔ (شام لال سے) بھائی، میں جاتے جاتے پھر کہتی ہوں کہ ایشور کے کرودھ کو کمزور نہ سمجھو۔ تم اس سے لڑ کر جے نہیں پا سکتے۔

(گنگا اور ساوتری کا پرستھان)

شام لال: وہ دونوں گئیں۔ پھر تم کیوں کھڑے ہو؟

روپا: آپ سے آخری جواب مانگنے کے لیے۔

شام لال: تمھارا مطلب؟

روپا: میرا مطلب ہے کہ آپ ہوا سے بہتی ہوئی ریت پر محل بنانا، بھنور میں پتھر ترانا، آگ کے انگاروں پر روئی کا کھیت اُگانا چاہتے ہیں اور یہ اسمبھو ہے۔ آپ کو ساوتری کے پتی کا دھن ساوتری کو واپس کرنا ہوگا۔

شام لال: کون واپس لے سکتا ہے؟

سونا: میں۔

شام لال: کس طرح؟

سونا: بنتی سے، پرارتھنا سے، ہاتھ جوڑ کے اور کسی اُپائے سے پتھر موم نہ بنا سکے تو عدالت سے۔

شام لال: عدالت گواہ اور ثبوت مانگتی ہے۔

سونا: آپ کا پہلا چال چلن ہمارا گواہ، اور آپ دھوکا دینے کے اَپرادھ میں جیل کاٹ چکے ہیں۔ یہی ہمارا ثبوت ہے۔

شام لال: میں ثابت کردوں گا کہ تم جھوٹے ہو۔

سونا: اور میں ثابت کردوں گا کہ آپ نمک حرام اور دغاباز ہیں۔

شام لال: اوہ ہو۔ گھاس کے کیڑے میں بھی بچھو کے ڈنک پیدا ہوگئے۔ مٹھی بھر دھول بھی اپنے کو آندھی سمجھنے لگی!! اچھی بات ہے۔ جاؤ، دیکھوں گا کہ تم کیا کرسکتے ہو؟

سونا: میں آپ کو سوچنے کے لیے آٹھ دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ہیں، میں ہوں اور عدالت ہے۔

(سونا اور روپا کا پرستھان)

شام لال: جب سکھ کا پیالہ ہونٹوں تک پہنچ چکا تو یہ دونوں اسے میرے ہاتھ سے چھین کر توڑ دینا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی لالچی وکیل فیس کے بدلے، جائیداد میں حصہ ٹھہرا کر مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہوگیا تو مجھے دوبارہ جیل کا دروازہ کھٹکھٹانا ہوگا۔ آگ بھڑکنے سے پہلے آگ بجھانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔

(پرستھان)

ایکٹ تیسرا — سین دوسرا

(کومک)

ہوٹل کا ایک حصہ

(چمپا اور گلاب رائے باتیں کر رہے ہیں)

گلاب رائے: پیاری چمپا۔ جیسے قلعی چڑھانے سے پرانا برتن، لالی اور پاؤڈر سے کالی عورت کا چہرا اور خضاب لگانے سے بڑھیا نائیکہ کے سفید بالوں کا رنگ بدل جاتا ہے، ویسے ہی جب سے تم بازار کا کوٹھا اور رنڈی کا پیشہ چھوڑ کر بے بیاہی بیوی بن کر میرے گھر میں بیٹھ گئی ہو، تب سے روپ اور جوانی کے سوا تمھاری ہر بات بدل گئی ہے۔ کبھی کبھی بھول سے اِٹھلا کر چلنے اور بھویں ہلا کر بات کرنے سے تمھارا پرانا رنڈی پن ظاہر ہوجاتا ہے۔ پھر بھی میرے سوا دوسرا آدمی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ تم رنڈی ہو۔

چمپا: پیارے، میں کیول تمھیں خوش کرنے کے لیے ابھی تک آنکھوں میں کاجل، گالوں پر لالی، چہرے پر پاؤڈر لگاتی ہوں۔ تم کہو تو جیسے رنڈی کا دھندا چھوڑ دیا ہے، بناؤ سنگار بھی چھوڑ دوں؟

گلاب رائے: ایسا نہ کرنا۔ بناؤ سنگار چھوڑ دیا، تو پھر تم خستہ کچوری کے بدلے، بنا نمک مرچ کا ابلا ہوا بیگن معلوم ہوگی — اچھا پیاری، میں تین دن سے اس شہر میں آیا ہوا ہوں، لیکن ابھی تک اپنے دوست موتی لال سے ملاقات نہیں کی۔ اجازت دو تو متر سے مل آؤں۔

چمپا۔ دیکھو اس نئے شہر میں آکر میرے وشواس کو دھوکا نہ دینا۔ سچ بتاؤ۔ متر سے ملنا ہے یا کسی مترانی سے؟

گلاب رائے: تم میرے پریم پر شک کرتی ہو؟

چمپا: جس پریم میں شک نہ ہو، وہ بے نمک کی چٹنی کی طرح پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو جلدی لوٹنا، نہیں تو......

گلاب رائے: اس طرح نہ دیکھو۔ تمھاری آنکھیں بھرا ہوا پستول ہیں— آدھا تو مرچکا ہوں، کیا بالکل ہی مار ڈالنا چاہتی ہو؟

چمپا: کیوں جھوٹ بولتے ہو؟ میں تو چودہ برس کی عمر سے آنکھوں کے پستول سے گولیاں چلا رہی ہوں کنتو آج تک کسی کو بھی مرتے نہیں دیکھا۔

گلاب رائے: تمھیں دیکھنے کی فرصت نہ ملی ہوگی۔ اس پستول سے تو اب تک ہزاروں مرچکے اور ہزاروں مرنے کے لیے دنیا میں پیدا ہونے کی تیاری کررہے ہیں۔

(پرستھان)

چمپا: کیسا گدھا ہے۔ شیشے کے ٹکڑے کو ہیرا سمجھ کر انگوٹھی کا نگینہ بنائے ہوئے ہے۔ کیا کروں؟ کپڑا ہے، گہنا ہے، موٹر ہے، سب طرح کا سکھ ہے، کنتو آنکھوں کا سکھ نہیں ہے۔ موئے کا چہرہ ہے یا پیک بھرا اُگال دان۔ تھوکنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ بغل کے کمرے میں ایک خوبصورت نوجوان ٹھہرا ہوا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی یہ اِچھا ہوتی ہے کہ اپنی آنکھوں کو اس کے پاؤں کے نیچے کی زمین اور اپنے دل کو اس کے جوتے کا تلّا بنادوں۔ کنتو بڑا جھینپو ہے۔ آنکھیں مارتی ہوں، اشارے کرتی ہوں، ہونٹ دبا کر ٹھنڈی سانسیں لیتی ہوں۔ پھر بھی کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی چھاتی میں مرد کا دل ہی نہیں ہے۔

(چمپا کا پرستھان اور شوبھا رام کا پرویش)

شوبھا رام: جب کسی کو اپنے بدن پر ہلدی چونے کا پلستر لگانا ہوتا ہے تو راستہ چلتے بیل کی دُم پکڑ لیتا ہے۔ جب کسی کو بیٹھے بٹھائے جیل جانے کا شوق ہوتا ہے تو کسی سودیشی اخبار کی ایڈیٹری کرتا ہے۔ جب کسی کو ساری دنیا سے جھگڑا مول لینا ہوتا ہے، تو ساٹن جیسی چمک دار، مخمل جیسی نرم اور دُھلی ہوئی ڈھاکے کی ململ جیسی سفید رنگ اور گورے انگ والی عورت سے بیاہ رچاتا ہے۔ اس سودیشی میڈم کے کارن مفت کی حکومت گئی۔ آرام کی نوکری گئی۔ پرائیوٹ سکریٹری کا عہدہ گیا۔ اب کسی دن گاڑی کے پہیے سے نکل گئے ہوئے ٹائر کی طرح عزت بھی جاتی رہے گی۔ نہ جانے عورت کے گورے انگ میں کون سا جادو ہے کہ ہر آدمی کی نظر اُس کے چہرے میں سفید لفافہ پر ڈاک کے ٹکٹ کی طرح چپک جاتی ہے۔

(سرلا کا پرویش)

سرلا: کیوں جی۔ کیا تم نے پکارا؟

شوبھا رام: واہ وا۔ اس گورے انگ پر مردانہ ڈریس کیا بہار دے رہا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھگھرا پلٹن کا جنرل سامنے کھڑا ہے۔

سرلا: جاؤ جی۔ کیا تم مجھے شرماتے ہو؟

شوبھا رام: یہ جاؤ جی کیا؟— دیکھو مرد بنی ہو، تو بات چیت بھی مرد کی طرح کرو۔ نہیں تو لوگ بھانپ جائیں گے کہ تربوز میں نارنگی چھپی ہوئی ہے۔

سرلا: تمھارے کہنے سے میں نے مرد کا لباس پہن لیا ہے لیکن مجھے بڑی شرم معلوم ہوتی ہے۔

شوبھا رام: تمھیں شرم معلوم ہوتی ہے لیکن جو سندر استری کو دیکھتے ہی گھورنا شروع کر دیتے ہیں، انھیں تو شرم نہیں معلوم ہوتی۔ اگر تمھیں مرد کا لباس نہ پہنا دیتا تو پرانے مالک کی طرح اب تک اس ہوٹل میں بھی تمھارے دس بیس عاشق پیدا ہو جاتے۔

سرلا: تو اسی ڈر سے تم نے مجھے عورت سے مرد بنا دیا ہے؟

شوبھا رام: مرد نہ بتاتا تو کیا کرتا؟ جب تم چولی ساڑی پہنتی ہو تو ہر ایک آدمی اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تمھیں دیکھتا ہے۔ مانو تم عورت نہیں کسی تھیٹر کی دیوار پر لگا ہوا ناٹک کا اشتہار ہو۔

سرلا: لیکن یہ تو بتاؤ لوگ پرائی استری کی طرف کیوں دیکھتے ہیں؟

شوبھا رام: اس لیے کہ انھیں دیکھنے کا دام نہیں دینا پڑتا۔ جب تک سرکار مردوں کی آنکھوں پر عورتوں کے دیکھنے کا ٹیکس نہ لگائے گی، ان کی گھورا گھاری کبھی بند نہ ہوگی۔

سرلا: ایک نئی مصیبت سنو— عورت کے بھیس میں تھی تو مرد گھورتے تھے۔ اب مرد بنی ہوں تو ایک عورت گھورتی ہے۔

شوبھا رام: عورت! کون عورت!!

سرلا: ایک رئیس کے ساتھ اس بغل کے کمرے میں ٹھہری ہوئی ہے۔

شوبھا رام: ستیاناس۔ اس شیرہ ٹپکتی جلیبی کو مردوں سے بچایا تو اب عورتیں چیونٹی کی طرح لپٹنے لگیں— وہ کیا کہتی ہے؟

سرلا: وہی جو عورتوں کو دیکھ کر مرد کہا کرتے ہیں۔

شوبھا رام: مرد تو خوبصورت عورت کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ 'ہائے میں مرگیا'

سرلا: تو وہ مجھے دیکھ کر کہتی ہے کہ 'ہائے میں مرگئی'

شوبھا رام: واہ بھئی واہ— اب تک مردوں میں مجنوں اور فرہاد پیدا ہوتے تھے۔ اب عورتوں میں بھی مجنوں کی ساس اور فرہاد کی بہو پیدا ہونے لگیں۔

سرلا: مجھے تو یہ ہنسی آتی ہے کہ وہ عورت ہوکر عورت پر عاشق ہوئی ہے۔

شوبھا رام: پیاری۔ جب سے عورتیں سر کے بال کٹوا کر مرد بننے لگی ہیں، تب سے وہ کسی بات میں مردوں سے پیچھے رہنا نہیں چاہتیں۔ یہ ولایتی شکشا کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں جہاں سب فیشن بدل گئے، وہاں عورتوں نے بھی عاشق ہونے کا فیشن بدل دیا ہے۔

(چمپا کا پٹنہ پرویش)

چمپا: ہائے ہائے، کیا خوبصورت ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ٹوپی، کوٹ، بوٹ سمیت اسے کلیجے میں رکھ لوں۔

سرلا: وہ دیکھو۔ یہی عورت ہے، جس کی آنکھیں مجھ سے پریم کی بھیک مانگتی ہیں۔

شوبھا رام: تم بھی بڑی کنجوس ہو۔ یہ بیچاری پریم کی بھکشا مانگتی ہے، تو گورے گورے گالوں کا ایک دو چمبن بھیک میں دے دیا ہوتا۔

سرلا: اس کی طرح تم بھی مجھے چھیڑنے لگے؟

شوبھا رام: اجی عورت عورت کو پیار کرے تو کیا برائی ہے، یہ چمبن نہیں برفی اور قلاقند کی سگائی ہے۔

چمپا: یہ اس کا دوست معلوم ہوتا ہے۔ اس سفید بلبل کو پھانستا ہے تو پہلے اس سانولے کوے پر کمپا مارنا چاہیے۔ ارے صاحب— اے مہاشے— اجی مسٹر۔

شوبھا رام: پیاری، اس کی آواز تو بڑی سریلی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ولایتی میم ٹیلی فون میں نمبر پوچھ رہی ہے۔

سرلا: یہ بڑی چربانک عورت ہے۔ تم اس کی طرف نہ دیکھو۔

شوبھا رام: پیاری مرد سے سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن خوبصورت عورت کی طرف نہ دیکھے یہ نہیں ہوسکتا۔

چمپا: اجی مسٹر جنٹل مین— اجی ذرا سنو تو۔

شوبھا رام: (پاس جاکر) کیا میری ضرورت ہے؟

چمپا: ہاں جی۔ آپ کون ہیں؟

شوبھا رام: جی میں مفلس نگر کا بیوپاری ہوں اور اس شہر میں گدھے بیچنے آیا ہوں۔

چمپا: اور یہ کون صاحب ہیں؟

شوبھا رام: یہ میرے سسرے کے منہ بولے لڑکے اور اس شہر کے مشہور جاکی ہیں۔ پچھلی ریس میں آرنج ولیم گھوڑے پر ہی بیٹھے تھے۔

چمپا: یہ تو بڑے خوبصورت ہیں۔

شوبھا رام: جی ہاں۔ جیسے گھوڑوں کی ریس ہوتی ہے ویسے ہی ہر سال لندن میں خوبصورت

مردوں کی ریس ہوئی تھی۔ اُس ریس میں بھی خوبصورتی کا کپ انھیں نے جیتا تھا۔

چمپا: یہ بیاہے ہیں یا کنوارے؟

شوبھا رام: یہ تو میں ان سے پوچھ کر بتا سکتا ہوں۔

چمپا: دیکھو مہاشے۔ تم جتنا بیوپار میں پیدا کروں گے، میں اس سے دس گنا زیادہ تمھیں انعام میں دوں گی۔ کیا تم تھوڑی مہربانی کرو گے؟

شوبھا رام: جو تم جیسی روپ وان استری پر مہربانی نہ کرے، اُس پُرش کی مکتی ہی نہیں ہوسکتی۔ کہو کیا مہربانی چاہیے؟

چمپا: مجھے کرپا کرکے جیون دان دو۔ میں تمھارے دوست کی خوبصورتی پر مرگئی ہوں۔

شوبھا رام: یہ تو تم نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ جب سے دنیا میں عورت پیدا ہوئی ہے، تب ہی سے عاشق کے اسٹیج پر جینے مرنے کی کھیل ہورہا ہے۔

چمپا: تم دوست ہو۔ اُسے سمجھاؤ کہ میرا پیار سویکار کرے۔

شوبھا رام: چلو چھٹی ہوئی۔ دنیا میں سب دھندے کیے تھے، یہی دھندا باقی رہ گیا تھا۔

چمپا: ہاتھ بڑھاؤ۔ تم اپنی مہربانی کا جو دام مانگو گے (نوٹ ہاتھ پر رکھ کر) یہ اُس کی پیشگی ہے۔

شوبھا رام: پانچ سو کا نوٹ۔ اوہ ہو۔ مجھے آج معلوم ہوا کہ دلّالی کے دھندے میں اتنا فائدہ ہوتا ہے۔

چمپا: کیوں۔ اب تو مدد کرو گے؟

شوبھا رام: (دل میں) مفت کے روپے مل رہے ہیں۔ تو کیوں چھوڑ دوں۔ حال کھلنے کے بعد اپنے منھ پر آپ جوتیاں مارے گی۔ (ظاہر میں) اچھا شریمتی دل پھینک جی— تم پریم کی سڑک پر زبان کی موٹر دوڑاؤ۔ میں بھی ساتھ ساتھ پمپ بجاتا رہوں گا۔

(چمپا سرلا کے پاس جاکر اُسے گھورتی ہے۔ کھانستی ہے۔ آنکھ کے اشارے سے پاس بلاتی ہے۔ سرلا ہنستی ہے)

چمپا: کیوں جی۔ کیا میرے ہونٹوں میں رس، آنکھوں میں نشہ، گالوں پر لالی، چال میں لچک، جوانی میں بجلی کی چمک نہیں ہے۔ پھر تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے؟

سرلا: میں تم سے کیا بات کروں؟

چمپا: ارجن اور سبھدرا میں کیا باتیں ہوتی تھیں؟ کرشن اپنی پیاری رادھا سے کیا بات کرتے تھے؟ شرنگار کی باتیں کرو۔ پیار کی باتیں کرو۔ پریم کی باتیں کرو۔ میرے پیارے، اس دنیا میں مرد کا سکھ عورت ہے اور عورت کا سکھ پریم ہے۔

سرلا: بائی جی۔ مجھے شما کرو۔ میں نے ابھی تک عورت سے پریم کرنا نہیں سیکھا ہے۔

شوبھا رام: تو اب سیکھ لو۔ پریم کے اسکول کی ماسٹرنی تو مل گئی ہیں۔

چمپا: میری جان، تمھاری آنکھیں کتنی رسیلی اور کتنی کٹیلی ہیں۔ ان آنکھوں کا ایک چمبن ایک ہزار روپے میں بھی سستا ہے۔

شوبھا رام: (سائڈ میں) اوہ ہو۔ میری جورو کی آنکھ کی قیمت ایک ہزار— تب تو میں نے عورت سے نہیں امپیریل بینک سے بیاہ کیا ہے۔

چمپا: تم عورت نہیں ہو۔ پھر عورتوں کی طرح شرماتے کیوں ہو۔ میری جان۔ میرے۔ پیارے۔ (ہاتھ پکڑ لیتی ہے) اَہاہا۔ کیا نرم اور چکنے ہاتھ ہیں۔

شوبھا رام: ہاں۔ یہ ہاتھ ملائی اور مکھن سے بنے ہیں۔

سرلا: ہاتھ چھوڑ دو— آخر تم مجھ سے چاہتی کیا ہو۔

چمپا: پریتم۔ اور کچھ نہیں۔ میں اپنے لیے تمھارے دل میں تھوڑی سی جگہ چاہتی ہوں۔

سرلا: میرے دل میں جگہ چاہتی ہو؟

چمپا: ہاں۔ اس لیے کہ میں تمھاری عاشق ہوں۔

سرلا: تو کیا تم نے میرے دل کو عاشقوں کا دھرم شالہ سمجھ لیا ہے؟

چمپا: تم بڑے نردئی ہو۔ (شوبھا سے) کیا دوسرا نوٹ نہ لوگے؟ سفارش کرو نا؟

شوبھا رام: دوست اپنی جوانی پر انی شیخی کیوں کرتے ہو؟ قسمت کا احسان مانو کہ نیبوں

کے اچار جیسی چٹخارے دار عورت تم پر عاشق ہوئی ہے۔ ہم جیسوں کی جھڑوس صورت پر تو گدھی بھی عاشق نہیں ہوتی۔

سرلا: (شوبھا سے) یہ تم کیا بول رہے ہو؟

شوبھا رام: یہ میں نہیں بولتا۔ میرے ہونٹوں سے اس کا نوٹ بول رہا ہے۔

چمپا: دیکھو۔ دنیا میں سب سے قیمتی چیز عورت کا دل ہے۔ اس دل کی قدر کرو۔ (زمین پر بیٹھ کر) میں تم سے پیار کی بھیک مانگتی ہوں۔

سرلا: یہ بھیک کسی مرد سے مانگو۔

چمپا: تو کیا تم مرد نہیں ہو؟

شوبھا رام: یہ تو بھول سے مردوں میں پیدا ہوگئے ہیں۔

سرلا: کیا شکر نہ ہونے سے تم چائے کے پیالے میں شرم گھول کر پی گئی ہو۔ میرا پیار ریس کی ٹیپ نہیں ہے (شوبھا کی طرف اشارہ کرکے) جو اِن کی مہربانی سے مل جائے۔

(سرلا بگڑ کر جاتی ہے۔ اس کے پیچھے شوبھا رام کو ساتھ لے کر چمپا بھی جاتی ہے)

ایکٹ تیسرا — سین تیسرا

سیوا سمیتی آشرم کا دروازہ

(شام لال کے ساتھ دو بدمعاشوں اور بھونچال کا پرویش)

بھونچال: تمھیں یہ کیسے نشچے ہوا کہ ساوتری کی طرف سے سونا اور روپا مقدمہ دائر کریں گے؟

شام لال: اس لیے کہ جگدیش چندر چٹرجی وکیل جو جھوٹا مقدمہ بنانے اور جھوٹا کیس خریدنے میں مشہور ہے، روپیہ میں چار آنہ حصہ ٹھہرا کر ان کی مدد کے لیے تیار ہوگیا ہے۔

بھونچال: تم نے کیشو بابو کی طرف سے اپنے نام جو جعلی وصیت نامہ تیار کیا ہے، اس وصیت نامہ پر میں نے بھی گواہ بن کر دستخط کیے ہیں۔ چٹرجی بڑا ڈینجرس وکیل ہے۔ اس نے عدالت میں گواہی اور دستاویز جھوٹی ثابت کردی تو ہم دونوں کو دوبارہ کالے پانی کی سیر کرنی ہوگی۔

شام لال: جب ہی تو میں نے یہ آخری تجویز سوچی ہے۔ رادھے کانت بہت دنوں سے ساوتری کو چاہتا ہے۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر ساوتری کو میرے پنجے میں پھنسا دو تو پھر وہ زندگی بھر میری گود اور میری کوٹھی سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اس مقدمے میں ساوتری مدعی ہے۔ جب مدعی نہ ہوگی تو دعویٰ بھی نہ ہوسکے گا۔

بھونچال: یہی گھر ہے نا؟

شام لال: ہاں۔ وہ میری بہن گنگا کے ساتھ اسی آشرم میں رہتی ہے۔

بھونچال: بس تو نشچنت رہو۔ رات کے دس بج چکے ہیں۔ آج ہی اس سندر پنچھی سے یہ پنجرا خالی دکھائی دے گا۔

شام لال: تو میں رادھے کانت کی کوٹھی پر تمھارا راستہ دیکھتا ہوں۔

بھونچال: ٹھیک ہے، جاؤ۔ مجھے ساوتری کے منھ پر ڈالنے کے لیے ایک چادر اور اٹھا لے جانے کے لیے ایک موٹر کی ضرورت ہے۔ تمھاری ضرورت نہیں۔

(شام لال اور بھونچال کا پرستھان۔ گنگا اور ساوتری دروازہ کھول کر آشرم سے باہر آتی ہیں)

گنگا: سنسار بھی ہر روز اپنا روپ بدل دیتا ہے۔ کل آکاش کی چادر میں ہزاروں جگمگاتے ہوئے ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ آج ایک بھی چمکتا ہوا تارا دکھائی نہیں دیتا۔

ساوتری: ہاں بہن۔ آج نہ دھرتی پر چاندنی ہے اور نہ آکاش پر چاند تارے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری طرح رات بھی ودھوا ہوگئی ہے۔ اور اسی لیے اُس کے شریر سے سہاگ کے گہنے اتار لیے گئے ہیں۔

گنگا: پڑوس میں ایک نردھن بوڑھا بیماری کے بستر پر آخری سانسیں لے رہا ہے۔ محلے میں اتنے دھنوان ہیں، کنتو کوئی بھی اس کی خبر نہیں لیتا۔ مجھے آشا نہیں کہ وہ کل تک جیے۔ چلو اُس دکھی کی اتم سیوا سے اپنا جنم سپھل کریں۔

ساوتری: بہن۔ میں جلدی میں چادر لینا بھول گئی— ٹھہر— ابھی آئی۔

(اندر جاتی ہے)

گنگا: اَہ ہا۔ کتنی بھولی اور کتنی بھلی— بھائی شام لال، بھگوان تمھیں کب سمجھ دیں گے۔ سنسار ایک ساگر اور منشیہ کا جیون اس ساگر کی لہروں پر بہتی ہوئی ایک ناؤ ہے، کرم کے ہاتھوں سے منشیہ ہی اسے پار لگاتا ہے اور منشیہ ہی اسے

ڈبا دیتا ہے۔

(دو بدمعاشوں کے ساتھ بھونچال کا پُنہ پرویش)

بھونچال: یہی ہے — اُٹھا لو۔

(بدمعاش منھ پر کپڑا ڈال کے گنگا کو اٹھا کر بھاگتے ہیں۔ ساوتری واپس آکر انھیں بھاگتے دیکھ کر شور مچاتی ہے)

ساوتری: یہ کیا! — یہ کیا!! — دوڑو — دوڑو — رکشا کرو، بہن گنگا کی رکشا کرو۔

(سونا، روپا کا پرویش)

سونا: کیا ہے! — کیا ہے؟

ساوتری: وہ دیکھو۔ وہ دیکھو۔ بہن گنگا کو ڈاکو اُٹھا کر بھاگے جا رہے ہیں۔ پولس — پولس —

(ساوتری، سونا، روپا پیچھے دوڑتے ہیں)

ایکٹ تیسرا — سین چوتھا

رادھے کانت کا باغ

(رادھے کانت اور شام لال کا پرویش)

رادھے کانت: متر شام لال۔ بہت دنوں سے ساوتری کا دھیان میرے دل میں اور ساوتری کی صورت میری آنکھوں میں قید ہے۔ آج تمھاری مہربانی سے اس کا کومل سندر شریر بھی میری گود میں قید ہو جائے گا۔ اَہ ہا۔ کیسی خوبصورت قید اور کیسا خوبصورت قیدی۔

شام لال: تم جانتے ہو کہ کیشو بابو کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے میں اپنے سوارتھ پر ایک ہندو ودھوا کے روپ اور ستیہ کی بھینٹ چڑھا رہا ہوں۔ اتنے بڑے پاپ کی میں تم سے کوئی قیمت اور کوئی انعام نہیں چاہتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمھارے گھر کے قید خانے میں آنے کے بعد یہ خوبصورت قیدی موت سے پہلے چھوٹنے نہ پائے۔

(بھونچال کا پرویش)

بھونچال: میری چالاکی سے زیادہ رات کے اندھیرے نے میری مدد کی۔ شکار قبضے میں ہے۔

رادھے کانت: تو یہاں کیوں نہیں لائے؟

بھونچال: وہ خوف سے بیہوش ہوگئی ہے۔

رادھے کانت: بیہوش ہی اُٹھا لاؤ۔ جاگتے ہوئے حسن سے سوتا ہوا حسن اور بھی زیادہ حسین

معلوم ہوتا ہے۔

(بھونچال جاتا ہے)

شام لال: میں دوسرے کمرے میں ٹھہرتا ہوں۔ جب تم اُس پھول کا رنگ سگندھ لوٹ چکو گے۔ تب میں آکر پوچھوں گا کہ کہاں ہے تیرا ستیہ اور کہاں ہیں تیرے ستیہ دھرم کے رکشک؟

(جاتا ہے)

رادھے کانت: ابھی سے ہوا میں خوشبو پھیل گئی۔ میرے گھر میں سندر استری آئی ہے۔ یا بسنت رِتو؟

بھونچال: میں آپ کے لیے سوندریہ کے آکاش کا چندرما لایا ہوں۔ منہ کھول کر دیکھیے۔ اس کے گورے گورے گالوں کی روشنی سے اس گھر کی ہر ایک وستو چمک اُٹھے گی۔

رادھے کانت: میرے واپس آنے تک دیوان خانے میں بیٹھو۔

(بھونچال جاتا ہے۔ رادھے کانت گنگا کے چہرے سے چادر ہٹاتا اور اُسے دیکھ کر چونک اٹھتا ہے)

رادھے کانت: یہ کیا۔ رات کے اندھیرے میں صورت نہ پہچان کر دھوکے میں ساوتری کے بدلے دوسری عورت کو اُٹھا لایا۔ کنتو یہ ساوتری سے بھی زیادہ سندر ہے۔ وہ کلی تھی تو یہ کھلا ہوا گلاب کا پھول ہے۔ وہ چمکتا ہوا پکھراج تھی تو یہ جگمگاتا ہوا ہیرا ہے۔ اوہ ساوتری ہو یا کوئی اور۔ پیاسا یہ نہیں پوچھتا کہ یہ گنگا کا پانی ہے یا جمنا کا۔ مجھے استری کا پریم اور روپ چاہیے۔ اس کے پاس روپ ہے۔ اب دیکھتا ہوں، پریم ہے یا نہیں ہے۔ سندری آنکھیں کھولو۔ اُٹھو۔ سنو۔ میرے ہونٹوں سے جوانی کا سکھ تمھیں پکار رہا ہے۔

گنگا: (دھیرے دھیرے ساؤدھان ہوکے) یہ کون سی جگہ ہے؟ میں کہاں ہوں؟

رادھے کانت: پریم کے راج میں، دھن کی گود میں، سکھ کے پھولوں کی چھایا میں، ٹوٹے ہوئے سونے کے کھلونے کی طرح دھرتی پر کیوں پڑی ہو؟ اُٹھو تمھاری جگہ یہاں نہیں (دل کی طرف اشارہ کرکے) یہاں ہے۔

گنگا: جس طرح پاؤں کے پاس پڑی ہوئی گھائل ہرنی کو دیکھ کر شکاری خوش ہوتا ہے، اسی طرح ایک خونی مسکراہٹ تمھارے ہونٹوں پر ناچ رہی ہے، تمھیں دیکھ کر میرا ہردے کانپ رہا ہے، تم کون ہو؟

رادھے کانت: دھن کے راج کا راجا۔ جسے تمھارے روپ نے اپنا داس بنا لیا ہے۔ جیون کی دکان کا امولیہ رتن، جسے کوڑیوں کے دام تمھاری رسیلی آنکھوں نے خرید لیا ہے۔ آؤ۔ اب تک دوسروں پر میں حکومت کرتا تھا، اب میری مالک بن کر میرے پران اور ہردے پر تم حکومت کرو۔

گنگا: ساؤدھان۔ میرے کانوں نے آج تک ایسے گندے شبد کبھی نہیں سنے۔

رادھے کانت: یہ گندے شبد نہیں۔ پریم کے شبد ہیں اور پریم کے شبد ستار کی جھنکار اور کوئل کی پکار سے بھی زیادہ جوان استری کے کانوں کو میٹھے معلوم ہوتے ہیں۔

گنگا: تمھاری صورت ہندو ہے۔ کنتو تمھارا ہردے ہندو نہیں معلوم ہوتا۔ تم بھارت میں جنم لے کر بھی بھارت کی للناؤں کے دھرم کرم سے اتنے اگیان ہو۔ بھارت کی استری کے کان سیتا کا چرتر، ستیہ کی مہما، پتی اور پتا کی آگیا سننے کے لیے ہیں۔ جس استری کو پُرش کے پاپ میں ڈوبے ہوئے شبد میٹھے معلوم ہوتے ہیں وہ استری نہیں، دھرتی کا بوجھ، دنیا کا کوڑا اور ناری کے روپ میں نرک کی کتیا ہے۔

رادھے کانت: اگر تم چاہتی تھیں کہ کوئی پر پُرش تمھاری طرف پریم درشٹی سے نہ دیکھے، اگر تمھاری یہی اِچھا تھی کہ کوئی آدمی تمھاری جوانی کو روپ کا لہراتا ہوا ساگر، تمھارے کالے بالوں میں چمکتے ہوئے چہرے کو بادلوں کے ساتھ کھیلتا ہوا چندرما، تمھارے ہونٹوں کو پنکھڑی، تمھارے گالوں کو پھول، تمھاری آنکھوں کو

شراب کا چھلکتا ہوا پیالہ نہ کہے، تو تم نے سندر استری کے روپ میں اس دھرتی پر کیوں جنم لیا؟ مانگو مانگو، میں تمھارے روپ اور جوانی کی منھ مانگی قیمت دے سکتا ہوں۔

گنگا: روپ اور جوانی کوٹھے پر بیٹھنے والی ویشیائیں بیچتی ہیں۔ گرہست گھر کی دیویاں نہیں بیچتیں۔ جب اس دیش کے دُربھاگیہ سے کُل یُگ نے گلی گلی میں پاپ کی دکانیں کھول دی ہیں۔ جب تم کامی پُرشوں کو بازار کی ابھاگنیوں سے روپیے دے کر روپ مل سکتا ہے، تب دھرم پرائنا استریوں کے روپ کی طرف پاپ درشٹی سے کیوں دیکھتے ہو؟ تم پہاڑوں کا سونا، دریاؤں کے موتی، راجاؤں کے مکٹ کے ہیرے، دنیا کی تمام دولت دے کر بھی ستی کا ستیہ نہیں خرید سکتے۔

رادھے کانت: ستی اور ستیہ، دھرم اور دھرم پرائنا۔ لاج اور لاجونتی، یہ سارے شبد استریوں کو ہمیشہ اپنی لونڈی بنائے رکھنے کے لیے پُرشوں نے گڑھ لیے ہیں۔ اس سندر گورے انگ پر ودھوا کا وستر شوبھا نہیں دیتا۔ اس شریر پر ساٹن کی پھولور ساڑی، ان ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں، اِن ہونٹوں پر پان کی لالی، ان گالوں پر کاجل کا تل اور اس گلے میں کسی پریمی کی بانہوں کا ہار ہونا چاہیے۔ پتی مرگیا۔ تو کیا یہ چاہتی ہو کہ اس روپ اور جوانی کی بہار بھی مرجائے؟

گنگا: بھارت کا اِتہاس بدل گیا۔ سَبھیتا بدل گئی۔ آچار وچار بدل گئے۔ کنتو ابھی تک بھارت کی استریوں نے اپنا دھرم کرم نہیں بدلا— پتی کے مرنے کے بعد تم ایک ودھوا کو اُس کے کرتویہ مارگ سے ہٹانا چاہتے ہو— سنو۔ چتا میں جل کر راکھ ہوجانے کے بعد بھی ہندو وِدھوا کا پتی کبھی نہیں مرتا۔ وہ ایشور کے بھے اور دھرم کے پریم کی طرح سدا اس کے ہردے میں جیتا رہتا ہے۔

رادھے کانت: سندری۔ مجھے نراش مت کرو۔ جب سے تمھیں دیکھا ہے، دنیا کی کسی سندر وستو کو دیکھنے کی اِچھا نہیں رہی۔ تمھارے روپ کی مدرا پی کر میری آنکھوں کو نشہ ہوگیا ہے۔

گنگا: یدی کام کے نشے سے آنکھیں اتنی اندھی ہوجاتی ہیں کہ انھیں پاپ پنیہ کچھ

بھائی نہیں دیتا تو ان آنکھوں کو نکال کر پیروں سے کچل دینا چاہیے۔ آنکھوں کے نہ ہونے سے کیول چہرہ بگڑے گا۔ کنتو دھرم کی آنکھیں پھوڑو گے تو لوک پرلوک دونوں کا روپ بگڑ جائے گا۔

رادھے کانت: جوبن اور جوانی سے بھرپور استری کے ہردے میں ودھوا ہوجانے کے بعد سنسار کے سکھوں کی لالسا نہیں رہتی، یہ میں کبھی نہیں مان سکتا۔ تم میرے پریم کی پریکشا لے رہی ہو۔ آؤ، میری گود میں آؤ، میں بھدر پُرش ہوں، تمھارے وشواس کو کبھی دھوکا نہیں دوں گا۔

گنگا: ایسے نیچ کرم پر تمھیں اپنے کو بھدر پُرش کہتے ہوئے شرم نہیں آتی— تم بھدر پُرش نہیں، ایک ڈاکو ہو— ڈاکو دھنوانوں کا دھن لوٹتا ہے اور تم ستیوں کا دھرم لوٹتے ہو۔ وہ پستول اور چھری سے کام لیتا ہے اور تم موٹر اور بدمعاشوں سے مدد لیتے ہو۔ وہ ہاتھ سے چھری مارتا ہے اور تم پتی پرائنا استریوں کے ہردے میں ہونٹوں سے چھری مارتے ہو۔ بھدر پُرش بننا چاہتے ہو تو اپنی آنکھوں کو پوتر بننے کی شکشا دو۔ اپنے ہردے میں پراستری کے لیے اپوتر پریم کے بدلے، بھائی کا پریم پیدا کرو اور اپنی ماں، بہن کی طرح دوسروں کی بہو بیٹیوں کو بھی اپنی ماں اور بہن سمجھو۔

رادھے کانت: دیکھو۔ سکھ تمھاری سیوا، دھن تمھاری پوجا اور پُرش کے ہردے کا پریم تمھاری غلامی کرنے کو تیار ہے۔ اپنی قسمت کو ٹھوکر نہ مارو۔ میں ابھی تک برف ہوں۔ کنتو تم نے نہ مانا تو دہکتی ہوئی آگ کا روپ دھارن کرلوں گا۔

گنگا: تم آگ بن کر جلا دو— پتھر بن کر پیس دو۔ چھری بن کر مجھے میرے لہو میں ڈبو دو۔ میں ناری مریادا کے سامنے اپنی جان کو مٹھی بھر دھول کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔ تم میرے پران لے سکتے ہو، کنتو میری لاج اور میرا دھرم کبھی نہیں لے سکتے۔

رادھے کانت: نہیں؟

گنگا: نہیں—

رادھے کانت: میں پُرش ہوں اور تو ایک ابلا استری ہے۔

گنگا: کنتو اپنے ستیہ کی رکشا کرتے وقت استری بھی شیرنی بن جاتی ہے۔

رادھے کانت: کمزور کا ابھیمان، چھن بھر میں بلوان کے غصے کے سامنے دور ہوجاتا ہے۔

گنگا: کنتو ایشور کے کرودھ کی ایک ہی ٹھوکر سے بڑے بڑے بلوانوں کا بل، مٹی کے کھلونے کی طرح چور ہوجاتا ہے۔

رادھے کانت: میرا حکم سن۔ تو اس گھر میں میری قیدی ہے۔

گنگا: لیکن جو بزدوش قیدیوں کی سہایتا کرتا ہے، اُس کی شکتی تمھاری قیدی نہیں ہے۔

رادھے کانت: کون تیری پکار سنے گا؟

گنگا: جس نے دروپدی کی پکار سنی تھی۔

رادھے کانت: کون رکشا کرے گا؟

گنگا: جس نے سیتا کے ستیہ کی رکشا کی تھی۔

رادھے کانت: تیری شرڈھا تجھے ٹھگ رہی ہے۔ تیرے گالو ں پر اپنے ہونٹوں کے چمبن سے مہر کرکے ابھی ثابت کردیتا ہوں کہ تو میری ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔

(زبردستی پیار کرنا چاہتا ہے)

گنگا: چھوڑ دے۔ چھوڑ دے۔ نیچ، کمینے، مجھے چھوڑے دے۔

رادھے کانت: بول، کہ آج سے تم میرے پتی ہو۔

گنگا: (اپنے کو چھڑاتے ہوئے) کبھی نہیں — جس طرح ایشور ایک ہے، اُسی طرح ہندو استری کا پتی بھی ایک ہی ہوتا ہے۔

(ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہتی ہے)

رادھے کانت: کہاں بھاگتی ہے؟

(رادھے کانت ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیتا ہے۔ گنگا زمین پر گر پڑتی ہے اور اس کے سر کے بالوں سے اس کا منھ ڈھک جاتا ہے۔ شام لال کا پرویش)

شام لال: کیوں بازی جیت لی؟

رادھے کانت: ابھی تک ہار ہے۔ کنتو جیت کر چھوڑوں گا۔

شام لال: (بالوں سے منھ چھپے ہونے کے کارن گنگا کو نہ پہچان کر) دھن مل رہا ہے، سکھ مل رہا ہے، پریم مل رہا ہے، اور کیا چاہیے؟ کیا یہ دھنوان نہیں ہے؟ جوان نہیں ہے؟ سندر نہیں ہے؟ اُٹھو اور چمبیلی کے ہار کی طرح اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دو۔ ودھوا کی جوانی سوکھا ہوا باغ ہے۔ گالوں پر پرش کے چمبن کی ورشا ہوتے ہی تمھارا مرجھایا ہوا روپ ہرا ہوجائے گا۔

گنگا: (سر اٹھا کر) یہ آواز! پہچانی ہوئی آواز!!

شام لال: تم مجھ سے دھن مانگنے آئی تھیں اور یہ تم سے روپ مانگ رہا ہے۔ اُٹھو۔ روپ دو اور دھن لو۔

(گنگا کو کھینچ کر رادھے کانت کی گود میں پھینک دیتا ہے)

رادھے کانت: میری جان۔ میری ہردیشوری—

(لپٹانا چاہتا ہے)

گنگا: (رادھے کانت کا گلا پکڑ کر) کامی کتے— بھونکنا بند کر— تو اپنے باپ کے دانتوں سے میرے سینے کو گھائل نہیں کرسکتا۔

(ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹتی۔ شام لال پہچان کر چونک پڑتا ہے)

شام لال: کون!— یہ کون!!— گنگا؟!!!

گنگا: شام لال۔ یہ کیا۔ کیا تم بھی اس چھری کی دھار بنے ہوئے ہو؟

شام لال: ٹوٹ پڑ— آکاش مجھ پر ٹوٹ پڑ— دھرتی مجھے نگل جا— مجھے آج وشواس ہوا کہ جو دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے۔ اُسے ایک روز خود اسی کنویں میں گرنا پڑتا ہے۔ میں ساوتری کو پاپ کے پنجے میں پھنسانا چاہتا تھا، کنتو کرم کا

پھل دیکھو کہ میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے کُل کی لاج ایک کامی پُرش کے حوالے کردی— گنگا۔ مجھے شما کرو۔

رادھے کانت: شام لال، یہ کیا بک رہے ہو؟

شام لال: اس ’کیا‘ کا اُتر سن کر دنیا کا نیچ سے نیچ آدمی بھی میرے منھ پر تھوکے گا۔ یہ ساوتری نہیں ہے۔

رادھے کانت: کنتو یہ ساوتری سے بھی زیادہ سندر ہے۔

شام لال: بس۔ اب تم پاپ درشٹی سے اس دیوی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ سکتے۔

رادھے کانت: کیوں؟

شام لال: تم نے دنیا میں کمینہ بھائی نہ دیکھا ہو تو مجھے دیکھو۔ یہ میری بہن ہے۔

رادھے کانت: یہ جھوٹ ہے، دھوکا ہے۔ اس کا روپ اور جوانی دیکھ کر تم اس سندری پر موہت ہو گئے ہو۔

شام لال: کیا اس گھر کو اپنی چتا بنانا چاہتا ہے؟ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ میری بہن ہے۔

رادھے کانت: بہن بھی ہے تو کیا ہوا۔ خوش ہو کہ تم نے اپنی بہن کو کسی غریب کے گھر میں نہیں، دھنوان کے گھر میں پہنچایا ہے۔ جب دوسروں کی بیٹی، بہن کا ستیہ لوٹتے وقت تمھیں دکھ نہیں ہوا، تو آج اپنی بہن کی عزت لٹتے ہوئے دیکھ کر کیوں دکھ ہو رہا ہے؟

شام لال: پاجی— منھ بند کر—

(رادھے کانت کے منھ پر گھونسا مارنے کے لیے دوڑتا ہے۔ رادھے ایک ہاتھ سے شام لال کا ہاتھ پکڑتا اور دوسرے ہاتھ سے جیب سے پستول نکالتا ہے)

رادھے کانت: اتنی ہمت۔

شام لال: (پستول چھین کر) کتے— مر۔

(فائر کر دیتا ہے)

رادھے کانت: آہ—

(گرکر مرجاتا ہے)

گنگا: یہ کیا کیا!— غصے میں خون!!

شام لال: کوئی بھائی، بہن کا اپمان سہن نہیں کرسکتا۔

گنگا: لاؤ، لاؤ، یہ پستول مجھے دو اور تم یہاں سے نکل جاؤ— میں سویکار کروں گی کہ یہ خون میں نے کیا ہے۔

شام لال: میرے گلے کی پھانسی اپنے گلے میں ڈالو گی؟

گنگا: تم نے میرے مان کی رکشا کی ہے۔ میں بہن ہوں، اس لیے بھائی کے پران کی رکشا کروں گی۔

(بھونچال کا پرویش)

بھونچال: بھاگو، بھاگو— ہمیں گرفتار کرنے کے لیے سونا، روپا پولس لے کر آگئے— یہ کیا؟— خون!

شام لال: ہاں خون— اور یہ خون میں نے کیا ہے۔

بھونچال: تب آج پاپ کا پیالہ بھرگیا۔ باغ کے دروازے سے نکل چلو۔

شام لال: بہن آؤ۔

گنگا: میں تمھیں بچانے کے لیے یہاں ٹھہروں گی۔

شام لال: میں تمھیں اپنی آگ میں جلنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔

(بھونچال کے ساتھ گنگا کو کھینچتا ہوا لے جاتا ہے۔ پولس کے ساتھ سونا، روپا اور ساوتری کا پرویش)

پولس: کہاں ہیں بدمعاش؟— (رادھے کانت کی لاش دیکھ کر) ایک اور پاپ!— ڈاکا بھی، اور خون بھی!!—

سونا: ابھی گھر ہی میں ہوں گے — دوڑو۔ ورنہ نکل جائیں گے۔

(سب کا پرستھان)

—:سین ٹرانسفر:—

(بھونچال گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بھاگتا سونا روپا اُس کا پیچھا کرتے ہیں۔ آخر بھونچال ان کے قبضے میں آجاتا ہے)

سونا: دیکھا پاپ اور پنیہ کے یدھ میں انت میں پنیہ ہی کے جے ہوتی ہے۔

(پولس شام لال کو لیے ہوئے آتی ہے۔ پیچھے پیچھے گنگا کا پرویش)

پولس: خونی گرفتار ہوگیا۔

سونا: اسے بھی باندھو۔

(سپاہی ہتھکڑی نکالتا ہے)

بھونچال: واہ بھئی! اس لوہے کے کنگن کو ان ہاتھوں سے کتنی محبت ہے!! (شام لال سے) چلیے مہاشے۔ جیل کی روٹی پھر ہمیں یاد کر رہی ہے۔

—ڈراپ—

بھارتی بالک

(سماج کا شکار)

(دھرمی بالک کا دوسرا حصہ)

1930

بھارتی بالک (1930)

یہ ڈراما (پورا نام بھارتی بالک عرف سماج کا شکار) دراصل ’دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا‘ کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کے تمام مرکزی کردار وہی ہیں جو ’دھرمی بالک‘ کے تھے۔ سونا، روپا اور بھونچال یہاں بھی اپنی سابقہ سرگرمیوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مختلف محققین نے اس کے سال تصنیف کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آغا حشر نے یہ ڈراما ’دھرمی بالک‘ کی تصنیف کے فوراً بعد 1930 میں لکھا تھا۔ یہ دونوں ڈرامے مدنس تھیٹرز کے لیے لکھے گئے تھے اور پہلی باران کی ہی کمپنی ’پارسی الفنسٹن ڈرامیٹک کمپنی آف کلکتہ‘ کے زیر اہتمام یکے بعد دیگرے پیش کیے گئے۔ دونوں ہی ڈرامے عوام میں بے حد مقبول ہوئے۔ اس ڈرامے میں آغا حشر نے ’دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا‘ کی کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور سماجی شعور کی بہترین عکاسی کی ہے۔ چنانچہ اس کے بین السطور اس زمانے میں انگریزوں کے خلاف بڑھتی ہوئی سیاسی سرگرمیوں کے اثرات واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ اس میں استعمال کیے گئے مختلف مکالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آغا حشر کو غلام ہندوستان کی صورت حال پر گہری تشویش تھی۔

آغا حشر کے ذخیرے میں اس ڈرامے کا صرف ایک ہی مسودہ محفوظ ہے۔ یہ منتشر اوراق کی شکل میں ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ یہ مسودہ اسی کاتب کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس نے ’دھرمی بالک‘ کا مسودہ تیار کیا تھا۔ چنانچہ اس میں بھی کسی جگہ کاتب کا نام اور تاریخ کتابت

درج نہیں۔ یہ مسودہ چار حصوں میں منقسم ہے اور یہ چاروں حصے علیحدہ علیحدہ دھاگے سے منسلک ہیں۔ پہلے حصہ پہلے ایکٹ پر مشتمل ہے جس میں 1 سے 45 تک صفحات نمبر درج ہیں۔ دوسرے اور تیسرے ایکٹ بھی الگ الگ ہیں لیکن ان پر صفحات کے نمبر نہیں ڈالے گئے ہیں۔ چوتھا حصہ کومک کا ہے جو 28 صفحات کو محیط ہے۔ اس مسودے کے پہلے صفحے پر پنسل سے ڈرامے کا نام ‘بھارتی بالک عرف سماج کا شکار از آغا حشر کاشمیری’ لکھا ہوا ہے۔ مشمولہ متن اسی مسودے کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔

ناٹک کے پاتر

پُرش:

1۔ سونا	سیوا سمیتی کا کاریہ کرتا
2۔ روپا	سیوا سمیتی کا کاریہ کرتا
3۔ بھونچال	ایک پیشہ ور مجرم
4۔ رادھے کانت	ایک کامی دھنی
5۔ ہر پرشاد	ایک غریب
6۔ شام لال	لالچی سے شریف بننے والا
7۔ بھونڈو راو	ایک انگریزی سبھیتا کا پجاری ہندستانی
8۔ بہاری لال	ویشیا گامی سیٹھ
9۔ شوبھا رام	ایک بے روزگار نویوک

اِستری:

1۔ پھول کماری	ہر پرشاد کی بہن
2۔ سرلا	شوبھا رام کی پتنی
3۔ اُما دیوی	پنڈتا۔ ودوان
4۔ شاما بائی	نائیکہ
5۔ سبھدرا دیوی	ایک دھنی مہیلا
6۔ کرشنا کماری	ایک مہیلا
7۔ ساوتری	ایک نوجوان ودھوا

انک پہلا — درشیہ پہلا

سیوا سمیتی آشرم

سونا: اِس سندر بھیشن درشیوں سے پری پورن جگت کے سمان منشیہ کے ہردے میں بھی ایک اسیم اور مہان سرشٹی کی رچنا ہوئی ہے۔ اس میں بھی دھرم، پنیہ کے سوریہ چندر، اگیانتا کی گھور راتری، بدھی کا تیج مئی پربھات، اہنکار کے گرجتے ہوئے بادل، سہانو بھوتی اور اپکار کی ورشا، کرودھ کے جوالامکھی پربت، دیا کی ندیاں، پریم کی پھلواری، ایرشا، دویش، گھرنا کی مروبھومی، پاپ، لالسا کے بھینکر پشو، اُتّم بھاوناؤں کے سندر پکشی، وچار پری ورتن کی رتو، ہر طرح کے درشیہ دکھائی دیتے ہیں۔ اس بھیتری جگت کی وشالتا اور مہانتا سے اگیات منشیہ کی بھول ہے جو ہردے سے باہر کی دنیا میں جیون کی شانتی اور سورگ کا سکھ ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ دکھ اور سکھ، شانتی اور اشانتی، نرک اور سورگ کی اتپتی ہمارے اچھے برے وچاروں سے ہوتی ہے۔ کرم اور کرتویہ کی جاگرتی کا نام سکھ، وویک کی پوترتا کا نام شانتی اور کام، کرودھ، موہ، لوبھ سے مکت ہونے کا نام سورگ ہے۔

روپا: منشیہ کا جنم کیوں ہوا؟ اس پرشن کا پرتیک پرانی اپنی پرکرتی اور رُچی کے انوسار الگ الگ اُتر دے گا۔ راجا کہے گا، راج شاسن کے لیے۔ تیاگی کہے گا، آتمک اُنتی کے لیے۔ لوبھی کہے گا، دھن کے لیے۔ کامی کہے گا، بھوگ ولاس کے لیے۔ کنتو میرا وشواس ہے کہ منشیہ کا جیون جگت کی پوترتا، آنند اور سوندریہ بڑھانے کے لیے ہوا ہے۔ سنسار کی شوبھا پورتی ہمارے جیون کا کارن،

دھرم ہمارے جیون کا مارگ، آتم اُتسرگ ہمارے جیون کا آدرش اور منشیتا کی سیوا ہمارے جیون کا اُدّیشہ ہے۔

سونا: اپنا پرایا، تیرا میرا، جاتی وجاتی، کے وچاروں ہی نے دیش ابھیمان اور جاتی پکش پات کے شستر سے سنسار کے ایکتا، سمانتا، شانتی اور پریم کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔ ہمیں بھوگول سیما سے الگ اور سماج مت کے وَاستو سے سوتنتر ہوکر جل، پون، پرکاش کے سمان اپنے پریم اور سیوا کا ہردیش، ہرجاتی، ہر منشیہ کو ادھیکاری سمجھنا اور اس کے منگل کی چیشٹا اور کامنا میں اپنے آپ کو لین کردینا چاہیے۔ دھنیہ ہے وہ منشیہ، جس کی ہرسانس پریم کاسندیسہ ہے اور دھنیہ ہے وہ جیون جس کا ہرچھن اندھکار پر پرکاش کے وجے کی گھوشنا ہے۔

انک پہلا — درشیہ دوسرا

محلہ

(ہر پرشاد کے گھر کا دروازہ)

بھونچال: مہاشے شام لال پھانسی سے، شریمان رادھے کانت مرتیو اور جیل سے اور پُنیہ آتما بھونچال جی کالے پانی کی یاترا سے بچ گئے— کیسے بچے، یاد ہے؟

رادھے کانت: کیشو بابو کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے اس کی ودھوا استری کو پھانسنے کا پرپنچ، ساوتری کے دھوکے میں گنگا پر چھاپا۔ بہن کی عزت بچانے کے لیے شام لال کا پستول سے حملہ، سونا روپا کے ساتھ پولس کا پرویش، تمھاری اور شام لال کی گرفتاری، ایک مہینے کے بعد میری اسپتال سے واپسی اور ثبوت کمزور ہونے پر تم دونوں کی رہائی۔ یہ سب پچھلے جنم کی نہیں، اسی جنم کی باتیں ہیں۔ پھر یاد نہ رہنے کا کارن کیوں پوچھ رہے ہو؟

بھونچال: اس کیوں کا بھی اُتر دوں گا۔ پہلے یاد کیے ہوئے پہاڑے کی طرح اس مزے دار کہانی کو دہرا جاؤ۔

رادھے کانت: پستول سے گھائل ہوکر گرنے کے بعد شام لال، گنگا، پولس، سب کو میرے مرجانے کا نشچے ہوگیا تھا۔ کنتو گولی سر اور چھاتی کے بدلے بائیں کندھے پر لگی تھی۔ اس لیے ایک مہینہ اسپتال میں رہ کر شیش جیون کا آنند بھوگنے کے لیے، بھاگیہ کا گن واد گاتا ہوا گھر واپس آگیا۔

بھونچال: ٹھیک ہے تم شمشان کے دروازے تک پہنچ کے ڈاکٹروں کی مہربانی سے جی

اُٹھے۔ آگے بڑھو۔

رادھے کانت: ایک بھدر گھر کی استری کو ڈاکوؤں کی طرح راستے سے اُٹھا لانا اور اُسے ستی سے اَستی بننے کے لیے زبردستی بادھیہ کرنا، یہ سادھارن اَپرادھ نہیں ہے۔ پستول سے پران ہتیا کی چیشٹا کرنے کے لیے شام لال کی سزا ہوتی تو شام لال کی بہن گنگا کا ولاپ سن کر کورٹ مجھے بھی سات برس سے کم جیل نہ بھیجتی۔

بھونچال: متر، ایک بار جیل کی روٹی کھالیتے تو کبھی گھر کی روٹی اچھی نہ معلوم ہوتی— آگے؟

رادھے کانت: نردوش ہونے پر بھی گنگا کو اپنی بدنامی کا ڈر تھا، اس لیے اُس نے اپنے نام کو کلنک اور بھائی کو سزا سے اور میں نے اپنے کو جیل سے بچانے کے لیے پرسپر سمجھوتہ کرکے بیان بدل دیا۔ گنگا نے کورٹ میں کہا کہ مجھے زبردستی نہیں لائے، بلکہ میں اپنے بھائی شام لال کی اچانک بیماری کی خبر سن کر اُسے دیکھنے آئی تھی اور میں نے کہا کہ شام لال جیب سے پستول نکال کر ٹیبل پر رکھنے جارہا تھا۔ ڈربھاگیہ وش پستول بھرا تھا۔ لبلبی دب گئی اور میں گھائل ہوگیا۔

بھونچال: کہے چلو۔

رادھے کانت: ہماری اور شام لال کی لگاتار بنتی اور گنگا کی آنسو بھری سفارش سے بے بس ہوکر انت میں سونا روپا کو بھی عدالت میں کہنا پڑا کہ گنگا کے پرتی ہمیں جھوٹی سوچنا ملی تھی۔ اس طرح دعویٰ، ثبوت گواہی نہ ہونے کے کارن ہم جیل جانے کے بھے سے اور تم اور شام لال جیل کی اندھیری کوٹھری سے مُکت ہوگئے۔

بھونچال: تھوڑے جھوٹ سے تین آدمیوں کی جان اور ایک استری کی عزت بچ گئی۔ جس سے نقصان کے بدلے دوسروں کا بھلا ہو، ایسے ہی جھوٹ کو پنیہ مے جھوٹ کہتے ہیں— اس کے بعد؟

رادھے کانت: اِس کے بعد ودھوا ساوتری کو اس کے پتا کی سمپتی واپس دے کر دھرم پرائنا گنگا کے ساتھ شام لال اپنے پچھلے پاپوں کا پرائشچت کرنے کے لیے کاشی چلا گیا اور میں نے سکھ پراپتی کا نیا ابھیاس اور تم نے اپنا پرانا دھندا آرمبھ کردیا۔

بھونچال: اب اپنے پرشن 'کیوں پوچھتے ہو' کا اُتر سنو۔ جو پولس کی ہتھکڑی کو بہادری کا

میڈل، جیل کو پاپ کے لشکر کی چھاؤنی اور چکی کو جیتا ہوا مورچہ نہیں سمجھتا، وہ جنرل بھونچال کی پاجی فوج کا سپاہی بننے کے لائق نہیں ہے۔ تم گرفتاری اور سزا کا شبد سنتے ہی ہجڑے کے دل کی طرح ڈر سے کانپ اُٹھتے ہو۔ اس لیے دیا کرکے صلاح دیتا ہوں کہ ہتھیار پھینک دو۔ یدھ میں کائر کی جے نہیں ہوتی۔

رادھے کانت: ڈھلتی ہوئی جوانی کے تیج کی طرح دھیرے دھیرے میری دولت کم ہوتی جاتی اور بنا سندور کی مانگ کی طرح ایک یوون وتی سندری کے ابھاؤ سے میرا ولاس بھون اُداس ہورہا ہے۔ اس لیے روپیوں کے لیے ودھوا ساوتری کو اور روپ کے لیے ہر پرشاد کی کنواری بہن پھول کماری کو پھانسنا ہی ہوگا۔ میں پولس، کورٹ، جیل سب سے نپٹ لوں گا۔ تمھیں روپیہ چاہیے اور مجھے تمھاری سہایتا۔ کیا تم روپیوں سے گھرنا کرتے ہو، جو میری سہایتا نہیں کرنا چاہتے؟

بھونچال: میں نے تو اس لیے صلاح دی تھی...... اچھا جانے دو۔ تمھیں صلاح کی ضرورت نہیں، لیکن مجھے روپیوں کی ضرورت ہے— گھماؤ چکر— آدھے پاجی کو پورا پاجی بنانے کے لیے مدد نہ کرنا، میں بھی مہاپاپ سمجھتا ہوں۔

رادھے کانت: ہر پرشاد کے قرض خواہوں کو کس طرح ٹھیک کیا؟

بھونچال: انھیں اپنا روپیہ چاہیے۔ ہر پرشاد دے، تم دو، میں دوں، کوئی دے۔ روپیہ ملنے کا وشواس ہوتے ہی سب کے سب یہاں آکر میرا سکھایا ہوا ناچ ناچنے کے لیے راضی ہوگئے۔

رادھے کانت: وہ آپہنچے۔

(بجاج، بنیے اور مہاجن کا پرویش)

بھونچال: آؤ دوستو۔ یہ رادھے کانت بابو ہیں۔ انھیں کا سندیسہ لے کر میں تمھارے پاس گیا تھا۔ دیکھو، جس طرح میں نے تمھیں سمجھایا ہے، اُسی طرح پہلے

تقاضا کرنا، پھر دھمکی دینا، اس کے بعد گالی گلوج اور انت میں مار پیٹ پر تیار ہوجانا۔ اتنی بے عزتی پر بھی روپیے وصول نہ ہوئے، تب میں آکر پائی پائی چکا دوں گا اور ہاں قرض چکاتے سمے ہر پرشاد کی طرف سے میں تمھیں دو چار انٹ شنٹ سنا دوں تو برا نہ ماننا۔ میں تم سے عمر میں بڑا ہوں۔ سمجھنا کہ میرا باپ مجھے آشیرواد دے رہا ہے۔

مہاجن: مہاشے، ہم غریب لوگ ہیں، ڈوبے ہوئے روپیے مل جائیں تو آپ کی گالی کو بھی شکر میں لپٹی ہوئی کونین کی گولی سمجھ کر گلے سے اُتار لیں گے۔

رادھے کانت: میں آڑ میں ہوجاتا ہوں۔ زمین تیار ہے۔ بیج بوؤ۔ فصل کاٹنے کے وقت آجاؤں گا۔

(جاتا ہے)

بھونچال: نہ میں پاپ کو چھوڑ سکتا ہوں، نہ پاپ مجھے چھوڑتا ہے۔ دونوں ریل کے پہیے اور ریل کی پٹری کی طرح ساتھ ساتھ نرک کی طرف دوڑے جارہے ہیں۔

(ہر پرشاد گھر سے باہر آتا۔ بھونچال چھپ جاتا ہے)

ہر پرشاد: بھگوان نے جیون کے سارے سادھن چھین کر میرے غریب گھر میں دو چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ فاقہ اور سولہ برس کی کنواری بہن— میں آج تک سکھ میں ایشور کو اور دُکھ میں دھرم کو نہیں بھولا۔ میں نے دھن اور سکھ کے لیے پاپ کے ہاتھ کرتویہ کو نہیں بیچا، پیٹ کے لیے جھوٹ نہیں بولا۔ اپنے سوارتھ کے لیے دوسروں کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اس لیے مجھے مرتیو سے ڈرنے کا کارن نہیں ہے۔ کنتو جب سوچتا ہوں کہ میرے پشچات میری یوا بہن پھول کماری کی کیا درگت ہوگی تو مرنے کا بھی ساہس نہیں ہوتا۔ ہا۔ کیسا ابھاگا ہوں۔ نوکری بھی نہیں، پیسہ بھی نہیں۔ قرض ملنے کی آشا بھی نہیں اور مرنے کا ساہس بھی نہیں۔

(ہر پرشاد جانا چاہتا ہے۔ بھونچال کے اشارے پر لین دار اُسے گھیر لیتے ہیں)

سب: ٹھہرو۔

بجاج: جب روپیہ نہیں دے سکتے تھے تو ٹاٹ پہنتے، چٹائی لپیٹتے، گھاس پھوس سے بدن ڈھانکتے۔ اُدھار کپڑا کیوں خریدا تھا؟ پینتالیس میں سے کیول پانچ روپے اب تک وصول ہوئے ہیں۔ بے عزت ہونا نہیں چاہتے تو رکھ دو باقی روپے۔

بنیا: (بجاج سے) تمھیں تو پینتالیس میں سے پانچ بھی مل گئے۔ لیکن میری چھوٹی پونجی کی دکان سے یہ مہاشے پچاس روپے کا اناج لا چکے ہیں۔ کنتو جھوٹے وعدوں کے سوا اُس پچاس میں سے اب تک ایک پیسہ بھی نہ ملا۔

مہاجن: (بجاج اور بنیے سے) آج ایک، کل دو، پرسوں پانچ، اس طرح تھوڑا تھوڑا کرکے سو روپے ان کی ضرورتوں کی بھینٹ چڑھا دیے۔ لیکن اب تک نہ سود کا پتہ ہے، نہ مول کا۔ پھر بھی بیاج پر روپیہ دینے والے بدنام ہیں— اب کبھی کسی غریب پر دیا نہ کروں گا۔

ہر پرشاد: بھائیو۔ میں تمھارے روپیوں کا بھی اور اپکار کا بھی رِنی ہوں۔ کنتو بے روزگاری اور غریبی کے کارن میری اوستھا......

بجاج: روزگار نہیں، نوکری نہیں، جیون بتانے کا کوئی سہارا نہیں، تو ہمیں کیا!— ہمیں روپیہ چاہیے۔

مہاجن: اب ہم سے نہ دیں گے۔ نہ تیری ہائے ہائے سنیں گے۔ رکھ روپے (گردن پکڑ کر) جھوٹے— چور۔

(گھر کے اندر سے شور سن کر پھول کماری کا پرویش)

پھول کماری: کیسا شور!— یہ کیا!!— (بھائی سے لپٹ کر) بھراتا جی— (مہاجن سے) ارے یہ تو منشیہ نہیں، دیوتا ہیں۔ تم اِن کا کیوں اپمان کر رہے ہو؟

مہاجن: جو خوشامد اور رونے سے روپیے لینا جانتا ہے لیکن مانگنے پر واپس دینا نہیں جانتا، اس کا ایمان نہیں، تو کیا روپیہ دینے کے اپرادھ کا پرائشچت کرنے کے لیے لین دار پھولوں سے اس کی پوجا کریں گے؟

ہرپرشاد: بھائیو، میرے پاس کوئی جائیداد نہیں کہ رہن رکھ دوں۔ اس بچی کے بدن پر گہنے نہیں کہ تمھیں اُتار کر دے دوں۔ تھوڑے دنوں اور دیا کرو۔ نوکری ڈھونڈھ رہا ہوں۔ دوسروں کی غلامی کا نام نوکری ہے۔ میرا دُربھاگیہ کہ مجھے یہ غلامی بھی نہیں ملتی۔

بجاج: ہم عدالت میں جاکر ایک روپیہ کے لیے اور دس روپیے خرچ کرنا نہیں چاہتے۔ ٹکے گن دو۔ نہیں تو لات اور گھونسوں سے وصول کریں گے۔ بے شرم۔ دھوکے باز— یوں نہیں دے گا۔ مارو پاجی کو۔

(سب مل کر ہرپرشاد پر حملہ کرتے ہیں)

پھول کماری: رکشا کرو— بھگوان— غریب کی رکشا کرو۔

(بھونچال سامنے آتا ہے)

بھونچال: یہ کیا! یہ کیا!! (ہرپرشاد کو چھڑا کر) تین مل کر ایک کمزور بھدر پُرش کی عزت اور جان پر حملہ کر رہے ہو!! کیا یہی منشیہ کی سبھیتا ہے۔ کیا اِسی کا نام ویرتا ہے؟

مہاجن: مہاشے۔ قرض کی رقم کے لیے دوڑتے دوڑتے پاؤں کی کھال اور مانگتے مانگتے زبان گھس گئی۔ اپنا دھندا دیکھیں یا عدالت میں وکیلوں اور گواہوں کی خوشامد کرتے پھریں؟ ہم تو اسی طرح وصول کریں گے۔

بھونچال: اس مایا روپی سنسار میں راجا پرجا۔ امیر غریب سب دکھی ہیں۔ اندر کی آنکھوں سے دیکھو، تو چاروں اور دکھ ہی دکھ دکھائی دے گا۔ یہی کارن ہے جو آنند کی ہنسی میں بھی آنسو نکل آتے ہیں۔ اس لیے غریب پر ترس کھانا اور دُکھ کے گھاؤ پر دَیا کا مرہم لگانا منشیہ کا دھرم ہے۔ کتنے روپیے مانگتے ہو؟

مہاجن: چالیس اس کے ہیں۔ پچاس اس کے اور مول بیاج ملا کر ایک سوتیس میرے۔ لگ بھگ سوا دو سو روپیے۔

بھونچال: یہ سو سو کے تین نوٹ لو۔ اپنا قرضہ وصول کرکے باقی رقم رادھے کانت بابو کی کوٹھی پر واپس کرجانا— جاؤ۔ آج تک دھن کو چاہتے رہے، اب دھرم کو بھی پیار کرنا سیکھو۔

بجاج: (خود سے) سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ پرپنچ ہے یا پروپکار۔

(لین داروں کا پرستھان)

ہر پرشاد: پنیہ آتما۔ تم کون ہو؟ تمھاری سہانو بھوتی اور دیا دیکھ کر نشچے ہوگیا کہ ابھی تک دھرتی پر منشیہ کے روپ میں دیوتا اُپستھت ہیں۔

بھونچال: میں آپ کے پڑوسی رادھے کانت بابو کا کارندہ ہوں۔ انھوں نے اپنے گھر کی کھڑکی سے لین داروں کو آپ کا اپمان کرتے دیکھا اور مجھے آگیا دی کہ اس سنکٹ میں آپ کی سہایتا کروں۔

ہر پرشاد: مجھ غریب پر رادھے کانت نے دیا کی۔ انھیں رادھے کانت نے، جن کے پرتی سارے شہر کا یہ وچار ہے کہ وہ اَدھرمی، سوارتھی، چرتر ہین، دنیا کے سب سے زیادہ خراب آدمی ہیں؟

بھونچال: دنیا نے بڑے مہاپُرشوں کو دوش لگایا ہے، وہ تو ایک سادھارن منشیہ ہیں۔ لیجیے۔ پڑوسی کا کرتویہ پالن کرنے کے لیے وہ سوئم آگئے۔

(رادھے کانت کا پُنہ پرویش)

ہر پرشاد: رادھے بابو شما کرنا۔ میں دنیا کی باتیں سن کر تمھیں وِش سے اَدھک گھاتک اور مرتیو سے ادھک نردئی سمجھتا تھا۔ آج معلوم ہوا کہ تم ماتا کے سنیہ کے سمان پروپکاری اور ایشور کی دَیا کے سمان منگل کاری ہو۔ اپنے غریب پڑوسی کا ہارِدک دھنیہ واد اور آشیرواد سویکار کرو۔

رادھے کانت: یہ تچھ سہایتا دھنیہ واد کے یوگیہ نہیں ہے۔ آپ میرے بھدر پڑوسی ہیں۔ عمر میں بڑے بھائی کے برابر ہیں۔ اس وقت بے روزگار ہیں، اس لیے آپ کی سیوا میرا پرتھم کرتویہ ہے۔ میں نے آپ کی نوکری کا بھی بندوبست کیا ہے۔ ڈھاکہ میں میرے ایک متر ہیں، اُن کے آفس میں دو سو روپے مہینے کی جگہ خالی ہوئی ہے (ایک لفافہ دے کر) لیجیے۔ (ہرپرشاد لفافہ لے لیتا ہے) اس میں سفر کے لیے سو روپے کا نوٹ اور میرا سفارشی خط ہے۔ کل ہی پہلی ٹرین سے ڈھاکہ روانہ ہوجائیے۔ ایشور آپ کا دُکھ دور کریں۔

ہرپرشاد: آہ!— غریبی، قسمت کے اَپرادھی کے گلے میں نراشا کا پھندا ڈال کر پاؤں کے نیچے سے پھانسی کا تختہ کھینچنے کو تیار ہوچکی تھی، تم نے آکر اُسے بچا لیا۔ دین دکھیوں کی سہایتا اور رکشا کے لیے تمھارا جیون امر ہو۔

پھول کماری: ہے دیالو۔ تم پیاسے کے لیے پانی، روگی کے لیے دوا، ٹوٹے ہوئے ہردے کے تاروں میں آشا کی گونج بن کر کہاں سے آگئے؟— تم نے ایک دکھ سے مرتے ہوئے کو جیون دان دیا ہے (ہاتھ جوڑ کے) میں تمھاری دیا کے چرنوں میں نمسکار کرتی ہوں۔

ہرپرشاد: (گھر کی طرف اشارہ کرکے) تھوڑی دیر کے لیے کرپا کیجیے۔

بھونچال: (رادھے کانت کے کان میں) اُپکار اور وشواس نے میدان صاف کردیا۔

رادھے کانت: اِسے ڈھاکہ جانے دو۔ پھر بھوکا شیر ہے اور خوبصورت ہرنی۔

(سب گھر میں جاتے ہیں)

انک پہلا — درشیہ تیسرا

ساوتری کا گھر

(ودھوا ساوتری اپنے پتی کی تصویر کی پوجا کر رہی ہے)

ساوتری: ناتھ، اس اندھکارے سنسار ساگر میں جس کا کنارا نہیں، جس میں جگنو کی چمک جتنا پرکاش نہیں۔ جس کے کرودھ گرجن کو شانت کرنے کا اُپائے نہیں۔ تمھیں میرے جیون نوکا کے کھویا تھے۔ میرے دُربھاگیہ نے تمھیں مجھ سے چھین لیا۔ اب میں اکیلی دُکھ کی گھور راتری میں طوفانی لہروں پر کرتویہ پالن کے ہاتھوں سے اپنے ودھوا جیون کی ناو کھے رہی ہوں— سوامی، میں ابلا، دربلا ہوں۔ اس اسیم نراشا میں دھرم ہی میری آتما کا سہارا اور تمھاری اسرتی ہی میرے ہردے کا بل ہے۔

(سونا روپا کا پرویش)

سونا: ودھوا جیون کی پوترتا بھکتی بن کر، مرن پراپت پتی کے چتر کے گلے میں آرادھنا کے پھول اور پریم کے آنسوؤں کا ہار پہنا رہی ہے۔

روپا: کیسا اپورو درشیہ۔ بھارت بھومی کے سوا کسی دیش میں ایسا وچتر اور پوتر درشیہ دکھائی نہ دے گا۔

ساوتری: سونا بھائی— دن پانی کی لہروں کی طرح بہے جا رہے ہیں۔ دان پتر کے لیے کسی وکیل سے کب پرامرش کرو گے؟

سونا: تمھاری اِچھا پورتی کے لیے میں اس وقت وکیل مہاشے ہی کے پاس جا رہا ہوں۔

ساوتری: سے اور مرتیو، منشیہ کے ادھین نہیں ہے۔ اس لیے جتنا شیگھر ہو، دان پتر کی رجسٹری ہو جانی چاہیے— کیا سوچ رہے ہو؟

سونا: بہن— میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم دھن اور ادھیکار کا راج تیاگ کر دیش سیوا کا سنیاس دھارن کرنا چاہتی ہو— یہ تیاگ نہیں، جیون کی کٹھور تپسیا ہے۔ ایک بار اپنے نرنے پر پھر وچار کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ بھوشیہ کی آنکھوں میں پچھتاوے کے آنسو دکھائی دیں۔

ساوتری: آگ جلاتی ہے، چندرما کی چاندنی نہیں جلاتی۔ پچھتاوا پاپ سے ہوتا ہے پنیہ سے نہیں ہوتا۔

روپا: پوجیہ نیہ بہن۔ اپنی ساری سمپتی ودھوا آشرم کے لیے دان کر دینے کے بعد تمھارے پاس کیا رہ جائے گا؟

ساوتری: وہ دھن جو خرچ نہ کرنے سے گھٹتا اور خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

روپا: کلیانی— وہ کون سا دھن؟

ساوتری: ایشور کا وشواس— پتی کا دھیان اور دیش کا پریم۔

(اندر سے گانے کی آواز آتی ہے)

(گانا)
بھارت کی نیا پار اتارو
دیش کا دکھ ٹارو
کرجاؤ شبھ نام نام نام
یدی ہو بھارت کے سنتان
تو جس سے ہو بھارت کا کلیان
نت کرنا وہ کام کام کام

ساوتری: کتنا بھاوپورن، اُچ پوتر گانا۔ مانو کوی کے بدلے دُکھ اور آنسو نے مل کر اس گانے کی رچنا کی ہے— کون لوگ گا رہے ہیں؟

سونا: سیوا سمیتی کے سیوک— وہ اپنی شوک دھونی سے سوئے ہوئے بھارت واسیوں کو جگانا چاہتے ہیں— کنتو ابھاگے جاگتے ہیں اور سوجاتے ہیں۔

(پھر اندر سے گانے کی آواز آتی ہے)

(گانا) دنیا کے سب دیش سکھی ہیں
بھارت دیش دکھی ہے
بھارت کا اُدّھار کرو تم۔
بھارت کی سیوا میں ہے سکھ دھام دھام دھام

ساوتری: ہا— گانے کا ایک ایک شبد آنسوؤں میں ڈوبا ہوا ہے۔ ''دنیا کے سب دیش سکھی ہیں' بھارت دیش دکھی ہے''۔ (سونا روپا سے) کیا دکھی بھارت اب کبھی سکھی نہ ہوگا؟

سونا: بہن جس بھارت میں جھٹکے، گائے، باجے، چھوت اچھوت، ممبریوں اور نوکریوں کے جھگڑے ہیں۔ بھائی بھائی میں پھوٹ ہے۔ دیش کی ایکتا اور شانتی کا ناش کرنے والے اخباروں کے سوارتھی ایڈیٹر ہیں۔ ہندو، مسلمان کو لڑا کر اپنی دکان داری چمکانے والے لیڈر ہیں۔ جہاں سناتنی، سماجی، جین، بودھ، مسلمان، عیسائی، یہودی، سکھ، پارسی، ہر ایک اپنی سبھیتا اور دھرم کو دوسروں کی سبھیتا اور دھرم سے اونچا جانتا ہے۔ ہر جاتی، دوسرے جاتی کے ساماجک سدّھانت اور اُس کے مہاپرشوں کے چرتر اور شکشا کا اپمان کرتی ہے۔ جہاں کروڑوں اچھوتوں کو رام اور کرشن کے بھکت ہونے پر بھی اُنچ جاتی کے ہندو، ہندو نہیں سمجھتے۔ جہاں کے لوگ دوسروں سے اپنا ادھیکار مانگتے، لیکن خود اپنے بھائیوں کو ان کا ادھیکار دینا نہیں چاہتے۔ اُس ابھاگے دیش کے سکھی ہونے کی کون سی آشا ہے؟

ساوتری: بھگوان— بھارت پر دیا کرو۔

روپا: یدی بھارت واسی، اس دُکھ بھومی پر سکھ کا راج دیکھنا چاہتے ہیں تو انھیں

چاہیے کہ پہلے اپنے گھر میں، اپنے سماج میں، اپنے بھاؤں میں، اپنی آتماؤں میں، ایکتا، سمانتا اور پریم کا راج استھاپت کریں۔ لڑانے والے ایڈیٹروں اور لیڈروں سے گھرنا کرنا سیکھیں۔ سب کو برابر کا ادھیکار دیں اور دلوں میں دویش اور دھرم سے پکشپات کو الگ کرکے گنگا جمنا کی طرح سنیہ سنگم پر گلے مل کر ایک ہوجائیں— جس دن یہ پریورتن ہوا، اُس دن بھارت میں ہر طرف سکھ ہی سکھ دکھائی دے گا۔

ساوتری: سنو— وہ پھر گا رہے ہیں۔

(پھر گانے کی آواز آتی ہے)

(گانا) کرم نگر میں آئے ہو تو دھرم کا سودا کرلو
دھرم ہی جگ میں سچا دھن ہے
باقی سارے دھن ہیں کھوئے۔ دام دام دام

ساوتری: چلو پاس سے سنیں— یہ گانا نہیں، کرتویہ کا وِلاپ ہے۔

(سب کا پرستھان)

انک پہلا — درشیہ چوتھا

ہرپرشاد کا گھر

(رات کا سمے ہے۔ پڑوسن اور پھول کماری باتیں کررہی ہیں)

پڑوسن: تو جب سے تمھارے بھائی ڈھاکہ گئے ہیں، رادھے کانت خیریت پوچھنے کے بہانے سے ایک بار روز آتا ہے۔

پھول کماری: ہاں۔ ایک دن میں نہا کر بال سکھا رہی تھی کہ وہ آگیا اور ہنس کر کہنے لگا کہ یہ کالی گھٹا کہاں برسے گی؟ میں نے لاج سے سر پر آنچل ڈال کے گردن جھکالی، تو بولا کہ تمھیں دیکھ کر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ گھونگھٹ کی آڑ سے بسنت رتو، بھونروں کا ناچ دیکھ رہی ہے اور ایک دن آکر کہا کہ تم تو پھول کماری کے بدلے کوی کالیداس کی شکنتلا معلوم ہوتی ہو۔ پھر ایک دن...... کہاں تک کہوں۔ کہتے بھی لاج آتی ہے۔ انت میں، میں نے ہاتھ جوڑ کر بنتی کی کہ شما کرو۔ ان شبدوں سے مجھے دکھ ہوتا ہے۔ لجت ہونے کے بدلے اس ونے کا اُس نے یہ اُتر دیا کہ میں تمھیں پیار کرتا ہوں اور پیار انتم سیما پر پہنچ کر منشیہ کو پاگل بنا دیتا ہے۔ میں بھی تمھارے پریم میں پاگل ہورہا ہوں۔

پڑوسن: تمھارے بھائی، میرے ہی بھروسے پر تمھیں چھوڑ گئے ہیں۔ میں پڑوس میں گھر سے ملے ہوئے گھر میں رہتی ہوں اور دن رات میں کئی بار تمھاری خبر لینے آتی ہوں۔ پھر تم نے آج سے پہلے یہ باتیں مجھ سے کیوں نہ کہیں؟

میں اُس پاپی رادھے کانت سے کہہ دیتی کہ یہاں نہ آیا کرو۔

پھول کماری: پریم کا شبد سن کر میں کرودھ اور گھرنا کے ساتھ بگڑ کر اندر چلی گئی۔ اُس روز سے وہ نہیں آیا۔ کنتو جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ وہ پھر آئے گا— ماتا— آج گھر نہ جاؤ۔ سانجھ سے نہ جانے میرا دل کیوں دھڑک رہا ہے۔

پڑوسن: تمھاری اِچھا ہے کہ گھر نہ جاؤں تو نہ جاؤں گی۔ رات زیادہ آگئی— چلو سو رہیں۔

(دونوں کا پرستھان۔ بھونچال اور رادھے کانت کا پرویش)

بھونچال: کتنی اندھیری رات ہے۔ مانو رات کے اندھکار میں ہمارے آتما کی کالما بھی مل گئی ہے۔

رادھے کانت: میں نے خوشامد کی، لالچ دیا، اُس کے پیروں میں بیٹھ کر پریم کی بھیک مانگی۔ کنتو بھیک میں کیا ملا؟ وست آنکھوں سے گھرنا درشٹی اور کرودھ سے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے ''چلے جاؤ'' کے شبد اب زبردستی کے سوا اور کوئی اپائے نہیں ہے۔ میں اندر جاتا ہوں۔ ضرورت پر مدد کے لیے تیار رہو۔

(اندر جاتا ہے)

بھونچال: میں سوارتھ کے گراموفون کا ریکارڈ اور رادھے کانت کا روپیہ، اُس ریکارڈ کو بجانے والی سوئی ہے۔ اس سنسار کے پرشوں کا دھن اور استریوں کا دھرم تو سادھارن وستو ہیں۔ یدی مجھے روپیہ ملے تو میں دیوتاؤں کے ہردے کا آنند اور ان کے ہونٹوں کی ہنسی بھی چھین لینے کو پاپ نہ سمجھوں گا۔

(پھول کماری آکر دروازے کی طرف بھاگتی ہے)

پھول کماری: بھگوان!— بھگوان!!— تم کہاں ہو!!! (بھونچال روکتا ہے) تو کون؟ (رادھے آکر اُسے پکڑ لیتا ہے) چھوڑ دے، چھوڑ دے۔ اَدھرمی، پاپی، مجھے

چھوڑ دے— میں تیرے پاؤں پڑتی ہوں۔ اس بھیشن اتیاچار کو دیکھ کر تیرا باپ بھی تجھ سے گھرنا کر رہا ہوگا۔

رادھے کانت: تیرے روپ اور جوانی کے امرت سے اپنی کام ترشنا کو ترپت کرنے ہی کے لیے میں نے تیرے بھائی کی سہایتا کی تھی۔ استری کی شوبھا جوانی، جوانی کی شوبھا روپ اور روپ کی شوبھا پُرش کا پریم چمبن ہے۔ اپنا سوبھاگیہ سمجھ کر اس چمبن کا سواگت کر۔

(پڑوسن کا پرویش)

پڑوسن: پھول— پھول— کہاں گئی؟— یہ کیا؟

بھونچال: چپ۔

(منھ میں کپڑا ٹھونس دیتا ہے)

پھول کماری: دیاہین ڈاکوؤ—

(پڑوسن کو بچانے دوڑتی۔ رادھے کانت کلوروفارم سنگھا کر اُسے بیہوش کر دیتا ہے)

رادھے کانت: (بھونچال سے) اسے اندر کھینچ لے جاؤ (پھول کماری کو گود میں لے کر) اب یہ روپ بھی میرا ہے— اور تو بھی میری ہے۔

—:ٹیبلو:—

انک پہلا— درشیہ پانچواں

(کومک)

بھونڈو راو کا ڈرائنگ روم

بھونڈوراؤ: او۔ نیور۔ نیور۔ عورت کے منھ پر مونچھ، بچے کے منھ پر باپ کی داڑھی، گدھی کے سر پر بھینس کی سینگ اور کالے بھیجے میں گوری عقل کبھی پیدا نہیں ہوسکتی— بیرا، ویل، بیرا— امریکہ کا مس میو کتاب لکھا ‘مدر انڈیا’۔ اس کا دیسی فاونٹن پن جواب لکھا ‘فادر انڈیا’۔ اب تیسرا ‘سن انڈیا’ چوتھا ‘ڈاٹرانڈیا’ لکھے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں ‘دھوتی اور پتلون انڈیا’ لکھوں اور ثابت کردوں کہ جب تک بھارت واسی کرتا، دھوتی چھوڑ کر میری طرح کوٹ پتلون نہ پہنیں گے، کبھی بھارت چھکڑے سے موٹر نہیں بنے گا— بیرا، اویو— بیرا کا بچہ۔

(بیرے کا پرویش)

بیرا: ہر وقت چیختا رہتا ہے۔ عجب گھن چکر مالک ہے۔ واہ وا۔ ذرا کالی صورت پہ انگلش ڈریس دیکھو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکس والوں نے تماشے کے خچر کو کوٹ پتلون پہنا دیا۔ (پاس جاکر) حکم۔

بھونڈو راؤ: گھوڑے کو بھگانے کے لیے ایک چابک اور آدمی کو بلانے کے لیے ایک آواز بس ہے— کیا کرتا تھا؟

بیرا: میں زمین پر کوئلے سے حساب لکھ کر جوڑ رہا تھا کہ اب تک میرے کتنے بچے

پیدا ہوئے۔

بھونڈو راؤ: ول— تم بچہ پیدا کیا— اور تمھیں کو بچہ لوگ کا حساب نہیں معلوم۔

بیرا: حضور، میری بیوی ہر سال ڈبل انڈا— جوڑواں بچے دیتی ہے۔ ایک درجن تک گنتی یاد رکھی— اب کہاں تک یاد رکھوں؟

بھونڈو راؤ: کے لڑکے اور کے لڑکیاں ہوئیں؟

بیرا: تین لڑکے، باقی سب لڑکیاں۔ میری جورو لڑکیاں پیدا کرنے میں بہت سخی اور لڑکے پیدا کرنے میں ایک دم کنجوس ہے۔

بھونڈو راؤ: تم غریب آدمی ہو، اتنی لڑکیوں کا بیاہ کیسے کرے گا؟

بیرا: یہی تو رونا ہے۔ لاکھ سمجھاتا ہوں کہ لڑکیاں پیدا نہ کرو، مگر بیوقوف عورت مانتی ہی نہیں۔

بھونڈو راؤ: پوور چیپ!

بیرا: سرکار، آپ تھوڑی سی مدد کریں تو میں ایک اور بیاہ کی ٹرائی کروں؟

بھونڈو راؤ: دوسرا بیاہ، شیم شیم۔ اور کاہے کو بیاہ کرے گا؟

بیرا: اس لیے کہ اس نے اتنے بچے جن دیے کہ محلے والے میری جورو کو میرے بچوں کی ماں سمجھنے کے بدلے میری ماں سمجھتے ہیں۔

بھونڈو راؤ: نہیں نہیں— برا بات— دوسری شادی مت کرو— کیا تم نے میونسپلٹی سے شہر کی آبادی بڑھانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟

بیرا: بہت اچھا، تو میں اپنے ڈیڑھ درجن بچوں سے کہہ دوں گا کہ باوا کے بدلے مجھے اپنا بڑا بھائی کہا کرو۔

بھونڈو راؤ: دیکھو (ماتھے کو انگلی سے ٹھونک کر) او، میں تمھارا نام بھول گیا— وِل اپنا نام بولو۔

بیرا: سرکار، میرا نام ہے، مہاشے پچکوڑی کا بٹیا پچرنگی۔ میری جورو کا نام ہے بے ڈھنگی، پہلے لڑکے کا نام جنگی اور آخری لڑکی کا نام بھجنگی۔ باقی لڑکیوں کا نام گنگی، رنگی، ننگی، لفنگی، نارنگی......

بھونڈو راؤ: تمھارا گھر بھر کا نام نہیں پوچھتا۔ تمھارا نام پوچھا۔ یورنیم، پچرنگی۔ یعنی پانچ رنگ والا؟

بیرا: جی ہاں— میرا نانا پیلا، ماموں چتکبرا، دادا گورا، ماں بھوری تھی، اسی لیے مجھے پچرنگی، یعنی پچ میل کہتے ہیں۔

بھونڈو راؤ: وِل پچرنگی، سنو۔ اس شہر کی ایجوکیٹڈ اِڈوانس لیڈی لوگوں نے ہندستانی عورتوں کو سدھارنے اور ابھارنے کے لیے ایک ریفارم سوسائٹی بنایا ہے۔ اس سوسائٹی کا گورا نام ہے— 'فیمیل یونین کلب' اور کالا نام ہے 'استری سماج'۔ مس پکوڑی مل اس کلب کا سکریٹری اور ہمارا بیاہی ہوئی لڑکی، یعنی ہماری جنوائی کا جورو، اس کا جوائنٹ سکریٹری ہے۔

بیرا: حضور سکریٹری کسے کہتے ہیں؟

بھونڈو راؤ: سکریٹری کے معنی ہے، سوسائٹی کا آفیسر۔ گھڑی کا پنڈولم۔ موٹر کا سیلنڈر— تم نے جھانپے کے اندر مرغیوں کے بیچ میں کوئی مرغا نہیں دیکھا؟

بیرا: جی دیکھا ہے۔

بھونڈو راؤ: تو بس سمجھ لو کہ وہ جھانپا مرغیوں کا کلب، مرغیاں اُس کی ممبر اور مرغا اس کا سکریٹری ہے۔ سمجھا— کاب کا بوائے، اپنے نانا کی چوتھی شادی میں شریک ہونے کے لیے چھٹی لے کر گیا ہے— واپس آنے تک اُس کی جگہ تمھیں کام کرنا ہوگا— چھوٹا میم صاحب کہاں گیا؟

بیرا: مس گوہر چند کے ساتھ ٹینس کھیلنے۔

بھونڈو راؤ: اور چھوٹا صاحب؟

بیرا: وہ دروازے پر بیٹھے ہوئے میم صاحب کے کتے کو بسکٹ کھلا رہے ہیں۔

بھونڈو راؤ: جاؤ۔ خانساماں کو بولو کہ چائے تیار کرے۔ بٹ دیکھو۔ آسٹریلیا کی چائے، جرمنی کا پیالہ، پیرس کا دودھ، امریکہ کا شکر ہو۔ ہم سہارنپور کے گنے کی چینی اور دارجلنگ کی دیسی چائے نہیں مانگتا۔

بیرا: (جاتے جاتے) میں نے سنا تھا کہ مرنے کے بعد دوسرا جنم ملتا ہے۔ لیکن

اسے دیکھ کر نشچے ہوگیا کہ آدمی جیتے جی بھی گدھے کا جنم لے سکتا ہے۔

(چلا جاتا ہے)

بھونڈو راؤ: او گاڈ— او گاڈ— تو نے مجھے ہندستان میں کیوں پیدا کیا؟ کیا میرے لیے سفید زمین پر کسی طویلے میں بھی جگہ نہ تھی؟

(سرلا ٹینس کھیلنے کا ریکٹ ہاتھ میں لیے دوڑتی ہوئی آکر اپنے باپ سے لپٹ جاتی ہے۔ اُس کے ساتھ ہی شوبھا رام بھی آتا ہے)

سرلا: پاپا— پاپا۔ ہیلپ می، ہیلپ می۔ یہ مجھ سے زبردستی جھگڑا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ٹینس کھیلنے نہ جانے دوں گا۔

شوبھا رام: آج عورتوں کے ساتھ ٹینس کھیلتی ہو۔ کل کہو گی کہ میں مردوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلوں گی۔

سرلا: میں ریس میں جاؤں گی، ٹینس کھیلوں گی، استری سماج کے پلیٹ فارم پر لکچر دوں گی۔ آئی وِل ڈو وہاٹ اِوَر آئی لائک۔ تم روکنے والے کون؟

شوبھا رام: میں تمھارا ڈرائیور ہوں۔ اس لیے مجھے روکنے کا حق ہے— تم آج کل عورت سے بغیر بریک کی موٹر کار بن گئی ہو۔ میں نے نہ روکا تو تمھاری بدولت کسی دن ڈینجرس ایکسیڈنٹ ہوجائے گا۔

بھونڈو راؤ: دیکھو، یہ ہماری لڑکی اور تم ہمارا جنوائی ہے۔ ہم باپ اور سسر ہونے کے حق سے دونوں کو صلاح دیتا ہے کہ چھوٹا چھوٹا بات پر لڑائی مت کرو۔ آپس میں پیار کے ساتھ بھائی بہن کی طرح مل کر رہو۔

شوبھا رام: بیکاری کے دنوں میں تمھاری ان لاڈلی نے مجھے مجبور کیا کہ نوکری ملنے تک میرے باپ کے گھر چل کر رہو— اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ یہاں آکر تمھاری مہربانی سے چھ ہی مہینے میں اس کا چلنا، بولنا، دھرم، شرم سب کچھ بدل جائے گا تو میں چنیا بادام اور گھانسی رام کا چنا بیچتا۔ لیکن سسرال کبھی نہ آتا۔

بھونڈو راؤ: وِل، احسان مت بھولو۔ یہ میٹرک پاس کرکے آئی اے میں ایجوکیشن پا رہی تھی کہ ماں کی ضد سے تمھارے ساتھ بیاہ کی گاڑی میں جوڑ دی گئی۔ تمھیں خوش ہونا چاہیے کہ میں نے اتنے ہی دنوں میں اس پر ایسی پالش کردی کہ اب یہ انگریزی بولنے میں سنیما کا ٹاکنگ پکچر، ہنسنے ہنسانے میں چارلی چیپلن، فیشن اور لباس میں پرل وہائٹ معلوم ہوتی ہے۔

شوبھا رام: اور یہ گھر کی دیوی سے، اسٹیج کا جھاڑو تارا بن گئی، تو بھارت کی عزت میں کون سے چار چاند لگ گئے؟— اس گھر میں آزادی، فیشن اور بیوقوفی کی بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ تھوڑے دن یہاں اور رہی تو پھر یہ کسی دوا سے اچھی نہ ہوسکے گی— میں کل ہی اس سسرالی پاگل خانے سے چلا جاؤں گا— اور مسٹر جورو، تمھیں بھی ساتھ چلنا ہوگا۔

سرلا: یہ فیشن ایبل گھر، اور سب طرح کا سکھ چھوڑ کر ساتھ چلوں؟— وہاٹ فار؟ چانول پھٹکنے، برتن مانجھنے، میلی دھوتی پہن کر چولھا پھونکنے؟ نو، آئی وونٹ گو— رادھے شیام، سیتا رام رٹنے والے طوطے کی طرح اب میں پھر گھر کے پنجرے میں بند ہوکر سوامی، سوامی نہیں کرسکتی— میں اپنا بوجھ آپ اُٹھاؤں گی۔ آج تک تم کما کر مجھے کھلاتے تھے، اب میں نوکری کرکے تمھیں کھلاؤں گی۔

بھونڈو راؤ: (تالی بجا کر) ہیر ہیر۔ ول ڈن، وِل ڈن۔ دیکھا— نوکری کرکے تمھیں کھلائے گی— کتنا ہمت والا جورو ہے۔

شوبھا رام: ان لچھنوں پر اسے کون جورو اور عورت کہے گا۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکول کا مونچھ منڈا لونڈا سامنے کھڑا ہے۔

بھونڈو راؤ: میں نے اس کی نوکری کے لیے کئی فرموں اور آفسوں میں فوٹو کے ساتھ اَپلی کیشن بھیج دیا ہے۔ اگر تمھیں ہمارے گھر کا انگریزی کھانا مزا نہیں دیتا، تو چلے جاؤ لیکن یہ ہندستانی دال روٹی کھانے کے لیے تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔

سرلا: فادر نے کیا کہا! سمجھے؟

شوبھا رام: سمجھے۔

سرلا: کیا سمجھے؟

شوبھا رام: یہی کہ تم میری جورو نہیں بلکہ میں تمھاری جورو ہوں۔

بھونڈو راو: مائی بوائے۔ آئی ایم ڈوئنگ دِس، آل فار یور ہپی نیس۔ تھوڑے دنوں میں تمھارا وائف کو ضرور نوکری مل جائے گا۔ پھر تمھیں یہاں سے جانے اور نوکری ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی تنخواہ کا روپیہ تمھارا ہی روپیہ ہے۔ جیسے ماں کی جائیداد پر بیٹے کا حق ہوتا ہے، ویسے ہی جورو کی کمائی پر پتی کا حق ہے۔

شوبھا رام: یہ پیروں سے چل کر جائے، گود میں بیٹھ کر جائے، پیٹھ پر لد کر جائے، لیکن میں اسے ضرور لے جاؤں گا (سرلا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہے) یہ میری جورو ہے، تمھاری جورو نہیں ہے۔

بھونڈو راؤ: ڈونٹ لوز یور ٹمپر۔ (سرلا کا ہاتھ چھڑا کر) زبردستی مت کرو۔ نہیں تو ہم کورٹ میں دعویٰ کردے گا کہ ہمارا غریب داماد، ہمارا کماؤ لڑکی کو بھگا لے گیا۔

شوبھا رام: میں نے بہت ٹائپ کے سسر دیکھے۔ لیکن تمھارے جیسا نکلا سسر نہیں دیکھا۔

بھونڈو راؤ: تمھارا کھوپڑی میں اُلو کا عقل ہے۔ خانساماں چائے تیار کیا ہوگا۔ (سرلا سے) مائی ڈیوٹی فل ڈاٹر— کم الانگ—

(چلا جاتا ہے)

سرلا: چلو چائے پی لو۔ غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے چائے میں تھوڑی برف ملا لینا۔

شوبھا رام: چائے تو بہت پی۔ اب تمھاری مہربانی سے زہر پینا باقی رہ گیا ہے۔

سرلا: تو کیا زہر پی کر مرنا چاہتے ہو؟ نہیں میں تمھیں نہیں مرنے دوں گی۔ (گلے میں ہاتھ ڈال کر) کیا تمھیں اچھا معلوم ہوگا کہ میں اس جوانی میں ودھوا

ہو جاؤں؟

شوبھا رام: اب کیا کروں؟ یہ بگڑی ہوئی گھڑی تو پھر ٹھیک ٹائم دینے لگی۔

سرلا: آؤ، نہیں تو چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔

شوبھا رام: چلو۔ گلے میں ہاتھ پڑتے ہی میرا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہو گیا— ہائے رے دل اور ہائے ری عورت— (گانا)

انک پہلا— درشیہ چھٹا

ہرپرشاد کا گھر

(رادھے کانت کا پاؤں تھامے پھول کماری زمین پر بیٹھی ہے)

رادھے کانت: جس دن میں نے کلورو فارم سنگھا کر تمھارے ستیہ اور دھرم کے ابھیمان کو چور چور کردیا، اُس دن کے بعد تم میری چھایا سے بھی اپنے کو بچاتی رہیں۔ مجھے دیکھتے ہی اس طرح بھاگ کر چھپ جاتی تھیں، مانو کوئی سانپ یا بھیڑیا گھر میں گھس آیا ہے۔ جب پریم کا جواب پریم سے نہ ملا، تو میں نے یہاں نہ آنے کی پرتگیا کرلی۔ آج اس طرف سے جارہا تھا، تم دروازے کی آڑ میں کھڑی ہوکر سودا خرید رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر تم نے گھر میں آنے کے لیے ہاتھ جوڑ کر خوشامد کی اور میں دَیا کرکے چلا آیا۔ کیا یہی بکواس سنانے کے لیے مجھے بلایا تھا؟

پھول کماری: تم نے بیہوشی کی دوا سنگھا کر پاپ کا لیما سے میرے دھرم کا تیج نشٹ کردیا۔ میرے ہردے کا سوندریہ چھین لیا۔ میرے آتمک گورو کا راج لوٹ لیا۔ آج ایک تیج ہین، گوروہین ہندو کنیا کے وِلاپ کو بکواس کہتے ہو۔ یہ بکواس نہیں، ہردے میں سلگتی ہوئی آگ کا دھواں ہے۔ یہ آنسو نہیں، اُسی آگ کی پگھلی ہوئی چنگاریاں ہیں۔

رادھے کانت: میں اِستری کے ہونٹوں سے پریم چمبن کی کہانی اور جوانی کے سکھوں کا سنگیت سننے کے لیے سے دے سکتا ہوں۔ اُس کی ہائے ہائے سننے کے لیے

میرے پاس سے نہیں ہے۔ جو کچھ کہنا ہے، ایک سانس میں کہہ ڈالو۔ کنتو ساودھان۔ شبدوں میں۔ آنسوؤں کی بھاشا میں نہیں۔

پھول کماری: ہائے کیا کہوں اور کس طرح کہوں۔ ان شبدوں کو سن کر سوپن میں ڈر گئے ہوئے بالک کے سمان جگت بھے بھیت ہوکر چیخ اُٹھے گا۔ بہتا ہوا پانی آشچریہ سے جم کر پتھر بن جائے گا۔ سورج، چاند، تارے، دُکھ کے آنسوؤں کی بوندیں بن کر ٹپ ٹپ کرکے دھرتی کا آنچل بھگو دیں گے۔ میں۔ میں گربھ...... اوہ۔ دھرم۔ کان بند کرلے۔ دنیا بہری ہوجا۔ ہوا، دیوتاؤں تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں میری آواز کا گلا گھونٹ دے۔ رادھے کانت— دھنوان ڈاکو— سونے کے پیالے میں بھرے ہوئے وِش— میں گربھ وتی ہوگئی ہوں۔

(دونوں ہاتھوں سے منھ چھپا لیتی ہے)

رادھے کانت: بچے کی ماں بننا استری کا گورو ہے۔ یدی تم اس گورو کو کلنک جانتی ہو تو میں دوا لا دیتا ہوں۔ گربھ گرا دو۔

پھول کماری: کیا کہا، گربھ پات۔ ایک پاپ کے بعد دوسرا پاپ۔ دھرم ہتیا کے بعد جیو ہتیا— جس کے کانوں نے ابھی جیون اور مرتیو کے شبد بھی نہیں سنے، جس نے جنم لے کر اپنی سانس سے دنیا کے وایو منڈل میں ہلکی سی لہر بھی پیدا نہیں کی۔ تم اتیاچار کے ہاتھوں سے ماں کے گربھ ہی میں اس کا گلا گھونٹنا چاہتے ہو؟ جس پاپ کے لیے عدالت سے، سماج سے، ایشور سے، تمھیں دنڈ ملنا چاہیے اپنے اُس پاپ کا دنڈ تم ایک نردوش بالک کو دینا چاہتے ہو؟

رادھے کانت: دنیا بدل گئی اور اس کے ساتھ پاپ اور پنیہ کے شبدوں کا ارتھ بھی بدل گیا۔ جس کام سے اپنا نقصان ہو، وہی پاپ ہے اور جس بات سے اپنا لابھ ہو وہی پنیہ ہے۔

پھول کماری: میں سمجھتی تھی کہ میرے غریب بھائی کو اس کے بھولے پن اور وشواس کی اور

مجھے میرے روپ اور جوانی کی اتنی بھیانک سزا دینے کے بعد تمھارے ماتھے پر شرم کا پسینہ دکھائی دے گا۔ میری پرارتھنا نہیں تو میرے گربھ میں آنے والی آتما تمھیں بھولی ہوئی دیا یاد دلا دے گی۔ کنتو آج بھی تم ویسے ہی نشٹھر، ویسے ہی ہردے ہین دکھائی دے رہے ہو۔ میں اپنی سکھیوں کو، سماج کو، بھائی کو اور یہ ابھاگا بچہ دنیا کو کس طرح منھ دکھا سکے گا؟ میں اب تک تم سے گھرنا کرتی تھی لیکن اب اس گھرنا کو کرتویہ پالن اور سیوا سے بدل دینے کو تیار ہوں۔ مجھ سے بیاہ کرکے اپنی سنتان کو اور مجھے دنیا کے کلنک سے بچا لو۔ میں اس بیاہ کو بھی تمھاری دیا سمجھوں گی— رادھے کانت۔ میں تم سے دیا کی بھکشا مانگتی ہوں۔

رادھے کانت: وہ جیون جو ہوا میں پھیلی ہوئی سگندھ، اُڑتے ہوئے قہقہے، ناچتی ہوئی سکھ کی تان کی طرح سوتنتر ہے، اُسے بیاہ کے بندھن سے جکڑ دوں۔ گڑھے میں بھرے ہوئے گندے بند پانی کی طرح سنسار کی چنتاؤں سے گھر کر نیرس اور ویرتھ بنادوں۔ بیاہ دھرم کا بنایا ہوا غلامی کا قانون ہے۔ سماج پرتھا کی چوکھٹ پر استری پُرش کی آتم ہتیا ہے۔ دو گھڑی کی ہنسی اور جنم بھر کا رونا ہے۔ بیاہ میں ہاتھ ملتے ہیں، دل نہیں ملتے۔ دلوں کو ملانے والی وستو پریم ہے۔ پریم چمبن ہی کا نام وواہ منتر اور پریم آلنگن ہی میں جیون بتانے کا نام وواہ ہے۔ میں تم سے پریم کرسکتا ہوں، وواہ نہیں کرسکتا۔

پھول کماری: جو پریم، دھرم سے بیاہ کے اُپہار میں نہ ملا ہو۔ جس پریم کو لگن منڈپ میں برہمنوں کے منتر نے پوتر نہ کیا ہو۔ جس پریم کو ماں، باپ اور سماج نے آشیرواد نہ دیا ہو، وہ پریم نہیں، لالسا کا چھل، ہردے کا پاگل پن اور آتما کی بیماری ہے۔ میں پریم نہیں چاہتی۔ کپڑا، گہنا، سکھ نہیں چاہتی۔ دھرم پتنی کا ادھیکار نہیں چاہتی۔ کیول وواہ مندر میں شرن لے کر دنیا کے حملوں سے اپنے نام اور اپنے کل کی لاج کو بچانا چاہتی ہوں۔ منھ نہ پھیرو۔ اِدھر دیکھو۔ میں ایک ایک سانس سے تمھاری سیوا کروں گی۔ پیر سے اُتری ہوئی جوتی کی طرح

ایک کونے میں پڑی رہوں گی اور ہمیشہ اپنے کو دیا دھن سے مول لی ہوئی داسی سمجھوں گی۔ میں بھنور میں پھنسی ہوئی ٹوٹی ناؤ ہوں۔ مجھے نہ بچاؤ گے تو دنیا کی گھرنا اور اپنے آنسوؤں میں ڈوب جاؤں گی۔

رادھے کانت: تم میرے جیون کے پیالے میں روپ کی شراب اور پریم کا نشہ بن کر رہ سکتی ہو، لیکن میرے گھر میں وواہ مندر کی دیوی بن کر نہیں رہ سکتیں۔ کیونکہ دیوی ستی ہوتی ہے اور تم اپنا ستیہ کھو چکی ہو۔

پھول کماری: نشچے میں آج دنیا کی ستیوں کے سامنے ستیہ ابھیمان کے ساتھ سر اونچا کر کے کھڑی نہیں ہوسکتی۔ بھارت کی انگوٹھی کا بے داغ ہیرا نہیں کہی جاسکتی۔ کنتو اس ہیرے کا تیج کس نے لوٹ لیا۔ اس ہندو گھر میں کھلے ہوئے پھول کی شوبھا اور سگندھ کس نے چھین لی۔ اس دھرم آکاش پر چمکتے ہوئے چندرما میں کس نے گہن لگا دیا؟— تو نے— اس سداچار کے آشرم، پنیہ کے تیرتھ، ستیہ کے مندر کو کس نے ڈھا دیا؟— تو نے— آتما میں بہتی ہوئی پوترتا کی گنگا میں کس نے وِش گھول دیا؟ تو نے— نرم پاشان، تو نے— یدی منشیہ کا ہردے اتنا کٹھور، سبھاؤ اتنا نیچ، آتما اتنی گھرنت ہے، تو اوشیہ پُرش جاتی کے پیدا کرنے میں ایشور سے بھول ہوئی ہے اور اس جاتی کو ناش کر دینا ہی اس بھول کا پرائشچت ہے۔

رادھے کانت: میں اس دنیا میں استری کے روپ اور جوانی کا شکاری ہوں۔ اور شکاری شکار کے ہائے ہائے کی پروا نہیں کرتا۔ اگر غصے اور آنسوؤں سے تیرا جیون کروٹ بدل سکتا ہے، تو آندھی کی طرح غصہ کر— اور بادل کی طرح روتی رہ۔

(جانا چاہتا ہے)

پھول کماری: ٹھہرو— مجھے نرک کی طرف ڈھکیل کر، کلنک کے اندھیرے میں پھینک کر کہاں جا رہے ہو؟ جس دن میرا بھائی ڈھاکہ سے گھر آئے گا، اُس بھیشن دن کا دھیان آتے ہی کانپ اٹھتی ہوں۔ گربھ وتی نہ ہوتی تو سامنا ہونے

سے پہلے آتم ہتیا کرلیتی— جاؤ۔ میرے دھرم کی دنیا اجاڑ کر، اپنے سکھ کی دنیا میں جاؤ۔ کنتو جانے سے پہلے مجھے وہ شبد بتا دو، جن شبدوں میں بھائی کو اپنے سروناش کی کہانی سنا کر، اُن سے شما کا دان مانگ سکوں۔ جن شبدوں کو سن کر ان کے گالوں پر آنسو کی بہتی ہوئی ندی سوکھ جائے— آہ!— مجھے ورتمان اور بھوشیہ، کچھ بجھائی نہیں دیتا— میں نراشا سے ٹکرا کر چور چور ہوجاؤں گی— مجھے بچالو— مجھے جگہ دو— آنکھوں میں نہیں، ہردے میں نہیں— ان چرنوں میں۔

(رادھے کانت کے پیروں پر گر پڑتی ہے)

رادھے کانت: رو— اور مر—

(لات مار کر چلا جاتا ہے)

اَنک پہلا — درشیہ ساتواں

ساوتری کا گھر

ساوتری: سنسار کی پھلواری میں استری سب سے اُدھک سندر، منوہر پھول ہے۔ سنیہہ، سیوا، دیا، کوملتا اِس کی پنکھڑیاں، چرتر کا سوندریہ، اس کی رنگت، ستیتو اس کی سگندھ، جوانی اس کے کلی سے پھول بننے کی رتو، پتی کا گھر اور پتی کا ہردے اس کھلنے، مہکنے کا رمنیہ استھان ہے۔ جس پھول میں رنگ ہے، کنتو سگندھ نہیں، وہ آنکھوں کا دھوکا دینے والی رنگی ہوئی گھاس اور جس استری میں سوندریہ، جوانی للتا ہے، کنتو دھرم، لاج، ستیہ نہیں، وہ آشیرواد کا روپ دھارن کیے ہوئے سندر شراپ ہے۔

(رادھے کانت کا پرویش)

رادھے کانت: ایک داؤں جیت چکا، اب دوسرا پانسہ پھینکتا ہوں۔ پتا سے ملی ہوئی سمپتی، شراب، جوئے، ریس، اور ویشیاؤں میں دھیرے دھیرے ختم ہوتی جارہی ہے۔ یہ سنہری چڑیا پھندے میں آگئی تو دھن کی گھٹتی ہوئی عمر دس پانچ برس بڑھ جائے گی — ساوتری۔

ساوتری: (چونک کر)؟ — رادھے کانت۔

رادھے کانت: تم تو مجھے دیکھ کر اس طرح چونک پڑیں مانو سورگ میں آگ لگ گئی یا پاپ نے دھرم کی ہتیا کرڈالی۔

ساوتری: تم سکھ کے راج کے راجا ہو۔ اپنے بھوگ ولاس کا بھون، ابھیمان کا مکٹ،

ڈراچار کا سنگھاسن چھوڑ کر اس تیاگ اور تپسیا کے مندر میں کیوں آئے ہو؟

رادھے کانت: یہ کہنے کے لیے کہ تم پھولوں کا ڈھیر سمجھ کر انگاروں میں پھاندنے جا رہی ہو۔ مجھے تمھارے وکیل سے معلوم ہوا کہ تم زمینداری، کوٹھی، باغ، نقدی، زیور، پتی کی سمپتی، یہاں تک کہ اپنے رہنے کا گھر بھی، ایک ودھوا آشرم استھاپت کرکے اُس کے نام دان کرنا اور اسی آشرم کی سیوا میں سنیاسی کے سمان اپنا ودھوا، جیون بتانا چاہتی ہو۔ یدی یہ سوچنا سچ ہے تو ساودھان ہو۔ یہ پنیہ نہیں بھرم ہے۔ یہ دان نہیں آتم ہتیا ہے۔

ساوتری: جس طرح سوریہ است ہوتے ہی سنسار کی ہر ایک ہنستی چمکتی، آنندپرکاش کی لہروں پر ناچتی ہوئی وستو اندھیرے میں ڈوب جاتی ہے، اُسی طرح پتی دیو کے ساتھ میرے جیون شرنگار کی مسکراتی ہوئی رتو اور جگمگاتے ہوئے سکھ کے دن بھی چلے گئے۔ میں ہندو ودھوا ہوں۔ رہنے کے لیے ایک کوٹھری، پہننے کے لیے دو موٹے وستر، اور کھانے کے لیے ایک مٹھی اَنّ کے سوا مجھے اور کیا چاہیے؟ جس کے لیے دھن کی رکشا کروں— اپنے سوامی نام کی اسرتی ہی میرا دھن اور اپنے دیش کے دین دکھیوں کی سیوا ہی میرا سکھ ہے۔

رادھے کانت: مٹھائی کا نام لینے سے منھ میٹھا نہیں ہوتا۔ جب بسنت رتو کے جھونکے آدھی رات کے سناٹے میں بجتے ہوئے ستار کے جھنکار کی طرح تمھارے پاس سے نکل جاتے ہوں گے۔ جب کوئل کی کوک، پپیہا کی پکار، بھونرے کی گونج سن کر تمھارے ہردے میں ہوک سی اٹھتی ہوگی۔ جب تم درپن کے اندر کالے بادلوں کی گھٹا میں چمکتے ہوئے روپ کے چندرما کی شوبھا اور اپنے کومل سندر انگ میں جوانی کی چاندنی کی بہار دیکھ کر منتر مگدھ سی ہوجاتی ہوگی، میں سکھی ہوں، کہنے سے کیا تمھارا دکھ دور ہوجاتا ہوگا؟ تم دھنوان ہو، جوان ہو، سندر ہو، تمھارے لیے سنسار میں ہرش اور ہنسی کی کیا کمی ہے۔ بوڑھے روگی پتی سے بیاہ کرکے جو کھو دیا، وہ دوسرا بیاہ کرکے اپنے پراربدھ سے واپس لے سکتی ہو۔

ساوتری: کیا کہا؟— دوسرا بیاہ؟

رادھے کانت: ہاں۔ دوسرا بیاہ۔

ساوتری: چپ رہو۔ کیا ناری جیون کا سارا رس سہاگ کی چوڑی اور مانگ کے سیندور ہی میں ہے؟ جن استریوں کو دیا بھی چار کے نرک میں گرنے کا بھے ہے وہ پنر وواہ کرلیں تو شا یوگیہ ہیں— کنتو جو اپنا من دھرم کرم میں لگا کر پشو ورتیوں کو دبا سکتی ہیں، اپنے کرتویہ پالن پر وشواس رکھتی ہیں۔ پتی بھکتی کو لوک پرلوک کا سکھ سمجھتی ہیں، اُن کے سامنے دوسرے بیاہ کا نام لینا، اُن کے ہردے کی مہانتا کا اپمان کرنا ہے۔

رادھے کانت: ساوتری۔ ودھوا ہوجانا تمھارا دوش نہیں، تمھارے بھاگیہ کا دوش ہے۔ بھاگیہ کے دوش کی سزا تم اپنے کو کیوں دے رہی ہو؟— تمھاری یہ اوستھا دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا ہے۔ تمھیں سکھی کرنے کے لیے میں تم سے پنر وواہ کرنے کو تیار ہوں۔

ساوتری: بس چلے جاؤ۔ ایک ستی کے گھر کو پاپ کا بازار بنانے آئے ہو؟ کرتویہ پرائنا ہندو ودھوا، سنسار میں ہر ایک پُرش کو باپ اور بھائی سمجھتی ہے۔ اس کا ایشور بھی ایک ہے اور پتی بھی ایک ہی ہوتا ہے۔

رادھے کانت: یہی اندھی شرڈھا ہے، جس کے کارن اس دیش میں آج لاکھوں ودھوائیں جیتے جی دکھ کی چتا میں جل رہی ہیں۔ مورکھ نہ بنو— یہ سنسار ہے۔ جوانی کی کامناؤں پر کیسے وجے پاؤ گی؟

ساوتری: پتی بھکتی کے بل سے۔

رادھے کانت: پتی! کون پتی!! جس کامی سوارتھی کے کارن تیری دکھیا بہن گوتمی اور تیرے بوڑھے غریب باپ نے دکھوں کا انت کرنے کے لیے آتما ہتیا کی۔ جس کے بڑھاپے کی چوکھٹ پر تجھے ودھوا ہوکر پہنچنے کے ساتھ ہی سہاگ کی چوڑیاں توڑنی پڑیں۔ اُسے پتی کہتی ہے۔ اُس پشاچ کی پوجا کرتی ہے؟— اُسے اپنا شترو سمجھ۔ اس کے نام سے گھر نا کر۔ اس کی پوجا کے بدلے، اس کے دھیان پر تھوک دے۔ یہی اس کی پوجا ہے۔

ساوتری: ادھرمی منشیہ۔ دکھ اور سکھ پچھلے جنم کے کرموں کا پھل ہے۔ آریہ ورت کی کنیائیں بیاہ کے پوتر مندر میں پرویش کرنے کے بعد یہ نہیں سوچتیں کہ پتی میں کیا گن اور دوش ہیں۔ وہ کیول یہ سوچتی ہے کہ پتی کا کیا کاریہ اور کیا کرتویہ ہے؟— سن اور یاد رکھ— یہ بھارت ہے۔ یہ پنیہ دھام ہے۔ یہ ساوتری اور سیتا کی جنم بھومی ہے۔ یہاں کی ہندو ستیاں، پتی کے دھیان پر تھوکنے کے بدلے، جو ایسی صلاح دیتا ہے، اُس نیچ کے منہ پر تھوک دیتی ہیں۔

(چلی جاتی ہے)

رادھے کانت: اپنے ستیتو پر یہ ابھیمان— اچھا، دیکھوں گا— ساوتری! میرا آلنگن وِش ہو یا امرت۔ کنتو بھاگیہ کے ہاتھوں سے تجھے یہ پیالہ پینا ہی ہوگا۔

(سونا، روپا کا پرویش)

سونا: رادھے کانت۔ تمھارے سیر کی جگہ شراب کے ہوٹل، جوئے کے کلب، گھڑ دوڑ کا میدان، ویشیاؤں کے کوٹھے ہیں۔ اِس پوتر استھان میں آنے کا کارن؟

رادھے کانت: میں دیا بھاؤ سے بادھیہ ہوکر مورکھ ساوتری کی بھول اُسے سمجھانے آیا تھا۔ کنتو دیکھا کہ وہ پوری طرح ٹھگوں کے پھندے میں پھنس گئی ہے۔

روپا: کن ٹھگوں کے پھندے میں؟

رادھے کانت: ایک ٹھگ کا نام ہے روپا اور دوسرے ٹھگ کا نام ہے سونا۔ ایک نے ٹھگائی کا نام رکھا ہے، سماج سیوا، اور دوسرے نے ٹھگائی کا نام رکھا ہے دیش بھکتی۔

روپا: اس کا پرمان؟

رادھے کانت: دھرم کی آڑ میں اپنا گھر بھرنا اور دوسروں کا گھر اجاڑنا۔ کیا یہی دیش بھکتی ہے؟ ایک بھولی بھالی ودھوا کے دھن سے لابھ اُٹھانے کے لیے اُسے بہکا کر رانی سے بھکارنی بنا دینا، کیا یہی سماج سیوا ہے؟

سونا: رادھے کانت، تم موٹر، ہوٹل، ناچ رنگ، دُراچار، ویابھی چار میں روپیہ خرچنے

کو دھرم جانتے ہو، اس لیے ساوتری کے تیاگ کی مہما نہیں سمجھ سکتے۔ یدی وہ اپنا دھن اور جیون، اپنی ابھاگنی بہنوں کی سیوا کو ارپن کرنا چاہتی ہے، تو یہ اس کی بھول نہیں، دھن اور دھرم کے یدھ میں اُس کے دھرم کی جے ہے۔

رادھے کانت: بکتے ہو۔

روپا: سنو۔ منشیہ جانتا ہے کہ مانوی جیون پانی پر بلبلے کا ناچ ہے۔ پھر بھی وہ اِس تُچھ اور انتیہ سمے کے لیے سنسار کو کرم بھومی سمجھنے کے بدلے کیوں بھوگ بھومی سمجھ کر اپنے جنم لینے کا کارن، مارگ، آدرش اور اُدیشیہ بھول جاتا ہے۔ ساوتری کے پتی کیشو داس نے ہزاروں جھوٹ، ہزاروں دھوکے، ہزاروں چھل کپٹ سے یہ دھن اکٹھا کیا تھا۔ اس لیے یہ دان بھی ہے اور پتی کے پاپوں کا پرائشچت بھی۔

رادھے کانت: تم دونوں دھرم کے نام پر بھیک مانگتے پھرتے ہو۔ انت میں ساوتری سے بھی بھیک منگواؤ گے۔

سونا: اپنے دین دکھی بھائی بہنوں کے لیے بھیک مانگنے میں جیون کا گورو ہے۔ دیش سیوا کے راستے کا بھکاری راجاؤں کو بھی عزت کی بھکشا دیا کرتا ہے۔

رادھے کانت: بس بس۔ یہ دیش بھکتی کا چہرا اتار کر اصلی روپ میں دنیا کے سامنے ظاہر ہوجاؤ۔ نہیں تو سرکار کو تم جیسے دھرمی ٹھگوں کے لیے بھی قانون اور جیل بنانا ہوگا۔

(چلا جاتا ہے)

روپا: کیا یہ منشیہ ہے؟

سونا: یہ منشیہ نہیں، نرک کا کتا ہے، جو منشیہ کے روپ میں دھرم اور دھرمیوں کے پیچھے بھونکتا پھرتا ہے۔

اَنک پہلا — درشیہ آٹھواں

(کومک)

استری سبھا

(بیرا ٹیبل پر قلم، کاغذ، گھنٹی، گھڑی وغیرہ سجا رہا ہے)

بیرا: ٹائم ہوگیا۔ آج کی میٹنگ کے تھیٹر میں ولایتی فیشن کا پارٹ کرنے کے لیے دیسی پریاں آرہی ہوں گی — مسٹر قلم، ہیرس یور سیٹ — کاغذ مہاراج، تم یہاں براجو — شریمتی گھنٹی جی، تم یہاں اور مس واچ، تم یہاں شوبھائمان ہو — دیکھو مس گھڑی، ذرا دھیرے دھیرے ٹک ٹک کرنا، نہیں تو یہ گھنٹی سمجھے گی کہ تم قلم اور کاغذ کے ساتھ چوما چاٹی کر رہی ہو۔

(بیرا کا پرستھان۔ بھونڈو راؤ کا پرویش)

بھونڈو راؤ: او۔ نیور مائنڈ۔ شیورلی میں مرد ہوں — پھر بھی مجھے عورتوں کی طرفداری کرنی چاہیے — کیوں؟ یوں کہ مجھے نو مہینے تک باپ نے پیٹ میں نہیں رکھا، ماں نے رکھا ہے — میں ایک عورت سے پیدا ہوا ہوں۔ گدھی سے پیدا نہیں ہوا — عورت، عورت — ایم مچ تھینک فل فار یو کائنڈنس۔

(شوبھا رام اور سرلا کا پرویش)

شوبھا رام: گڈ مارننگ مسٹر سسر۔ جب تک نوکری تھی، جورو میرے پیچھے پھرتی تھی۔ نوکری

نہیں رہی، تو میں جورو کے پیچھے پھر رہا ہوں۔ پہلے گھوڑا گاڑی کو کھینچتا تھا، اب گاڑی گھوڑے کو کھینچ رہی ہے۔

بھونڈو راؤ: ابھی تک میٹنگ میں مس اور مسس لوگ نہیں آیا!— ٹولیٹ!! (شوبھا سے) ویل— گھڑی میں ٹائم دیکھو۔

شوبھا رام: (گھڑی دیکھ کر) اس گھڑی کا ٹائم کسی ہوٹل میں چائے پینے گیا ہے۔ گرجا گھر کے گھنٹے میں چھ بج چکے۔ لیکن اس میں ابھی پونے چھ ہی بجے ہیں۔

بھونڈو راؤ: گھنٹے سے پندرہ منٹ پیچھے۔ شرم ہے اس گھڑی کے لیے۔ شیم فار دِس لیڈی واچ۔

سرلا: فادر! اتنی خفگی!!— اس گھڑی کا مقصد؟

بھونڈو راؤ: یو ڈونٹ نو؟ آج یہاں عورتوں کی میٹنگ ہے۔ اس میٹنگ میں ثابت کیا جائے گا کہ جس طرح ٹوپی سے دوپٹہ، پتلون سے لہنگا کا گھیر بڑا ہوتا ہے، اسی طرح عورتیں بھی ہر بات میں مردوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ گرجے کا گھنٹہ پرش اور یہ گھڑی استری ہے، اس لیے اسے پندرہ منٹ کم ہونے کے بدلے گھنٹے سے پندرہ منٹ آگے ہونا چاہیے۔

شوبھا رام: مسٹر سسرا!— بھارت کے مرد سوراج چاہتے اور عورتیں استری راج۔ ہماری بھلائی کہاں ہوگی؟ دھوتی راج میں یا گھگھرا راج میں؟

سرلا: آئی ٹل یو۔ اِن ویمن اِمپائر— استری راج میں۔

شوبھا رام: ٹھیک کہتی ہو۔ مردوں کے راج میں تو نوکری بھی نہیں ملتی، لیکن داڑھی مونچھ منڈا کر زنانوں کی صورت بنالی تو استریوں کے راج میں ہمیں بھی کوئی عہدہ مل جائے گا۔

سرلا: سنو۔ اب بھارت، پہلے کا بھارت نہیں رہا۔ آج تک استریاں دبتی رہیں، اب استریوں سے مردوں کو دبنا ہوگا۔

بھونڈو راؤ: (زمین پر پاؤں پٹک کر) ضرور دبنا ہوگا۔ کل مسس چٹرجی کی مدراسی آیا کہہ رہی تھی کہ اگر مرد عورتوں سے نہ دبے تو ہم کیول لڑکیوں کو جنم دیں گے، لڑکے پیدا ہی نہ کریں گے۔

شوبھا رام: واہ وا۔ شاباش۔ کوئی بیرسٹر عورت بھی اس طرح عورتوں کے کیس میں وکالت نہ کرے گی۔ سسر جی۔ تم نے پچھلے جنم میں کون سا پاپ کیا تھا، جو اس جنم میں مرد کے روپ میں پیدا ہوئے ہو؟

بھونڈو راؤ: واٹ ڈو یو مین بائی سسر۔ تم کو کتنا بار بولا کہ ہم کو سسر مت بولو۔ فادر ان لا بولو۔ سسر کہنے سے ہمارے کوٹ پتلون کا انسلٹ ہوتا ہے۔ ہم دیسی سسر نہیں، ولایتی سسر ہے۔

سرلا: تم ہمیشہ فادر کو ناراض کردیتے ہو۔ میں تمھیں کیا سمجھوں؟ بڑا بیوقوف یا چھوٹا بیوقوف۔

شوبھا رام: میں صرف بیوقوف ہوں۔ بڑا بیوقوف وہ کھڑا ہوا ہے اور چھوٹا بیوقوف ابھی تک تم نے مہربانی کرکے پیدا ہی نہیں کیا ہے۔

سرلا: ابھی تک کوئی نہیں آیا— فادر، میں بھی جلد آئی۔ اور تم نے بھی آنے میں جلدی کی۔

بھونڈو راؤ: مائی ڈالی۔ ٹائم از منی۔ مجھے وقت کی قیمت معلوم ہے۔ اس لیے ہر کام میں جلدی کرتا ہوں۔

شوبھا رام: ہاں— یہ تمھارے باپ کی پرانی عادت ہے۔ لوگ نو مہینے کے بعد دنیا میں آتے ہیں، یہ چھ ہی مہینے میں آدھمکے تھے۔

سرلا: شٹ اَپ۔ اوہ ہو۔ استری سماج کی بہنیں آگئیں— ہلو— ہلو—

(ہندستانی، پنجابی، مرہٹا، گجراتی، مدراسی، بنگالی، ہرجاتی کی فیشن ایبل عورتیں اور مرد ایک کے بعد ایک آتے ہیں۔ کوئی پسینے میں ڈوبی ہوئی بیوی کو پنکھا جھل رہا ہے۔ کوئی بیوی کے سر پر چھاتا لگائے ہے۔ کوئی گود میں بچہ لیے ہوئے ہے۔ ایک کے ہاتھ میں چھوٹا آئینہ اور پف پاؤڈر کا ڈبہ ہے۔ ڈبہ سے بیوی پف میں پاؤڈر لگا کر چہرے پر ملتی اور آئینہ میں منھ دیکھتی ہے۔ آخر میں ایک ٹھگنی موٹی عورت آتی ہے)

شوبھا رام: اِن طمنچوں کے ساتھ عورت کی ساڑی باندھ کر یہ جرمن کی توپ کہاں سے آگئی؟ بھائیو نمستے۔ ارے منھ پر ناک نہیں رہی۔ تو کیا کان بھی نہیں رہے— نمستے کا جواب تو دو؟

مرد 1: ٹھہرو۔ پوچھ لینے دو۔ ہم شریمتی جورو جی سے پوچھے بنا نمستے کا جواب نہیں دے سکتے۔

شوبھا رام: کیوں؟

مرد 1: کیونکہ جس طرح پہلے زمانے میں پتا بھکت اور ماتا بھکت ہوتے تھے، اسی طرح ہم لوگ استری بھکت ہیں۔

مرد 2: لیڈیو۔ ہم لوگ جواب دے دیں؟

سب عورتیں: دے دو۔

سب مرد: نمستے۔ نمستے۔ نمستے۔

شوبھا رام: واہ وا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدھی رات کے وقت چنے کے کھیت میں گیدڑ بول رہے ہیں۔

سرلا: بہنو۔ اب فیمیل یونین کلب کی میٹنگ کا کام شروع ہونا چاہیے۔ اس جلسے کے لیے آپ کسے پریسیڈنٹ تجویز کرتی ہیں؟

بھونڈو راؤ: اس جلسے کا پریسیڈنٹ، چیرمین، صدر، سرپنچ، مکھیا، سبھا پتی اسے ہونا چاہیے جو مرد ہوکر بھی بھول گیا ہو کہ میں مرد ہوں۔ میں نے استری کے گربھ سے جنم لے کے، استری سے بیاہ کرکے، استری سے پونا درجن لڑکیاں پیدا کرکے، استریوں کی بڑی سیوا کی ہے۔ آشا ہے کہ آپ مجھی کو پریسیڈنٹ بنائیں گی۔

شوبھا رام: ہاں۔ یہی پریسیڈنٹ ہونے کے لائق ہیں۔ کیونکہ یہ مہتروں کی پنچایت میں تین مرتبہ سبھاپتی بن چکے ہیں۔

بھونڈو راؤ: (کرسی کے پاس جاکر) لیڈیز اینڈ جنٹلمین! ایک پُرش کے پریسیڈنٹ بننے سے دوسرے پُرشوں میں بھی استری سیوا کا اُتساہ پیدا ہوگا۔ اس لیے آپ کہیں یا نہ کہیں، میں استری جاتی کے کلیان کے لیے اس کرسی کو گرہن کرتا ہوں۔

(کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

سب عورتیں: (چلا کر) او یو فول۔

عورت 1: تم عورت کی کرسی پر کاہے کو بیٹھ گیا؟— دِس چیئر از ریزروڈ فار لیڈی پریسیڈنٹ۔ اُدھر جاؤ۔

(دو عورتیں دونوں طرف سے کان پکڑ کر کونے میں لے جاکر کھڑا کردیتی ہیں)

شوبھا رام: (دونوں عورتوں سے) آپ نے میرے سسر جی کو جو مان دیا ہے، اُس کے لیے میں تھینک یو کرتا ہوں۔

بھونڈو راؤ: اور میں تیرے تھینک یو پر آخ تھو کرتا ہوں۔

سرلا: میں پرپوز کرتی ہوں کہ میری بہن ''مس پکوڑی مل'' اس پریسیڈنٹ کی کرسی کو شوبھائمان کریں۔

عورت 2: میں سب بہنوں کی طرف سے اس پرستاؤ کو سیکنڈ کرتی ہوں۔

سب عورتی: (تالی بجاتی ہیں) ہیئر — ہیئر — ہیئر۔

مس پکوڑی مل: میں استری سماج کی ایک تچھ سیوکا ہوں۔ آپ بہنوں کی کرپا ہے، جو مجھے اس مان کے یوگیہ سمجھتی ہیں۔

شوبھا رام: باپ رے۔ اس کی تو صورت دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ عورت ہے یا مارشل لا؟

عورت 3: آج کی میٹنگ کیول عورتوں کی ہے۔ اس لیے جتنے مرد ہیں، باہر نکل جائیں۔ نہ گئے تو ہم ولایتی عورتوں کی طرح گھونسے، ٹھوکر دانت، ہاتھ، چھتری سے ایک دم اُن پر حملہ کردیں گے۔

بھونڈو راؤ: کیا میں بھی چلا جاؤں؟ میں تو عورتوں کا طرفدار ہوں۔

شوبھا رام: اتنی بے عزتی پر بھی جانا نہیں چاہتے۔ مسٹر سسر تم بھی پیٹنٹ بے شرم ہو۔

سب عورتیں: نکل جاؤ۔

مرد 1: چلو بھائی۔ راستہ ناپو۔ ہماری جورو جی، کبھی پیار کرتیں اور کبھی دھتکار دیتی ہیں۔ مانو ہم پتی نہیں، اُن کے پالتو کتے ہیں۔

مرد 2: ارے یار! اِس میٹنگ میں لکچر سننے کون آیا تھا؟ یہاں تو ہم سب ایک دوسرے کی جورو گھورنے آئے تھے۔

سب عورتیں: گیٹ آؤٹ۔ گیٹ اَوے۔

(شوبھا رام کے سوا سب ناک بھوں پھلاتے ہوئے جاتے ہیں)

سرلا: (شوبھا سے) تم کیوں نہیں گئے؟— جاؤ— بی کوئیک۔

شوبھا رام: اجی میرے ساتھ کچھ تو رعایت کرو۔ آخر تم میری جورو ہو۔

سرلا: جورو کیا۔ اگر میں تمھاری ماں ہوتی، تب بھی رعایت نہ کرتی۔

شوبھا رام: مائی ڈیر، مائی لیور، مائی کلیجہ اینڈ پھیپھڑا۔ استری کو پتی سے اس طرح باتیں نہ کرنا چاہیے۔

سرلا: اجی اب نئی سارنگی سے پرانے سروں کی آشا نہ رکھو۔ اب تک عورتیں بیوی بن کر رہتی تھیں، اب مردوں کو جورو بن کر رہنا ہوگا۔

شوبھا رام: اچھا جاتا ہوں— لیکن تمھاری اس گھگھرا پلٹن کو یہاں سے نوک دم نہ بھگایا تو مجھے بھی مرد نہیں زنانہ سمجھنا۔

(آڑ میں چھپ جاتا ہے)

سرلا: پیاری بہنو۔ ظالم مرد، سوتنترتا اور ادھیکار چھین کر عورتوں کو کڑک مرغیوں کی طرح گھر کے ڈربے میں بند رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں پرپوز کرتی ہوں کہ اُن کے اس ابھیمان کے قلعے کو ٹھوکریں مار کر، ڈھادو اور جو لیڈر یا ایڈیٹر عورتوں کا ساتھ نہ دے، اُس کی دم میں نمدا باندھ کر دیا سلائی دکھا دو۔

عورت 2: اور ساتھ ہی ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ سماج کو مجبور کرکے منگنی بیاہ کا پرانا دستور بدلوائیں۔ آج تک بارات لے کر مرد عورتوں کو بیاہنے آتے تھے، اب ڈھول تاشے کے ساتھ عورتیں مردوں کو بیاہنے جائیں۔

سب عورتیں: ہیئر— ہیئر۔

سرلا: جب تک عورتیں روزگار یا نوکری کرکے اپنی روٹی آپ پیدا نہ کریں گی، اسی طرح مردوں کی لونڈی بنی رہیں گی— اس لیے میں رائے دیتی ہوں کہ مردوں کے ساتھ ہمیں گھر کے جھگڑوں کو بھی بائیکاٹ کردینا چاہیے۔

مسس پکوڑی مل: لیکن بہنو۔ تم نے گھر کا بائیکاٹ کردیا تو گرہستی کون چلائے گا؟

سب عورتیں: مرد۔

مسس پکوڑی مل: دُکھ بیماری میں کون سنبھالے گا؟

سب عورتیں: مرد۔

مسس پکوڑی مل: لڑکے لڑکی کون پالے گا؟

سب عورتیں: مرد۔

شوبھا رام: (سائڈ میں) اور بچے کون جنے گا؟

مسس پکوڑی مل: پیاری بہنو۔ معاف کرنا۔ حد سے زیادہ میٹھا بھی کڑوا ہوجاتا ہے۔ میں ہندستان کی عورتوں کے لیے اتنی آزادی پسند نہیں کرتی۔

سرلا: ارے!— یہ تو مردوں کی طرف دار نکلی!! کیا اسی لیے ہم نے تجھے اس لیڈیز میٹنگ کا پریسیڈنٹ بنایا تھا؟

سب عورتیں: شیم۔ شیم۔

شوبھا رام: (سائڈ میں) سیم نہیں آلو۔

سرلا: اری بہنو۔ کیا دیکھتی ہو؟ نکالو، اس مردوں کی پاؤں کی جوتی کو— اُٹھ کرسی سے۔

(سب کرسی سے اُسے کھینچ لیتی ہیں)

مسس پکوڑی مل: کیا فیمیل ایجوکیشن اسی کا نام ہے؟ کیا عورتوں کو لکھانے، پڑھانے ادھیکار دینے کا یہی پرینام ہے؟

عورت 3: پرینام کی بچی— نکل یہاں سے۔

(ڈھکیل کر کمرے سے باہر کردیتی ہے)

سرلا: دیکھو۔ اس بن بلاؤ کی بچی کو!— ہم پڑھی لکھی فری لیڈیوں کو مردوں کی غلامی سکھاتی ہے۔ ہم خوبصورت سپاہیوں نے راون روپی مردوں پر دھاوا بول دیا ہے۔ اب آزادی کی لنکا فتح کیے بغیر کبھی پیچھے نہ لوٹیں گے۔

سب عورتیں: بولو— مردوں کی— چھے— فیمیل یونین کی جے۔

(گانا)

شوبھا رام: دشمن کی فوج پر گولی اور گولے چھوڑے جاتے ہیں۔ میں یہ کپڑے کا چوہا پھینکتا ہوں۔ (عورتوں پر بناوٹی چوہا پھینک کے) بچو— بھاگو— چوہا— چوہا— خونی چوہا۔

سب عورتیں: کہاں؟ کدھر؟— اوئی ماں!— اوئی دیا!!

(ایک دوسرے پر گرتی پڑتی بھاگتی ہیں۔ سرلا بے دم ہوکر ایک کرسی پر گرجاتی ہے)

شوبھا رام: اسی بہادری پر لنکا فتح کرنے جارہی تھیں؟ گھگھرا پلٹن کے جنرل صاحب! میدان خالی ہوگیا— آنکھیں کھولو۔

سرلا: کیا چلے گئے؟

شوبھا رام: کون؟

سرلا: مارشل چوہا؟

شوبھا رام: ہاں۔ مارشل چوہا۔ چین کو فتح کرکے جاپان چلے گئے۔ اب تم بھی گھر چلو۔

سرلا: میں میٹنگ چھوڑ کر گھر جاؤں؟— گو اَوے۔

شوبھا رام: پھر اپنی ذات پر آگئی!— وہ آگیا چوہا۔

سرلا: او گاڈ!— او فادر!!

(گھبرا کر بھاگتی۔ ساتھ ہی شوبھا رام بھی ہنستا ہوا جاتا ہے)

اَنک پہلا — درشیہ نواں

ہرپرشاد کا گھر

(پھول کماری گود میں بچہ لیے ہوئے زمین پر بیٹھی اور آنسو بھری آنکھوں سے بچے کی طرف تک رہی ہے)۔

پھول کماری: جس دنیا میں ماں کی ممتا کے سوا تیرے لیے دھرم کا آشیرواد، سماج کا آدر، کنبے کی خوشی، پتا کا پیار کچھ نہیں ہے، اُس دنیا میں آنسوؤں کی لہروں پر دکھ کا کنول بن کر تونے کیوں جنم لیا؟ جب تو گربھ میں تھا تب تیری ہتیا کے بھے سے آتم گھات نہ کرسکی اور اب تیری موہنی صورت اور تیرے ننھے ننھے ہونٹوں سے ”ماں ماں“ سننے کی لالسا مرنے نہیں دیتی۔ نہیں نہیں۔ تو بیاہ کے سورگ کا پھول نہیں ہے۔ میں تجھے پیار نہیں کروں گی۔ تجھ پر اپنی ممتا کے آنچل کی چھایا نہیں ڈالوں گی۔ دور ہو، دور ہو۔ (زمین پر رکھ دیتی ہے) تو میرا کوئی نہیں۔ تیرے چہرے میں اُس نردئی پاپی کا چہرہ دکھائی دے رہا ہے۔ گھرنا کرتی ہوں۔ سنتا ہے؟ لاج کے گھاؤ سنتا ہے؟ میں تجھ سے گھرنا کرتی ہوں۔ لیکن! لیکن!! میں ماں ہوں۔ ایشور نے ماں کا دل، اپنی دیا سے بنایا ہے۔ باپ بھائی، بہن، اپنے، پرائے، سب گھرنا کرسکتے ہیں، ماں اپنے بچے سے گھرنا نہیں کرسکتی۔ آہ۔ تو اور میں دونوں ابھاگے ہیں۔

(بچے کی چھاتی پر سر رکھ کر روتی ہے۔ اتھاہ نراشا کے ساتھ ہرپرشاد کا پرویش)

ہرپرشاد: بیمار ہوجانے کے کارن چھٹی لے کر ڈھاکہ سے گھر آیا۔ یہ سوچتا ہوا کہ گھر میں پاؤں رکھتے ہی سکھ، شانتی، سنتوش، میرا سواگت کریں گے۔ کنئوکس نے سواگت کیا؟ دروازے پر سروناش کے سماچار نے اور گھر کے اندر روتی ہوئی آنکھوں نے۔ آہ۔ ڈھاکہ میں بیمار ہوا تھا تو اسی بیماری میں کیوں نہ مرگیا۔ لیکن کیسے مرتا؟ مرجاتا تو کنواری بہن کے دھرم کی ارتھی پر کھڑے ہوکر کون روتا؟ اپنے کل کی مریادا الٹ جانے پر چھاتی کون پیٹتا؟ پڑوسیوں کی کلیجہ چھیدنے والی باتیں کون سنتا؟— رو رہی ہے! کیا ان آنسوؤں کی باڑھ میں سماج کا فیصلہ بہہ جائے گا؟ کیا یہ پانی کی بوندیں پتھروں میں دیا کی چنگاری پیدا کردیں گی؟ مرتیو کے سوا کوئی دیا کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ہردے، لوہے کے ٹکڑے سے بدل جا— پھول۔

پھول کماری: (سر اٹھا کر) بھائی......

ہرپرشاد: مجھے بھائی نہ کہہ۔ بڑا بھائی بہن کے لیے دیوتا کا وردان، پتا کا پیار، ماں کی مامتا، ہردے کا بل، سر کی چھایا ہوتا ہے— بھائی کو دیکھ کر بہن کے دُکھ بھی سکھ اور آنسو بھی ہنسی بن جاتے ہیں— ماتا کا وہ پوتر دودھ جسے ہم دونوں نے مل کر پیا تھا، آج میری رگوں میں پگھلا ہوا گرم سیسہ بن کر دوڑ رہا ہے۔ دھوکا نہ کھا۔ آج کیول میرا روپ، بھائی کا ہے۔ ہردے بھائی کا نہیں ہے۔ میں اس سمے تیری مرتیو بن کر آیا ہوں۔ (چھری نکال کر) پھول!— تجھے مرنا ہوگا۔

پھول کماری: بھائی، جس جینے میں سکھ نہیں، شانتی نہیں، گورو نہیں، وہ جینا بھی مرنے کے برابر ہے۔ میں تو مدت سے مرچکی ہوں— پھر بھی مرنا ہوگا۔ کس اَپرادھ کے لیے؟

ہرپرشاد: اِس اپرادھ کے لیے کہ تو نردوش ہونے پر بھی دنیا کے سامنے اپنا نردوش ہونا ثابت نہیں کرسکتی۔ اس اپرادھ کے لیے کہ تم نے اس سماج میں جنم لیا ہے جس میں پُرش ہی استری کے لیے دھرم کرم کا قانون بناتے، پُرش ہی

اتیاچار اور چھل سے استری کا دھرم دھن لوٹ لیتے اور پھر پُرش ہی استری کو دھرم دھن کی رکشا نہ کرنے کا ڈنڈ دیتے ہیں۔ جس دنیا میں، اس دنیا کے پرشوں کی بنائی ہوئی ساماجک عدالت، استری گھاتک قانون، اندھا انصاف نہیں ہے، اب وہیں تیری آتما کو شانتی ملے گی۔

پھول کماری: یدی میرے لہو سے میرا کلنک دُھل سکتا ہے تو مار ڈالو— یہ مرتیو نہیں ایشور کی دیا کی گود میں میرا جیون ہے (بچے کو دیکھ کر) مگر یہ نردوش، یہ ابھاگا۔ نہیں۔ نہیں۔ بھائی، شما کرو۔ مجھے جینے دو۔

ہرپرشاد: جینا چاہتی ہے۔ کل کی لاج، مکھ کا تیج، آتما کی پوترتا کھوکر بھی جینا چاہتی ہے...... کس سکھ کے لیے؟ کس آشا کے لیے؟ ماں باپ اپنی کنواری لڑکیوں کو تیری چھایا سے بچائیں گے۔ ستیاں تیری طرف دیکھنا بھی پاپ جانیں گی۔ تو اب دنیا میں دیوی نہیں سمجھی جاسکتی۔ کسی بھدر گھر کی کل ودھو نہیں بن سکتی۔ استری، بہو، بیٹی، بہن، ماں، کسی نام سے سماج میں مان نہیں پاسکتی۔ کیا اسی دِھتکار، اسی اپمان کے لیے جینا چاہتی ہے؟

پھول کماری: ہاں۔ جینا چاہتی ہوں لیکن دنیا کے سکھوں کے لیے نہیں۔ اس نراپرادھ کے لیے۔ لاج کہتی ہے۔ مر۔ اور مامتا کہتی ہے، جی۔ نہیں نہیں، میں مروں گی۔ جس ایشور نے اس رنگے ہوئے مٹی کے پتلے میں جان ڈالا ہے، وہی اس کی رکشا بھی کریں گے۔ میں نے ان سے یہ ہنستا بولتا کھلونا نہیں مانگا تھا۔ ٹوٹ جائے گا۔ ٹوٹ جانے دو۔ بھائی، مار ڈالو۔ مجھے مرنا ہی چاہیے۔

ہرپرشاد: انیائی سماج۔ دیکھ۔ نراش اور نراوپائے ہوکر دنیا پنیہ کی چھاتی میں چھری بھونک رہی ہے۔ بھائی، اپنی بہن کی ہتیا کررہا ہے۔ کس بہن کی؟ اسی نردوش بہن کی جو جوانی کے نشے میں اندھی ہوکر اپنے پیروں سے چل کے پاپ کے گڑھے میں نہیں گری۔ جس نے سکھ، دھن، گہنے، کپڑے کی لالچ میں ناری مریادا کو ٹھوکر نہیں ماری۔ پھر بھی دنیا اُسے اَپرادھنی سمجھتی اور شما کرنا نہیں چاہتی— نرک، اپنی ساری آگ اِن پاشان پرشوں کے سر پر انڈیل

دے۔ سنسار۔ دھتکار کے بھوکمپ سے کانپ اُٹھ۔ دھرم، ناطے، پریم، تم یہ پیشاچک ورشیہ نہ دیکھ سکو گے۔ آنکھیں بند کرلو۔ ابھاگنی۔ مَر۔ (چھری مارنا چاہتا، پھر رک جاتا ہے) کیا کررہا ہوں؟ ڈالی ٹوٹ گئی۔ تو پھول ہرا نہیں رہ سکتا۔ اس کی ہتیا، اس بالک کی بھی ہتیا ہے۔ اسے زندگی بھر روتے جلتے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ شہر والوں کو کالک لگا ہوا مکھ بھی نہیں دکھا سکتا اور دو نردوشوں کی ہتیا بھی نہیں کرسکتا ــــ تب؟ بھاگ چل۔ بھاگ چل۔ دنیا کے گھائل شکار، کسی اور دنیا میں بھاگ چل (چھری پھینک کر) پھول۔ اپنے دکھوں کے ساتھ جی۔ اب تو مجھے کبھی نہ دیکھے گی۔ آج میری بہن بھی مرگئی اور تیرا بھائی بھی مر گیا۔

(جانا چاہتا ہے۔ پھول روکتی ہے)

پھول کماری: بھائی ــــ ٹھہرو ــــ کہاں جاتے ہو؟

ہر پرشاد: جہاں میرے دیہہ کی چھایا بھی مجھے نہ پہچان سکے۔ جہاں نس نس میں آگ اور زہر بھردینے والی آوازیں نہ سن سکوں۔

پھول کماری: نہیں۔ نہیں۔ تم اس دنیا کی طرح نردئی نہیں ہو۔ یہ تمھاری دیا ہی تھی جو میرے جیون کا انت کرکے میرے دکھوں کا انت کرنا چاہتے تھے۔ جانے سے پہلے مار ڈالو۔ یا مجھے بھی ساتھ لے چلو۔

ہر پرشاد: چلنا چاہتی ہے؟ ــــ چلے گی؟ ــــ چل اٹھ لیکن یہ شرم کے ماتھے کا داغ، یہ بے عزتی کا گواہ، یہ کلنک کا ڈھنڈورا؟ جس دنیا میں جائیں گے، اُس دنیا کو بھی نرک بنا دے گا۔ اسے بھول جا۔ اِس کی ماتا کو دل سے اور صورت کو آنکھوں سے نکال کر پھینک دے۔ (بچے کو اٹھا کر) سمجھ لینا کہ جیون کی اندھیری رات میں ایک بھیانک سوپن دیکھا تھا۔ اس کے لیے پاپی پتا کی گود موجود ہے۔ تیری گود کی کوئی ضرورت نہیں۔

بھارتی بالک

(بچہ لے کر چلا جاتا ہے)

پھول کماری: بھائی ٹھہرو۔ ارے یہ کیا ہوگیا؟ جیسے کسی نے آتما کو اندھیرے سے ڈھانک دیا۔ آنکھوں کی روشنی چھین لی۔ چھاتی چیر کر کلیجہ نکال لیا— ہائے بھارت کی استریو، تم کتنی ابھاگنی ہو۔ بھگوان ان دکھیاؤں کو آریہ ورت میں جنم نہ دو۔ استری جاتی سے بھارت بھومی کی گود اور بھارت ماتا کی کوکھ شونیہ کردو۔

انک پہلا — درشیہ دسواں

رادھے کانت کا گھر

رادھے کانت: ہرپرشاد کی بہن کا روپ مل گیا لیکن کیشو داس کی ودھوا کا دھن نہ مل سکا۔ اس کی طرف جتنے تیر چلائے۔ کچھ کمان سے نکلتے ہی گر گئے۔ کچھ راستے میں ٹوٹ گئے اور کچھ نشانے سے ٹکرا کر واپس آ گئے۔ لیکن کب تک؟ کہاں تک؟ ساوتری، تم نے میرا اَپمان کیا ہے۔ میں تجھے اس دنیا میں کسی جگہ عزت سے جینے اور سکھ سے سانس لینے نہیں دوں گا۔

(ہرپرشاد کا بچہ لیے ہوئے پرویش)

کون؟— ہرپرشاد!—

ہرپرشاد: مجھے یہاں دیکھ کر آشچریہ کیوں ہوا؟ آشچریہ مجھے ہونا چاہیے کہ ابھی تک دھرتی اتنے بڑے پاپ کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ ابھی تک ایشور کے نیائے نے غریبوں کو ڈسنے والے سانپ کا سر نہیں کچلا۔ ابھی تک ستیوں کی ہائے نے تجھے جلا کر راکھ نہیں کیا۔ اسی اتیاچار کے لیے بھدر پڑوسی بن کر مدد دینے آیا تھا؟ اسی چھل کپٹ کے لیے اپکار کے دیوتا کا روپ دھارن کیا تھا؟ (بچے کو رادھے کے پیروں کے پاس رکھ کر) اِسے لے۔ یہ تیرے ہی شریر کا اَپوتر لہو، تیری ہی آتما کا گندا ٹکڑا، تیرے ہی پاپ کے درخت کا کڑوا پھل ہے— اس ہاڑ مانس کے آئینے میں تجھے ہمیشہ اپنی اصلی صورت دکھائی دے گی۔ یہ آئینہ تجھے بتائے گا کہ تو کیسا راکشس، کتنا ادھم اور کتنا

نیچ ہے۔

رادھے کانت: میں اپنی ہنستی کھیلتی زندگی کی پیٹھ پر بیوی بچے کا بوجھ لادنا نہیں چاہتا۔ اسے اٹھا لے جا۔ اس کے لیے میرے گھر اور میری گود میں جگہ نہیں ہے۔

ہرپرشاد: بیاہ کا دیوتا اسے دیکھ کر منھ پھیر لیتا ہے۔ دنیا اسے دیکھ کر نفرت کرتی ہے۔ ماں کے ہاتھ اسے گود میں اُٹھاتے وقت شرم سے کانپنے لگتے ہیں۔ پھر اسے کہاں لے جاؤں۔

رادھے کانت: جس گھر سے لایا ہے، اُسی گھر میں۔

ہرپرشاد: وہ گھر تیری لگائی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہوگیا۔

رادھے کانت: کسی پڑوسی کے مکان میں۔

ہرپرشاد: پڑوسیوں کے مکان کے دروازے اس کے اور اس کی ماں کے لیے سدا کو بند ہوگئے۔

رادھے کانت: تو نرک میں۔

ہرپرشاد: نرک۔ نردوش غریبوں کے لیے نہیں، تیرے جیسے دھنوان پاپیوں کے لیے بنایا گیا ہے۔

رادھے کانت: لے جا۔ لے جا۔ نہیں تو میں اس جیتی مصیبت کا گلا گھونٹ دوں گا۔

ہرپرشاد: کیا تیرے پاپ کا پیالہ ابھی تک نہیں بھرا۔ جو اسے بیٹے کے لہو سے بھرنا چاہتا ہے؟ اچھا یہ اِچّھا بھی پوری کرلے۔ ایک نردوش کنیا کی دھرم ہتا کرچکا، اب بالک ہتیا بھی کرڈال۔ اتنے اتیاچار کر کہ یدی ایشور نارائن بھی چاہیں تو شما نہ کرسکیں۔

رادھے کانت: بیوقوف۔ پتھر کو نچوڑنے سے پانی نہیں نکلتا— یہ اور اسے جنم دینے والی دونوں دنیا میں جئیں یا دنیا کی ٹھوکریں کھاکر مرجائیں۔ لیکن نہ میں اسے گرہن کرسکتا ہوں، نہ تیری بہن سے بیاہ کرسکتا ہوں۔

ہرپرشاد: کس لیے؟

رادھے کانت: اس لیے کہ راج مکٹ میں ہیرے کی جگہ شیشے کا ٹکڑا نہیں لگایا جاتا۔ ایک

غریب کی بہن سے امیر کا بیاہ کس طرح ہوسکتا ہے؟

ہرپرشاد: تو مانو غریب مٹی اور گھاس ہیں جو امیروں کے پیروں سے روندے جانے کے لیے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ ایک امیر اپنے غریب پڑوسی کے کلیجے میں چھری بھونک سکتا ہے۔ ایک کنبے کی سکھ کی شانتی پر بجلی گرا سکتا ہے۔ ایک بھولی بھالی لڑکی کی نردوش ہنسی کو دکھ کے آنسو بنا سکتا ہے۔ لیکن بیاہ نہیں کرسکتا۔ ویابھی چار میں عزت اور بیاہ میں بے عزتی ہے۔ ایک اناتھ ہندو کنیا کے جیون میں زہر ملا دینا پنیہ اور اس سے بیاہ کرنا پاپ ہے۔ غریب ہونے کے کارن تو ہمیں ذلیل سمجھتا ہے؟ غریب ہم نہیں، غریب تو ہے۔ امیروں کے پاس سونا چاندی ہے تو غریبوں کے پاس دیادھرم ہے۔ غریبوں کا ہاتھ کنگال ہے تو امیروں کا آتما کنگال ہے۔

رادھے کانت: بس بہت ہوچکا۔ مجھ سے پتا کے پیار اور پتی کے پریم کی آشا نہ رکھ۔ نردھن ہونے کے کارن اس کا اور اپنی بہن کا پالن پوشن نہیں کرسکتا تو مانگ، میں منھ مانگا روپیہ دینے کو تیار ہوں۔

ہرپرشاد: کیا غریبوں سے چھینے ہوئے سکھ کی قیمت روپیہ ہے؟ کیا روپے سے موتی کی گئی ہوئی چمک واپس آجائے گی؟ مرجھایا ہوا پھول ہرا ہوجائے گا؟ ٹوٹا ہوا دل جڑ جائے گا۔ جس کا بھروسا ایشور اور جس کا دھن دھرم ہے، وہ پاپی کو دنیا کا کتا اور اور پاپ کے روپیوں کو کتے کی قے سمجھتا ہے۔

رادھے کانت: پالن پوشن کی شکتی بھی نہیں— روپیہ بھی نہیں— روپیہ لینے کی اِچھا بھی نہیں— تب کیا پیٹ پالنے کے لیے بہن کو ویشیا بنانے کا ارادہ ہے؟

ہرپرشاد: اوہ۔ سب گھاؤ سہے۔ یہ گھاؤ سہن نہیں کرسکتا۔ نیچ!— پاجی!!—

(دوڑ کر گلا دباتا ہے۔ بھونچال کا پرویش)

بھونچال: یہ کیا؟

(چھڑاتا ہے)

ہر پرشاد: ہٹ جا۔ ہٹ جا۔ میں اس کا خون کروں گا۔ یہ منشیہ نہیں، پرنالے کا کیڑا اور دھرتی کا کوڑا ہے۔

رادھے کانت: کوئی ہے؟ (دو نوکروں کا پرویش) اسے چوری اور حملے کے اَپرادھ میں پولس کے حوالے کرو— لے جاؤ— میں بھی ثبوت اور گواہوں کے ساتھ آتا ہوں۔
اس کنگال کو دکھاؤں گا کہ امیر کا اپمان کرنے کی کیا سزا ہے؟ اور امیر کے روپے میں کتنی طاقت ہے؟

ہر پرشاد: تو اپنے روپے کی طاقت سے مجھے جیل کی چکی میں پیس سکتا ہے۔ وکیل کی زبان اور گواہوں کا بیان مول لے سکتا ہے۔ جھوٹ کو سچ بنا کر عدالت کو دھوکا دے سکتا ہے۔ لیکن ان چاندی کے ٹکڑوں سے اپنے پاپ کی کالما، اپنی آتما کا کوڑھ نہیں چھپا سکتا۔ تو نے ایک کل کی مریادا، ایک غریب کنبے کا سکھ، ایک ہندو گھر کی شانتی، ایک بھائی کا سنتوش، ایک کنواری کنیا کی پوترتا، ایک نردوش بالک کا بھوشیہ پیروں سے روند ڈالا ہے۔ اُن کے روم روم میں دُکھ کی چتا سلگا دی ہے۔ آج وہ جس آگ میں جل رہے ہیں، ایک دن مرتیو آکر اسے بجھا دے گی۔ لیکن تیرے لیے ایشور کے نیائے نے جو آگ تیار کر رکھی ہے، وہ کبھی نہ بجھے گی— تو سدا اُس میں جلتا رہے گا۔ اس جنم میں بھی اور دوسرے جنم میں بھی— یہاں بھی— اور وہاں بھی۔

(نوکر ہر پرشاد کو کھینچ لے جاتے ہیں)

رادھے کانت: چمکتی ہوئی سفید ریت پر پانی کا دھوکا کھانے والے پیاسے کی طرح یہ بیوقوف غریب بھی ایشور کے نام سے اپنے دکھ کو دلاسا دیتے ہیں۔ (بھونچال سے) اِدھر دیکھو— میرے سکھی جیون میں چبھنے کے لیے پھول کماری نے اس کانٹے کو جنم دیا ہے۔ میں تمھیں تمھاری آشا سے بھی زیادہ انعام دوں گا۔ اسے لے جاکر کسی کوڑے کے ڈھیر یا گہرے کنویں میں پھینک دو۔

بھونچال: ارتھات!— اسے مار ڈالوں!!

رادھے کانت: چونک کیوں پڑے۔ مار ڈالنا تمھارے روز کے کھیلوں میں سے ایک کھیل ہے۔

بھونچال: شیر اور بھیڑیے بھی اپنے بچے کا خون نہیں کرتے — پھر تم باپ ہوکر......

رادھے کانت: باپ اور بیٹا۔ دنیا کے بناوٹی رشتے ہیں۔

بھونچال: اگر تمھاری آنکھیں اس گھر میں اسے دیکھنا نہیں چاہتیں تو ہتیا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سنو، ساوتری تیرتھ یاترا کرکے واپس آگئی ہے۔ کل اُس کے استھاپت کیے ہوئے ودھوا آشرم میں پنڈتا اُمادیوی کا لکچر ہے — ساوتری سے اپمان کا بدلہ لینا ہے تو اس جلسہ میں اسی لڑکے کو پرتی ہنسا کا سادھن بناؤ۔

رادھے کانت: کس طرح؟

بھونچال: سمجھاؤں گا۔

(لڑکے کو اُٹھا لیتا ہے)

رادھے کانت: لیکن یہ پھانسی؟

بھونچال: تمھارے گلے میں نہیں رہے گی۔

رادھے کانت: جس طرح بھی ہو، اسے دور کرو۔ لہو کا رشتہ، سماج کا قانون، ایشور کا بھے، سب سوتنترتا کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں ہیں۔ میں قیدی بن کر دنیا میں جینا نہیں چاہتا۔ مجھے دیوتاؤں کی دیا اور سماج کی تعریف نہیں چاہیے۔ کیول دھن، روپ اور سکھ چاہیے۔

(دونوں کا پرستھان)

اَنک پہلا — درشیہ گیارہواں

ودھوا آشرم

(نگر واسی، آشرم کی ودھوائیں، سیوا سمیتی کے کرمچاری، سونا، روپا، ساوتری اِتیادی کی اُپستھتی میں پنڈتا اُما دیوی لکچر دے رہی ہیں)

اُمادیوی: میں نے جو کچھ آپ کی سیوا میں نویدن کیا، اُس کا سارانش یہ ہے کہ استری جاتی کی اُنتی ہی سماج اور دیش کی اُنتی ہے۔ یدی آپ چاہتے ہیں کہ اس آریہ ورت میں پھر رام جیسے پنیہ آتما اور کرشن جیسے کرم یوگی، بھیشم جیسے سوارتھ تیاگی، بھیم اور ارجن جیسے ویر جنم لیں، تو اپنی بچیوں کو جو ایک دن ماتا بنیں گی شکشا دیجیے۔ وہ شکشا نہیں، جو کلائی پر سونے کی گھڑی باندھنا، آنکھ پر چشمہ لگانا، اونچی ایڑی کا بوٹ پہننا۔ کلب میں جاکر کرکٹ اور ٹینس کھیلنا۔ زیور، کپڑے، فیشن کی غلامی کرنا سکھاتی ہے، بلکہ وہ شکشا جو وچاروں کو پوتر بناتی، کرتویہ کو جگاتی، آتما کو اوپر اٹھاتی اور دھیرے دھیرے استری کو دیوی کی پدوی پر پہنچا دیتی ہے۔ یہ میری اتم پرارتھنا ہے۔ سبھا جن۔ بیٹھنے سے پہلے میں دو شبد اور بولنے کی آگیا چاہتی ہوں۔ ہمارا بھارت، جس کا آکاش کبھی موتی برساتا اور دھرتی سونا اگلتی ہے، آج دین ہین بھارت کہلاتا ہے۔ پھر بھی نہ اس میں دھن کا ابھاو ہے، نہ دانیوں کا۔ کیول دھنوان، دھن کا ارتھ اور دانی دان کا اپیوگ بھول گئے ہیں۔ ہٹے کٹے پیٹ بھرنے نکموں کا پالن پوشن کرکے دیش میں بھکاریوں کی گنتی بڑھانے کا نام دان نہیں ہے۔ جو

اپنے دھن سے بھارت ماتا کی آنکھوں کا آنسو سکھا دے، وہی دانی ہے اور جس سے جننی جنم بھومی کے ابھاگے بچوں کا دکھ کم ہو، وہی دان ہے۔ دیوی ساوتری۔ اس ودھوا آشرم کی استھاپنا کرتے سمے تم نے جو دیش سیوا کا بیج بویا تھا، آج وہ پنیہ ورکش کے روپ میں دکھائی دے رہا ہے اور سینکڑوں ودھوائیں اس کی شیتل چھایا کے نیچے بیٹھی ہوئی تمھیں اپنے روم روم سے آشیرواد دے رہی ہیں۔ دھنیہ واد ہے تمھارا دان اور دھنیہ ہے تمھارا جیون۔

(بیٹھ جاتی ہے)

ساوتری: پوجیہ نیہ ماتا! میں کسی پرسنسا کی ادھیکارنی نہیں ہوں۔ اِس دھنیہ واد کے یگیہ میرے سورگیہ سوامی ہیں، جن کے دھن سے یہ دھرم کاریہ سپھل ہوا۔ آشیرواد دیجیے کہ ایشور ہر جنم میں اُن کی آتما کو شانتی دیں۔

سبھاپتی: کلیانی۔ تمھارا اُچ پوتر چرتر، سوارتھیوں کے لیے ایک پروپکار کا اُپدیش، دھنوانوں کے لیے ایک شکشا اور ہندو ودھواؤں کے لیے ایک آدرش ہے۔ تمھاری سوامی بھکتی اور دیش بھکتی کی جے ہو۔

(ایک بوڑھے دیہاتی کے بھیس میں لڑکا لیے ہوئے بھونچال کا پرولیش)

بھونچال: دُہائی ایشور کی۔ دہائی دھرم کی۔ غریب ہونے کے کارن میری پکار اس سبھا نے نہ سنی تو سدا کے لیے منشیوں کی منشیتا پر سے میرا وشواس اُٹھ جائے گا۔ میں سمجھوں گا کہ دنیا صرف بولتے ہوئے پتھروں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں منشیہ بھی نہیں رہے اور نیائے بھی نہیں رہا۔

سبھاپتی: بوڑھے دیہاتی— کیا کہنا چاہتے ہو؟

بھونچال: میرے پاس دھن نہیں، جوانی نہیں، شکتی نہیں، بدن ڈھاکنے اور پیٹ بھرنے کا سادھن نہیں دیا کرو۔ میرے کندھے کا بوجھ اُتروا دو۔ میں اس بچے کا پالن پوشن نہیں کرسکتا۔

سبھاپتی: تو اس ودھوا آشرم میں لانے کے بدلے اسے اناتھالے میں کیوں نہیں لے گئے۔ یہ کس کا بچہ ہے؟

بھونچال: یہ بات جان کر، آپ کو امرت میں زہر، سورج میں اندھیرا، سورگ میں نرک دکھائی دے گا۔ یہ اُسی پاشانی کا بچہ ہے جو ستی دھرم کے ساتھ ماتا کا دھرم بھی بھول گئی ہے۔ جو سادھوی بن کر آپ کی شردھا کو ٹھگ رہی ہے۔

سبھاپتی: کون؟

بھونچال: یہی ودھوا— ساوتری۔

(سب چونک پڑتے ہیں)

سبھاپتی: یہ پنیہ پرتما؟

بھونچال: یہ پنیہ پرتما نہیں، پاپ پرتما ہے۔ دو مہینے کی بات ہے کہ دنیا سے کرنی کا پھل چھپانے کے لیے یہ پیٹ پر اپنے ککرموں کا بوجھ باندھے ہوئے مجھ سے میری جھونپڑی میں آشرے مانگنے آئی تھی۔ اُسی جھونپڑی میں اس بچے کا جنم ہوا۔ بدا ہوتے سمے کہا کہ میں بچے کے پالن پوشن کا پربندھ کرنے جارہی ہوں، کل آکر اُسے لے جاؤں گی۔ کنتو جانے کے بعد یہ نرمم، پاشانی اپنے وعدے اور بچے دونوں کو بھول گئی۔

سونا: دُراتما۔ کیا تو منشیہ کے روپ میں کوئی سانپ ہے۔ کیوں منہ سے جھوٹ کا زہر اُگل رہا ہے؟

بھونچال: میری سچائی کا گواہ خود یہ بچہ ہے۔ کنتو مہاکلیانی دیوی ساوتری کا سوبھاگیہ ہے کہ ابھی اس کی زبان میں بولنے اور ساکشی دینے کی شکتی نہیں ہے۔ مہاشے آج اسے ودھوا آشرم کے دروازے پر دیکھ کر پہلی مرتبہ مجھے اس کا حال اور نام معلوم ہوا اور یہاں آکر آشچر یہ ہوا کہ جس پر دھتکار برسانا چاہیے اُس کی دیش بھکتی اور پتی بھکتی کی جے پکاری جارہی ہے— کیسی بھولی بن کر وسمت درشٹی سے مجھے دیکھ رہی ہے۔ مانو میں کوئی ایودھیا واسی ہوں اور سیتا پر دوش

لگا رہا ہوں۔

سونا: نشچے، یہ کسی پاپی کا پرپنچ ہے۔ (غصے میں بھونچال کا گلا پکڑ کر) کتے۔ سچ بتا، تو کس پاپی کے ہاتھ کا ہتھیار بن کر اُس کی نیچتا کے ناٹک میں پارٹ کرنے آیا ہے۔

سبھاپتی: ٹھہرو۔ (چھڑا کر) اس نے جو دوش لگایا ہے، اُس کا یہ اُتر نہیں ہے۔

سونا: جس کلیانی نے بوڑھے پتا کو قید سے چھڑانے کے لیے اپنے بھوشیہ کا، پتی کے مرنے کے بعد سنسار کے سکھوں کا، دیش کے لیے دھن اور جیون کا بلیدان کردیا، اُس پر لگائے ہوئے دوش کا یہی اُتر ہے کہ دوش لگانے والے کو جھوٹا کہہ کر اس کے منھ پر تھوک دیا جائے۔

روپا: اُدھم!— پریکشا کی آگ میں تپائے— اور انوبھو کی کسوٹی پر کسے ہوئے سونے کو تو پیتل بتا رہا ہے!! تیرے دعوے کا کیا ثبوت ہے؟

بھونچال: دنیا کا کیسا وچتر نیائے ہے۔ امیر جھوٹ بھی بولے تو لوگ سچ سمجھتے ہیں اور غریب سے سچ بولنے پر بھی گواہ اور ثبوت مانگا جاتا ہے!! چوری کا ثبوت خود چور کا چہرا ہوتا ہے۔ اس کے منھ کی طرف دیکھو۔ اس منھ پر ستیہ کے تیج کی جگہ لاج کی کالک کیوں دکھائی دے رہی ہے؟ اس بچے کو دیکھ کر پھانسی کے سامنے کھڑے ہوئے خونی کی طرح کیوں کانپ رہی ہے؟ اس نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے پاپ پر پنیہ کا ملمع چڑھا رکھا ہے۔ آج ملمع اُڑ گیا اور پیتل باقی رہ گیا۔

سبھاپتی: (ساوتری سے) یہ سبھا کی عدالت میں ایک مدعی کی طرح نہیں، اپنے فیصلے پر وشواس رکھنے والے جج کی طرح بول رہا ہے۔ اس کے سندیہہ جنک شبدوں کا تمھارے پاس کیا جواب ہے؟ چپ کیوں ہو؟— رو رہی ہو؟— کیا اس کے آروپ کا جواب یہی آنسو ہیں؟

بھونچال: رونا ہی استری کا آخری حربہ ہے۔ جب وہ پُرش پر کسی طرح وجے نہیں پاسکتی، تب آنسوؤں کا شستر سنبھالتی ہے۔ یہ جواب کیا دے گی؟ اُس بھیڑیے کی طرح جس کا گلا شیر نے دبا رکھا ہو، نیائے کے سامنے پاپ گونگا

ہوجاتا ہے۔

ساوتری: ارے بزدلی— ارے راکشس! میں نے کون سے جنم میں تجھے دُکھ دیا تھا، جس کا اس جنم میں مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہے؟ (سبھاپتی سے) ایشور اور دھرم کو ساکشی کرکے کہتی ہوں کہ میں نے آج سے پہلے کبھی اس کی صورت نہیں دیکھی۔ یدی یہ ستیہ نہ ہو تو میری آنکھیں دکھ کا ناسور بن کر جیون کے انت تک جلتے ہوئے آنسو بہاتی رہیں۔ میرے لیے میری ہر سانس بچھو کا ڈنک ہوجائے اور میرے روم روم میں سدا نرک کی آگ دہکتی رہے۔

بھونچال: یہ غصہ کی کویتا ہے۔ جواب نہیں ہے۔ مہاشے۔ مجھے آج یہ بھی معلوم ہوا کہ یکا یک آشرم چھوڑ کر یہ کاشی، پریاگ، متھرا کی یاترا کو چلی گئی تھی اور پورے چھ مہینے کے بعد پرسوں واپس آئی ہے۔ آپ تو بدھی مان ہیں۔ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ یاترا نہ تھی بلکہ پاپ کو چھپانے کے لیے یاترا کا بہانہ بنایا گیا تھا۔

ساوتری: آہ!— کیا یہی سننے کے لیے میں اب تک جی رہی تھی؟ پتی دیو، تمھارے ساتھ میں بھی کیوں نہ مرگئی!! آج معلوم ہوا کہ اِسی دکھ، اِسی اَپمان سے بچنے کے ہندو ودھوائیں پتی کی چتا میں جل کر راکھ ہوجاتی تھیں۔ بچاؤ دیاے بچاؤ۔ اِن گھرنت شبدوں میں چتا کی جوالا سے بھی اُدھک جلن ہے۔ چتا دیہہ جلاتی ہے۔ کنتو اس کے ہونٹوں کی آگ میں میرا دھرم اور ستیہ جلا جارہا ہے۔

بھونچال: تیرا دھرم اور ستیہ تو اسی دن جل چکا، جس دن جوانی کے نشے میں لڑکھڑا کر تو پرائے مرد کی گود میں گرپڑی۔ مجھے تو اب یہ ڈر ہے کہ تیرے پاپ کی چنگاری سے اس آشرم میں رہنے والی ودھواؤں کے دھرم کرم میں بھی آگ نہ لگ جائے۔

سبھاپتی: ساوتری۔ چھ مہینے تک آشرم میں تمھاری انوپستھتی، تمھارے چہرے کی گھبراہٹ، اِس بوڑھے کا دعویٰ، دعوے کا یہ جیتا جاگتا ثبوت، ساری باتیں بادھیہ کررہی

ہیں کہ ہم تمھیں دوشت سمجھیں۔ اَرتھ ہین شبدوں سے نہیں، پرمان اور ساکشی سے ثابت کرو کہ تم نش کلنک ہو۔

ساوتری: میرے ساکشی ایشور اور میرا پرمان میری آنکھوں کے آنسو ہیں۔ کنتو لاچار ہوں کہ نہ ایشور دنیا میں نردوش کی ساکشی دینے آتے ہیں۔ نہ اس بھارت میں ودھواؤں کے آنسوؤں کی پکار سنی جاتی ہے۔

سبھاپتی: تو سنو۔ میں اس آشرم کے کاریہ کرتاؤں کا پردھان ہوں اور پردھان ہونے کے کارن آشرم میں شرن لینے والی ودھواؤں کے ستیتو کی رکشا میرا کرتویہ ہے۔ یہ ستیوں کا نواس استھان ہے۔ کلٹاؤں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ آج ہی، اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔

ساوتری: کیا! کیا!!۔ نکل جاؤں؟ کہاں نکل جاؤں!!! نہیں نہیں۔ یہ نیائے نہیں ہے۔ میرے جیون کی ٹوٹی ہوئی ناؤ سنسار ساگر میں بہتی ہوئی اس آشرم کے کنارے آلگی ہے۔ مجھے اِس کنارے سے دوبارہ منجدھار میں نہ پھینکو۔ دھرتی کے اس ٹکڑے کے سوا اب کہیں میرا ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہیں میرے اِس لوک کا کرتویہ اور یہیں میرے اُس لوک کی آشا ہے۔

سبھاپتی: تمھاری گندی سانس سے اس آشرم کی ہوا میں بھی پاپ کی بیماری پھیل جائے گی۔ اب تم یہاں کسی طرح نہیں رہ سکتیں۔ جاؤ۔ بے شرمی کے راستے پر دوڑو۔ اور نفرت کی ٹھوکریں کھا کر مرو۔

سونا: اس دیوی نے اپنے پران اور دھرم کے سوا جو کچھ تھا، دین دکھیوں کی سہایتا اور سیوا کے لیے دان کردیا۔ اسی کلیانی کے روپیوں سے اس آشرم نے دھرتی پر جنم لیا اور اسی کے روپیوں سے اب تک جی رہا ہے۔ پھر تم کس ادھیکار سے گھر کے مالک کو گھر سے باہر نکال رہے ہو؟

ساوتری: نا۔ نا۔ یہ شبد نہ کہو۔ میں اس پنیہ دھام میں رہنا چاہتی ہوں۔ کنتو مالکن بن کر نہیں، اپنی ودھوا بہنوں کی داسی بن کر۔ دان میں دی ہوئی وستو پر دانی کا ادھیکار نہیں رہتا۔ میں اسے بھارت ماتا کے چرنوں میں اَرپن کرچکی ہوں۔

اب یہ آشرم میرا دھن نہیں، جاتی اور دیش کا دھن ہے۔

سبھاپتی: اور میں دیش کی طرف سے، دیش کے اس دھن کا رکشک ہوں۔ تمھیں ہندو ستیوں میں رکھنا راج ہنسوں میں زہریلی ناگن کو چھوڑ دینا ہے۔ تم نہ گئیں تو ایک بھی ودھوا یہاں نہ رہے گی۔ دروازے پر تالے پڑجائیں گے اور سماج کے غصے کا طوفان اس آشرم کو دھوکے کا گھروندا سمجھ کے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے گا۔

ساوتری: اوہ!— نہیں۔ یدی سماج کی عدالت میں اسی طرح نیائے ہوتا ہے تو مجھے سزا دو۔ لیکن اس آشرم کی رکشا کرو۔ میرا رہنا اُچت نہیں، تو چلی جاتی ہوں۔ میں گلی گلی ٹھوکریں کھاؤں گی۔ جھڑکیاں اور گالیاں سنوں گی۔ دروازے دروازے بھیک مانگوں گی، لیکن اس آشرم کو سماج کے غصے کی بھینٹ نہ ہونے دوں گی۔ یہ پنیہ دھام مجھے ایشور کے نام اور پتی دیو کے دھیان کی طرح پیارا ہے۔ اسی نے مجھے سکھایا کہ سوارتھ تیاگ ہی میں جیون کی مہانتا اور دیش کی سیوا ہی میں لوک پرلوک کا سکھ ہے۔

سبھاپتی: تم نے دو دن کی جوانی کے لیے سب کچھ کھو دیا۔ دھرم بھی، مان بھی اور سورگ بھی۔ (بھونچال کی گود سے بچہ لے کر) یہ تمھارے راستے کی پونجی ہے۔ تم نے یہ پونجی ناری کی مہما، ودھوا کا کرتویہ، سماج کا وشواس بیچ کر پیدا کی ہے— لو— (زبردستی ساوتری کی گود میں بچہ دیتا ہے) لینا ہی ہوگا— یہ رہا دروازہ۔ جاؤ— پاپ، دھکار، نرک، جو تمھیں شرن دے، اس کی چھایا میں چلی جاؤ۔

ساوتری: بالک، تو کس اندھیرے گھر کا دیپک، کس ڈالی کا پھول، کس کی گود کا چاند ہے؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟— کیا میرے اس جنم کا ناش کرنے ہی کے لیے تو نے ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے؟— نہیں— نہیں۔ تیرا کوئی اَپرادھ نہیں۔ تو بھی میری ہی طرح نردوش اور میری ہی طرح دکھی ہے— تو اناتھ ہے۔ میں ودھوا ہوں۔ تیرے سر پر پتا کا ہاتھ نہیں، میرے سر پر پتی کی

چھپایا نہیں۔ تجھے ذر بھاگیہ ٹھکرا رہا ہے اور مجھے سماج ٹھوکریں مار رہا ہے۔ ہم دونوں ڈوبے ہوئے جہاز کے دو ٹوٹے تختے، جلے ہوئے گھر کی دو مٹھی راکھ ہیں۔ چل دیکھیں۔ آنسوؤں کی باڑھ، دکھ کی آندھی، ہم ابھاگوں کو کہاں لے جاتی ہے؟ لیکن کدھر جاؤں! کہاں جاؤں!! راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ دھرتی کی جلتی ہوئی چھاتی سے گرم، گاڑھا دھواں نکل رہا ہے۔ اندھکار، آگ کی طرح جل اُٹھ۔ بجلیو، چمکو۔ راستہ دکھاؤ۔ نہیں تو میرے سر پر ٹوٹ پڑو۔ آہ۔ ٹھکانہ بھی نہیں۔ سہارا بھی نہیں اور اندھیرے میں آشا کی چمک بھی نہیں۔

(گر پڑتی ہے)

—ٹیبلو—

—ڈراپ—

انک دوسرا— درشیہ پہلا

سونا، روپا کا گھر

روپا: کیسا دُکھ دایک درشیہ تھا۔ پاپی جھوٹ گرج رہا تھا اور نردوش سچائی سر جھکا کر رو رہی تھی۔

سونا: کمینی دنیا، چھل کپٹ کے دھاگوں سے اتنا مضبوط جال تیار کرسکتی ہے!— اس کی بدمعاشی کو میں نے پہلی بار ایسے بھیانک روپ میں دیکھا۔

روپا: بہن......

ساوتری: (بے سنے، اپنے آپ سے) دنیا آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ایک دکھ کی سانس اور منشیہ جیون پاگل کا سوپن ہے۔

روپا: ساوتری بہن......

ساوتری: (بے سنے) ماتا پتا کے پریم آکاش میں سوریہ بن کر چمکی۔ پتی کے گھر میں چندرما بن کر آئی۔ انت میں تارے جتنے چمک کی بھی مالک نہ رہی۔

روپا: میں نے کہا......

ساوتری: (بے سنے) نہ سورج رہی، نہ چاند رہی، نہ تارا رہی۔ اب کیا ہوں؟ دھواں دیتا ہوا کوئلہ۔ دھرتی کی چھاتی پر وناش کی رینگتی ہوئی کالی چھایا۔

سونا: کیا سوچ رہی ہو؟

ساوتری: (چونک کر) کون! میں!! (ٹھنڈی سانس لے کر) سوچ رہی تھی کہ ہوا سے پتے کو پلٹنے میں دیر لگتی ہے، کنتو دنیا کو پلٹتے دیر نہیں ہوتی۔

روپا: تم نے کیا فیصلہ کیا؟

ساوتری: تمھارے گھر کو میں اپنے سگے بھائیوں کا گھر سمجھتی ہوں۔ پھر بھی میرا یہاں رہنا اُچت نہیں ہے۔

سونا: کیوں؟

ساوتری: کیوں میں ودھوا ہوں اور دُربھاگیہ سے جوان ہوں۔ مارنے والوں کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے— بولنے والے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی۔

سونا: اچھا تو میں کسی گرہست گھر میں کوئی عزت کی نوکری تلاش کروں گا۔

ساوتری: دنیا کسی کو سکھ اور ہنسی مفت نہیں دیتی۔ ایک دن اس کی مہربانی کی قیمت ہائے ہائے اور آنسوؤں سے ادا کرنی پڑتی ہے۔

اَنک دوسرا — درشیہ دوسرا

رادھے کانت کا گھر

(رادھے کانت، بھونچال اور پھول کماری کا پرویش)

پھول کماری: ہاں ہاں۔ ایک ہاتھ میں انصاف کا کوڑا، دوسرے ہاتھ میں جیل اور پھانسی لیے ہوئے قانون سے۔ قانون کی زبان بن کر قسمت کا فیصلہ سنانے والی عدالت سے اور تمھارے مرے ہوئے دھرم میں کوئی سانس باقی ہو، تو اُس سے بھی پوچھتی ہوں کہ میرے بھائی کا کیا اَپرادھ تھا؟

رادھے کانت: اَپرادھ نہ تھا تو اُسے چھ مہینے کا جیل کیوں ہوگیا؟

پھول کماری: جھوٹی گواہی اور تمھارے روپیوں کی طاقت سے۔

رادھے کانت: تو کیا تیرے بھائی کو نہیں معلوم تھا کہ غریب کا غصہ، امیر کی دولت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسے سزا ملنا ہی چاہیے تھی۔ منہ پھٹ غریبوں پر دیا کرنا بیوقوفوں کا کام ہے۔ میں بیوقوف نہیں ہوں۔

پھول کماری: ٹھیک کہتے ہو۔ اس دنیا میں جس کے پاس رہنے کو محل، سواری کو موٹر، اُڑانے کو دولت ہے، جس کے پاس کمزوروں کو دبانے کی طاقت ہے۔ جو سانپ جیسا زہریلا اور کتے جیسا نیچ ہونے پر بھی دھن کے پرتاپ سے بھدرپُرش سمجھا جاسکتا ہے۔ جو غریبوں کا سکھ، ستیوں کا ستیہ لوٹ کر بھی، دھنوان ہونے کے کارن سماج میں مان پاسکتا ہے، وہ بیوقوف نہیں ہے۔ بیوقوف وہ ہے جس کے پاس پیسہ نہیں۔ بیوقوف وہ ہے جس کے پاس ایشور کے سوا دوسرا سہارا

نہیں۔ بیوقوف میرا بھائی تھا جو گھر سے پاپ کے کیچڑ میں دیا کا ہیرا ڈھونڈھنے نکلا تھا۔ بیوقوف میں ہوں، جو تیرے دل کی پتھریلی زمین میں آنسوؤں کے بیج بونے آئی ہوں۔

رادھے کانت: لیکن ان آنسوؤں کے بیج سے کوئی پھل پیدا نہیں ہوگا۔

پھول کماری: مکان دار نے اپنے کرائے کے روپیوں کے بدلے میں سامان چھین کر مجھے دروازے سے باہر کردیا۔ پڑوسیوں سے جگہ مانگی، انھوں نے بھی میری صورت دیکھتے ہی منھ پھیر لیا۔ اناتھ آشرم گئی، وہاں سے بھی صاف جواب مل گیا۔ رہنے کا گھر نہیں، بھائی کی چھایا نہیں، پیٹ پالنے کا سہارا نہیں، ایودھیا میں میری ماسی رہتی ہے، بھیک مانگتی ہوئی وہیں چلی جاؤں گی۔ میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتی، کیول اپنا بچہ چاہتی ہوں۔ میرا لال، میرا بچہ مجھے دے دو۔

رادھے کانت: ایک ہی سوال کا کتنی بار جواب دوں! کہہ تو دیا کہ تیرا بچہ مرگیا!!

پھول کماری: بچے کے مرنے کی خبر سن کر پتھر پر گر کے جھنکار کے ساتھ چور ہوجانے والے شیشے کی طرح ماں کا دل چیخ مار کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ پھر میری ممتا ابھی تک دُکھ سے پاگل کیوں نہیں ہوگئی۔ میرا دل مجھ سے کیوں کہہ رہا ہے کہ تیرا بچہ، تیری بدنامی کی طرح اس دنیا میں موجود اور تیری مصیبت کی طرح ابھی تک جیتا ہے۔

رادھے کانت: وہ مرگیا۔ جل گیا۔ راکھ ہوگیا— اگر بجھی ہوئی آگ کی چنگاری کی طرح ابھی تک جیتا ہے تو جا اُسے اس کی راکھ میں ڈھونڈھ۔

(جانا چاہتا ہے)

پھول کماری: ٹھہرو۔ سنو۔ (پاؤں تھام کر) تم دھرم، سکھ، شانتی چھین کر مجھے بھکارنی بنا چکے۔ اب بھکارنی کا یہ آخری دھن......

رادھے کانت: میرا پاؤں چھوڑ دے۔ کیا تو یہ چاہتی ہے کہ میرے نوکر سر کے بال کھینچتے

ہوئے تجھے لات مار کر دروازے سے باہر پھینک دیں؟

پھول کماری: رادھے کانت۔ جن کانوں سے سکھ کے گیت، خوشی کے راگ سنتے ہو۔ ایک بار اُن سے دکھیا کی پکار بھی سنو۔

رادھے کانت: تیری پکار کا یہی جواب ہے۔

(لات مار کر چلا جاتا ہے)

بھونچال: (پھول کماری کے پاس جاکر) رادھے کانت، پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکتے ہوئے پتھر کی طرح تم آندھی کی چال سے نیچے کی طرف جارہے ہو۔ ساتھ رہا تو اپنے ساتھ مجھے بھی اندھیرے گڑھے میں کھینچ لے جاؤ گے— دیوی، اُٹھو، تمھاری پکار سے پاپی رادھے کانت کی نیند نہیں ٹوٹی۔ لیکن میری آنکھیں ہمیشہ کے لیے کھل گئیں۔ کہو کہو۔ بِس سہائے ابھاگنی کہو۔ میں تمھاری کیا سیوا کروں؟

پھول کماری: رادھے چھری تھا اور تم اُس چھری کی دھار تھے۔ تم دونوں نے مل کر میرے ستیہ اور سکھ کا گلا کاٹا ہے۔ اب سیوا کے نام سے کیا پھر کوئی نیا اتیاچار کرنا چاہتے ہو۔ بھیڑیا خون پینے، اور سانپ ڈسنے کے سوا اور کیا سیوا کرسکتا ہے۔

بھونچال: میں رادھے کو ابھیمانی، سوارتھی، کامی پُرش نیچ سمجھتا تھا لیکن یہ آج معلوم ہوا کہ وہ منشیہ کا روپ دھارن کیے ہوئے ایک بھینکر راکشس ہے۔ میں نے اس بچھو کا ڈنک بن کر تمھیں جو دکھ دیے ہیں، اُن دکھوں کے لیے تم سے شما مانگتا، اور تمھاری سیوا کرکے اپنے پچھلے پاپوں کا پرائشچت کرنا چاہتا ہوں۔

پھول کماری: کس طرح؟

بھونچال: میں آج سے رادھے اور اس کی نوکری کو دھکار کرتا ہوں۔ جب تک تمھارا بھائی جیل سے چھوٹ کر نہ آئے میرے گھر چل کر رہو۔ تم پیٹ بھر کر نہ کھاسکو گی تو بھوکی بھی نہ رہو گی۔

پھول کماری: میرے آنسوؤں نے تمھیں آگ سے پانی بنا دیا۔ مجھے وشواس نہیں ہوتا۔

بھونچال: وشواس کروں— دنیا کا کوئی کام، بنا وشواس کے نہیں چلتا۔ مجھ پر اسی طرح بھروسا کرو جس طرح بیٹی اپنے باپ پر بھروسا کرتی ہے۔

پھول کماری: میں تمھیں شما کرتی ہوں— تمھارا کلیان ہو۔

بھونچال: اور تمھارا بھی۔

(دونوں جاتے ہیں)

اَنک دوسرا — درشیہ تیسرا

(کومک)

بھونڈو راؤ کا گھر

(شوبھا رام اور سرلا آپس میں جھگڑا کرتے ہوئے آتے ہیں)

شوبھا رام: تم جب سے اپنے باپ کے گھر آئی ہو۔ میرا کوئی کام نہیں کرتیں۔ میں نے کہا تھا کہ میری پتلون پھٹ گئی ہے۔ ذرا سی دو — کیوں نہیں سیا؟

سرلا: ساس، سسر، پتی کی سیوا کرنا، گرہستی سنبھالنا، کھانا پکانا، پھٹا پرانا سینا، یہ سب پرانی عورتوں کا دستور ہے۔ ہماری استری سماج میں ریزولیوشن پاس ہوگیا ہے کہ اس نئے زمانے کی پڑھی لکھی سدھری ہوئی عورتوں کو مردوں کا کوئی حکم نہ سننا چاہیے۔

شوبھا رام: جب میرا حکم سننا نہ تھا تو مجھ سے بیاہ ہی کیوں کیا تھا؟

سرلا: نان سنس۔ بیاہ کیا چیز ہے؟ بیاہ تو استری پرش کی دوستی کا ایگریمنٹ ہے۔ میں تمھیں پتی نہیں اپنا فرینڈ سمجھتی ہوں۔ اس لیے مائی فرینڈ، اگر میں فرینڈ شپ میں تمھارا کوئی کام کردوں تو یہ میری مہربانی ہے اور تمھیں اس مہربانی کے لیے تھینک یو کرنا چاہیے۔

شوبھا رام: تو یہ کہو نا کہ تم میری عزت کا سر مونڈنے کے لیے میرے گھر آئی ہو۔ آج معلوم ہوا کہ تم عورت نہیں حجام کا استرا ہو۔

(ایک لفافہ لیے ہوئے بھونڈو راؤ کا پرویش)

بھونڈو راؤ: ہپ ہپ ہرّے۔ ہپ ہپ ہرّے۔ (شوبھا سے) مائی بوائے۔ یہ دیکھو......

سرلا کے اپلیکیشن کا رپلائی آگیا۔ تمھاری وائف کو میکنزی آفس میں ہیڈ کلرک کی جگہ مل گئی۔

سرلا: پاپا۔ پاپا۔ کیا مجھے سروس مل گئی۔ او گڈ لک— گڈ لک۔

بھونڈو راؤ: ول۔ اتنا خوشی کا خبر سن کر بھی تم ہنستا نہیں؟

شوبھا رام: کس پر ہنسوں۔ تمھاری اوندھی کھوپڑی پر— یا جس نے ایک عورت کو، مردوں کا ہیڈ بنا دیا، اُس افسر کی بیوقوفی پر۔

بھونڈو راؤ: ارے جورو کمائے گی اور تم کھاؤ گے۔ اس لیے اپنی قسمت پر ہنسو۔ اور اس طرح ہنسو۔ ہا ہا ہا ہا ہا ہا۔

سرلا: ڈیئر۔ جب میں ہیڈکلرک بن کر آفس میں داخل ہوں گی، تب کیا معلوم ہوگا؟

شوبھا رام: بس یہ معلوم ہوگا کہ آغا خاں کی گھوڑی، ڈربی کی ریس جیت کر چلی آرہی ہے۔

بھونڈو راؤ: ہیڈ کلرک کا عہدہ۔ سینکڑوں مردوں پر حکومت۔ آہ ہا۔ جب آفس کے بابو لوگ کی انگلیاں ٹائپ رائٹر پر کھٹ کھٹ کریں گی تو سرلا کے کانوں کو باجا بجنے کا مزا ملے گا۔

شوبھا رام: بابو لوگ کی انگلیاں ٹائپ مشین پر کھٹ کھٹ تو کریں گی لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمھاری لڑکی کے گورے گورے گالوں کو دیکھ کر ان کے دل بھی 'کھٹ کھٹ' نہ کرنے لگیں۔ میں اس نوکری پر نہ جانے دوں گا۔

سرلا: وہائی۔ وہائی!— کاز!!— سبب!!!

شوبھا رام: میری جورو کو سارا آفس گھورے، اس لیے میں نے بیاہ تھوڑے کیا ہے؟— اپنے گالوں کا جوبن بچانا ہے تو آفس نہ جاؤ۔ نہیں تو بابو لوگ اپنی بھوکی آنکھوں سے اس رس گلے کا سارا رس چوس لیں گے۔

بھونڈو راؤ: نو— نو— آفس کا انگریزی پڑھا لکھا بابو لوگ ایٹی کیٹ سمجھتا ہے۔ وہ ہمارا آرڈر بغیر، ہمارا لڑکی کو کبھی نہیں گھور سکتا۔ سرلا یہ گولڈن چانس نہیں چھوڑ سکتی۔ ہپ ہپ ہرّے۔

(چلا جاتا ہے)

سرلا: ڈیر تم شک نہ کرو۔ میں نوکری پر آفیسر ہوکر جارہی ہوں۔ کوئی مجھے گھورے گا تو میں اُس کی آنکھوں پر جرمانہ کردوں گی۔

شوبھا رام: اور جو کسی کو گھورنے کے لیے تمھارا ہی دل چاہا تو؟

سرلا: تو تم ان گالوں پر جرمانہ کردینا۔

شوبھا رام: کیا جرمانہ؟

سرلا: (منھ سے چمے کی آواز نکال کر) ٹوِکس—

(گانا)

اَنک دوسرا — درشیہ چوتھا

شاما نائیکہ کا گھر

(شاما کے ساتھ بھونچال کا پرویش)

شاما: تم تو ایک ہی نشتر میں میرے صندوق کی رگوں سے سارا سنہرا خون نکال لینا چاہتے ہو۔ ہزار کی رقم تھوڑی ہے؟

بھونچال: چاند کی کرنوں کی چمکدار اور سیاہ ریشم کے لچھوں کی طرح نرم بال۔ کام دیو کی کھنچی ہوئی کمان کی طرح ٹیڑھی بھنویں۔ شراب میں بھگوئے ہوئے کمل کی طرح رسیلی آنکھیں۔ کابلی سیب کی طرح سرخ سفید گال۔ انار کے رس اور سیندور کی لالی سے بنے ہوئے پتلے پتلے ہونٹ۔ ایسی خوبصورت عورت اتنے سستے داموں پر نہیں ملتی۔

شاما: تو دو ہزار۔ میں نہیں دے سکتی۔ جوان عورت بیچنے آئے ہو یا میرے گھر ڈاکا ڈالنے؟

بھونچال: کم سے کم دام لگاؤ، تو بھی بالوں کی قیمت چار سو روپے، آنکھوں کی چھ سو، بھوؤں کی دو سو۔ ہونٹوں کی پونے چار سو، بائیں گال کی ڈھائی سو، داہنے گال پر ایک کالا تل بھی ہے، اس لیے سوا تین سو۔ دو ہزار سے اوپر تو صرف چہرے کی قیمت ہوئی۔ گردن سے پاؤں کے ناخن تک تو میں مفت دے رہا ہوں۔

شاما: یہ دو نوٹ اور لو۔ بارہ سو ہوئے۔ اب نہ بولنا۔ تم روپیہ وصول کرنے میں

ڈاکٹر، وکیل اور رنڈیوں سے بھی زیادہ بے مروت ہو۔

بھونچال: (نوٹ لے کر) شاما بائی۔ تم بازار کے لائق مال تو چاہتی ہو، لیکن مال کا پورا دام دینا نہیں چاہتیں۔ نہیں تو میں چندر گرہن اور کمبھ کے میلے میں جاکر کاشی، پریاگ، متھرا، ہردوار سے گھتہ جھانسا دے کر ایسی ایسی پٹاخہ لڑکیاں لادوں کہ سونا کھاؤ، چاندی بچھاؤ۔ نوٹ اوڑھو تو بھی ٹکسال کی طرح تمھارے گھر کی دولت کم نہ ہو۔

شاما: دولت جب ملے گی تب ملے گی۔ ابھی تو دی ہوئی رقم بھی ڈوبتی دکھائی دیتی ہے۔ اِس گھر میں بہت سی لڑکیاں آئیں۔ دو ایک بیمار ہوکر اسپتال میں مرگئیں۔ دو چار اپنے چہیتوں کے گھر بیٹھ گئیں۔ دس پانچ رنڈیوں کے ہتھکنڈے سیکھنے کے بعد الگ کوٹھا لے کر خود نائیکہ بن بیٹھیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اتنی غصہ ور، اور ہٹیلی نہ تھی۔ میں تو سب طرح کا لالچ اور سب طرح کا ڈر دکھا کر تھک گئی۔ اب تمھیں راستے پر لاؤ۔ نہیں تو سمجھوں گی کہ یہ بارہ سو روپے میں نے لڑکی خریدنے کا ڈنڈ دیا ہے۔

بھونچال: نئی مینا اور نیا پنجرا ہے۔ اس لیے نکل بھاگنے کے لیے پھڑپھڑا رہی ہے۔ ہٹ نہ چھوڑے تو دانہ پانی بند کردو۔ دو چار دن میں تمھاری سکھائی ہوئی بولی بولنے لگے گی۔

شاما: تم ٹھہرو۔ میں اُسے یہاں لاتی ہوں۔ میں نے اس کے آنے کی بہاری بابو کو خبر دی ہے۔ وہ بھی آرہے ہوں گے۔ پارسال ایک رئیس کی ودھوا بہو اور اسکول کی دو کنواری لڑکیاں بھگا کر لائی تھی۔ اُن بے داغ موتیوں کی قیمت میں بہاری بابو نے پانچ ہزار گن دیے تھے۔ دیکھیں تمھارے لائے ہوئے کوہِ نور ہیرے کا کیا دام دیتے ہیں؟

(اندر جاتی ہے)

بھونچال: نہ کسی کی نوکری کی، نہ محنت کی، نہ خوشامد کی اور بارہ سو مل گئے۔ واہ وا۔

رنڈیوں کی نائیکاؤں کا ایڈی کانگ بننا بھی کتنا اچھا دھندا ہے۔

(بہاری لال کا پرویش)

بہاری لال: استری آلنگن کے پیاسے، روپ کا امرت پی کر جوٹھا پیالا پھینک دیتے ہیں۔ کچھ دنوں کھیلنے کے بعد اس نئے کھلونے کو بھی ٹھوکر مار دوں گا۔ کھانا گرم۔ پھل تازہ، شراب پرانی اور عورت ہمیشہ نئی چاہیے۔

بھونچال: مہاشے! سماجی سلام کروں یا سناتنی؟ اچھا دونوں لڑھکاتا ہوں نمستے۔ جے گوپال۔

بہاری لال: اَہ ہا۔ مسٹر رادھے کانت کے پرائیویٹ سکریٹری بھی یہاں موجود ہیں۔ شاما بائی کے گھر میں یہ چاند کیسے اُدے ہوا؟

بھونچال: بہاری بابو! شما کیجیے گا۔ آج میرا جی چاہتا ہے کہ تھوڑا سچ بولوں۔ ہم اور آپ دونوں ایک ہی کالج کے گریجویٹ ہیں۔ میں لوگوں کی جیب تاکتا ہوں اور آپ گرہست گھر کی بہو بیٹیوں کو تاکتے ہیں۔ میں مردوں کا مال لوٹتا ہوں، آپ عورتوں کا ستیہ لوٹتے ہیں۔ میں کھلا ہوا بدمعاش ہوں اور آپ چھپے ہوئے پاجی ہیں۔

بہاری لال: کیا بک رہے ہو؟

بھونچال: پربھو جی! اب تک آپ کتنے ہی خوبصورت پھولوں کو پیروں سے روند چکے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ آج بھی شاما آپ کی کام لالسا کی آگ میں جھونکنے کے لیے ایک کنواری کلی لائی ہے۔ اگر آپ دنیا میں اپنی بدنامی اور شاما کی گرفتاری نہیں چاہتے تو پانچ سو کا ننھا سا نوالہ دے کر مرا منھ بند کردیجیے۔ نہیں تو پھر سمجھ لیجیے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا اور پاجی کو پاجی ہی ٹھیک کرتا ہے۔

بہاری لال: اس کتے کا منھ بند ہی کرنا چاہیے۔ نہیں تو بھونکے گا بھی اور کاٹے گا بھی۔ (بھونچال سے) کیا میں کسی ظالم دیسی رئیس کی بے زبان رعیت ہوں جو تم ریاست کے لٹیرے کارندوں کی طرح ڈرا کر روپیہ وصول کرنا چاہتے ہو۔ کہو کہ بہاری بابو میں غریب ہوں اور تمھیں غریب کی مدد کرنا چاہیے۔ (نوٹ

دیتا ہے) یہ لو۔

بھونچال: تھینک یو— اب مجھے آپ ہر پاجی پن میں اپنا داہنا ہاتھ سمجھیے۔

(شاما پھول کماری کو کھینچتی ہوئی لاتی ہے)

پھول کماری: جانے دے۔ مجھے جانے دے۔ یہاں کی زہریلی ہوا میں میرا دم گھٹا جاتا ہے۔ اس گھر کی چوکھٹ پر پاؤں رکھتے سے مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ گھر بھوگ ولاس کی بجلی سے جل کر گرگئے ہوئے دھرم مندر کا کھنڈر، ویشیا روپی بھیڑنی کا بھٹ، بے شرمی کی دکان، پاپ کی منڈی ہے۔

شاما: لیکن اس منڈی کی چھت موتیوں کی، دیوار سونے کی، زمین چاندی کی بنی ہوئی ہے۔ اس جگہ سکھ برستا، خوشی اگتی اور جوانی کے مزے پھلتے ہیں۔ یہاں کی ہوا میں رہی تو تھوڑے ہی دنوں میں تو بھی لوہے سے پارس اور شیشے سے ہیرا بن جائے گی۔

پھول کماری: میں تیرے ہاتھ سے سونے چاندی کے پیالے میں سکھ کا امرت پینا نہیں چاہتی۔ یہ امرت نہیں پاپ کا وِش ہے۔ تو کس اَپرادھ پر میرے روپ اور جوانی کو اس وِش میں ڈبانا چاہتی ہے؟

شاما: یہ خوبصورتی اور جوانی اب تیری نہیں میری ہے۔ میں ان دونوں کو بارہ سو روپے میں خرید چکی ہوں اور جس سے خریدا (بھونچال کی طرف اشارہ کرکے) وہ موجود ہے۔

پھول کماری: میں یہ کیا سن رہی ہوں (بھونچال سے) جس طرح دربھاگیہ نے ہرش چندر کو بھنگی کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ کیا اسی طرح تم نے مجھے بارہ سو روپے میں اس ویشیا کے ہاتھ بیچ دیا۔ نہیں نہیں۔ کہو۔ کہو کہ یہ جھوٹ ہے۔ منشیہ کتنا ہی گرگیا ہو لیکن اتنا نیچ نہیں ہوسکتا۔

بھونچال: ایک بار بکنے سے تمھاری قیمت کم نہیں ہوگئی۔ تم دوبارہ بکنے کے لیے اپنے کو راضی کرو۔ روپیہ اور سکھ لیے ہوئے گاہک تیار ہیں۔

پھول کماری: جن ہونٹوں سے یہ آگ بھرے شبد نکل رہے ہیں۔ کیا یہ وہی ہونٹ ہیں جس نے اپنی رکشا اور سہایتا کا وشواس دلایا تھا؟ کیا یہ وہی ہونٹ ہیں جن سے اپنے کو باپ اور مجھے بیٹی کہا تھا۔

بھونچال: کوئی باپ اپنی بیٹی کو غریبی اور مصیبت کی چکی میں پستے نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے کیا برا کیا جو تمھیں دکھ کے پیروں کے نیچے سے کھینچ کر سکھ کی گود میں پہنچا دیا۔

بہاری لال: سندری، نسچے یہ ان مہاشے کا اُپکار ہے کہ تم غریبی کے قیدخانے سے نکل کر ایسی جگہ پہنچ گئیں جو جگہ بوتل سے گلاس میں ڈھلتی ہوئی آنند کی تان، ہارمونیم کے پروں پر ناچتے ہوئے سنگیت کے قہقہے، روپیوں کی سریلی آواز، ریشمی ساڑی کی سرسراہٹ، جڑاؤ گہنوں کی جھنکار سے گونجتی رہتی ہے۔

پھول کماری: تم کون؟

بہاری لال: اس بازار کا پرانا گاہک اور تمھارا پہلا خریدار۔ سانپ پھن سے، بچھو ڈنک سے، بھیڑیا دانتوں سے، ہاتھی سونڈ سے، گینڈا سینگ سے، شیر پنجے سے اور آدمی تلوار اور پستول سے دشمن پر حملہ کرتا ہے۔ روپ اور جوانی تمھارے پاس بھی یہ دو حربے موجود ہیں۔ تم بھی ان حربوں سے، غریبی اور دکھ کے ٹکڑے اُڑا دو۔ اس روپ اور غریبی کے یدھ میں — روپیوں اور اشرفیوں سے — میں تمھاری مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔

پھول کماری: اگر اس چنڈال نے میرے بدلے تمھاری بہن یا بیٹی کو دھوکا دے کر اس نرک میں لاکے اس کٹنی کے ہاتھ بیچ دیا ہوتا، تب تم جانتے کہ گرہست گھر کی شریف لڑکی کو روپیہ اور اشرفی پیارا نہیں، ستیہ اور دھرم پیارا ہوتا ہے — اپنے ان گھرنت شبدوں پر لجت ہو۔ نہیں تو میں سمجھوں گی کہ تم بھارت واسی بھی نہیں ہو اور ہندو بھی نہیں ہو۔

بہاری لال: کیسا ہندو اور کیسا بھارت — ہم استری کے پریم پجاری ہیں اور پریم کے پجاریوں کا کوئی دیش، کوئی ذات، کوئی دھرم نہیں ہوتا۔ ہم سندر ناریوں کی

سیوا کرنے ہی کو اپنا دھرم اور نائیکہ کے گھر ہی کو اپنا بھارت جانتے ہیں۔

پھول کماری: دھتکار ہے تجھ پر۔ تیرے جیسے بھارت کے دشمن، دھرم کے دشمن کو کتا کہنا بھی تجھے عزت دیتا ہے۔

بہاری لال: رمنی۔ اندھیری رات میں دبے پاؤں چلنے والے چور کی طرح جوانی کے پیچھے پیچھے بڑھاپا بھی چلا آرہا ہے (ہاتھ پکڑ کر) آج قسمت جو دے رہی ہے، لے لو۔ یہ بڑھاپے میں مہربان نہ رہے گی۔

پھول کماری: الگ ہٹ۔ مجھے جوٹھے برتن مانج کر ملے ہوئے ٹکڑے، بھیک کے دو مٹھی چنے منظور ہیں لیکن چاندی کی چوکی پر بیٹھ کر سونے کے تھال میں پاپ کی روٹی کھانا منظور نہیں ہے۔

بھونچال: سمجھ گیا۔ اس طرح نہ مانے گی— لوہے کو نرم کرنے کے لیے آگ کی ضرورت ہے۔

(اندر جاتا ہے)

شاما: دیکھ اب بھی مان جا— لوہے کے کٹہرے میں بند شیرنی صرف غصہ کرسکتی ہے۔ کٹہرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔

بہاری لال: اوہ۔ اِن رسیلی آنکھوں میں کتنی شراب بھری ہوئی ہے۔ نظر ملتے ہی نشہ ہوجاتا ہے۔ سندری آؤ۔

(لپٹانا چاہتا ہے)

پھول کماری: (گلا پکڑ کر) پاجی، اب سندری کہا تو میں گلا گھونٹ کر تجھے ہمیشہ کے لیے چپ کردوں گی۔

(بھونچال ایک ہنٹر لیے ہوئے واپس آتا ہے)

بھونچال: (بہاری کا گلا چھڑا کر) یہ ہنٹر دیکھتی ہے— یہ ہنٹر اس نائیکہ کے پیشے کی

طرح بے مروت اور میرے دل کی طرح بے رحم ہے— تجھے پھول کماری سے پھول بائی بننا ہوگا۔

پھول کماری: تو اس ہنٹر سے میری کھال اُدھیڑ دے۔ مجھے مار ڈال۔ لیکن میں دُکھ کی مار سے بچنے کے لیے پاپ کی ڈھال کا سہارا نہ لوں گی۔

بھونچال: تو نہیں؟

پھول کماری: کبھی نہیں۔

بھونچال: تو پھر یہ ہنٹر ہی تیری نہیں کو ہاں بنائے گا۔

(لگاتار ہنٹر مارتا ہے)

پھول کماری: بھگوان— دیائے— کہاں ہو؟—

(مار کھاتے کھاتے بیہوش ہوکر گر پڑتی ہے۔ بہاری اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیتا ہے)

—ٹیبلو—

انک دوسرا — درشیہ پانچواں

سبھدرا دیوی کا گھر

(سبھدرا دیوی اور اس کی دس برس کی لڑکی کرشنا کماری)

سبھدرا دیوی: پنڈت جی کہتے تھے کہ ہندو جاتی کو سدا جیوت رکھنے کے لیے تلسی داس نے رامائن کے اکشر اکشر میں امرت بھر دیا ہے۔ اس لیے بٹیا۔ جب میں رامائن پڑھوں، تو خوب دھیان سے سنا کرو۔ رام اور سیتا کا نام سننے سے آتما پوتر ہوجاتی ہے۔

کرشنا کماری: ماں۔ تلسی داس جی کون تھے؟

سبھدرا دیوی: رامائن میں کہیں پڑھا تو ہے، کنتو ٹھیک یاد نہیں — دھیان آتا ہے کہ راجا دشرتھ کے سینا پتی تھے۔

کرشنا کماری: کون دیش میں رہتے تھے؟

سبھدرا دیوی: ایودھیا کے سوا اور کہاں رہتے ہوں گے۔

کرشنا کماری: ایودھیا کہاں ہے؟

سبھدرا دیوی: لنکا کے پڑوس میں۔

کرشنا کماری: لنکا کہاں ہے؟

سبھدرا دیوی: دہلی یا آگرے کے پاس ہوگی۔

کرشنا کماری: اچھا ماں۔ سیتا جی کون تھیں؟

سبھدرا دیوی: بھگوان رام چندر کی پتنی۔

کرشنا کماری: اور بھگوان رام چندر کون تھے؟

سبھدرا دیوی: مہارانی سیتا جی کے پتی۔

کرشنا کماری: ماں، پتی کسے کہتے ہیں؟

سبھدرا دیوی: یہ تو اُس دن جانے گی جب تیرا بیاہ ہوگا۔

کرشنا کماری: تو میرا بیاہ کب ہوگا؟

سبھدرا دیوی: ابھی تو آٹھ برس کی ہے۔ جب بارہ برس کی ہوجائے گی۔

کرشنا کماری: باپ رے! ابھی تو بہت دن باقی ہیں!!— ماں بیاہ اُسی کو کہتے ہیں نا جس میں باجے بجتے اور لڈو بنتے ہیں؟

سبھدرا دیوی: ہاں۔ اور لڑکی پالکی میں بیٹھ کر سسرال جاتی ہے۔

کرشنا کماری: نا ماں۔ میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتی۔ میں تو سسرال کو پالکی میں بٹھا کر اپنے ہی گھر بلا لوں گی۔

سبھدرا دیوی: سسرال آنے کے ساتھ ہی پوچھے گا کہ تمھاری لڑکی بھوجن بنانا، کپڑے سینا، گھر سنبھالنا، لکھنا پڑھنا جانتی ہے یا نہیں— سسرال کے سامنے میری ناک اونچی کرنی ہے تو یہ سب کام جلدی جلدی سیکھ لے۔

کرشنا کماری: تم تو دن بھر پڑوسنوں کو کتھا سناتی یا گھر کی نوکرانی پر بگڑتی رہتی ہو۔ سکھاتی تو ہو نہیں۔ پھر کس طرح سیکھیں؟

سبھدرا دیوی: تجھے پڑھانے، سکھانے ہی کے لیے بھدر کُل کی ایک پڑھی لکھی استری کو نوکر رکھنے پر تیار ہوئی ہوں۔ سیوا سمیتی کے دو آدمیوں نے اُس استری کے چرتر اور سوبھاؤ کی بہت تعریف کی ہے۔ لیکن میں تو تب تعریف کروں گی جب اُس کی شکشا سے تیرے روپ کی طرح تیرے گن بھی چمک اُٹھیں۔

(سونا روپا کے ساتھ گود میں بچہ لیے ہوئے ساوتری کا پرویش)

سونا: اس بچی کو لکھانے پڑھانے اور گرہستی کے کرتو یہ سکھانے کے لیے آپ کو ایک دھرم پرائنا استری کی ضرورت ہے۔ یہ خبر سن کے میں نے آپ کی سیوا میں

کل آکر جس دیوی کو نوکر رکھنے کی سفارش کی تھی، وہ یہی ہیں۔

روپا: ان کا نام ساوتری ہے اور ودھوا ہیں۔ یہ روپیوں کے لیے نوکری کرنے نہیں آئی ہیں۔ کیول دو مٹھی اَنّ اور آپ کا شرن چاہتی ہیں۔

سبھدرا دیوی: کیا گود بھرتے ہی مانگ اُجڑ گئی؟— یہ انھیں کا بچہ ہے؟

سونا: ہاں، ماں کہیے۔ پالنے والی کہیے۔ جیون رکشک کہیے۔ اس ابھاگے کی جو ہیں، بس یہی ہیں۔

سبھدرا دیوی: گھر، کھانا، کپڑا اور دس روپیہ مہینہ دوں گی۔ لیکن سنو۔ میرا گھر سناتنی ہندو کا گھر ہے اور یہ ودھوا ہیں۔ اس لیے جب تک میں پوجا پاٹھ نہ کرلوں، یہ میرے سامنے نہیں آسکتیں۔ کہیں سے منگنی بیاہ کی کوئی چیز آئے، تو اسے ہاتھ نہیں لگا سکتیں۔ میری سہاگن بہوؤں کے کپڑے گہنے نہیں چھو سکتیں۔ یہ شرطیں منظور ہوں تو یہ نوکر ہوگئیں— ہاں اور سنو۔ اگر میں نے کسی دن ان کو پان کھاتے، آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر بال سنوارتے یا دروازے کھڑکی سے اِدھر اُدھر تاکتے جھانکتے دیکھ لیا تو اُسی دن نوکری سے الگ کردوں گی۔ وہ بھی عزت سے نہیں، بے عزتی سے۔

روپا: ان سے ان کے پتی کی آتما، دھرم، ایشور سب خوش ہیں۔ آپ بھی سدا خوش رہیں گی۔

سبھدرا دیوی: (کرشنا سے) بٹیا، اپنی ماتا گروانی کو پرنام کرو۔

کرشنا کماری: پرنام۔

ساوتری: کلیان ہو۔

سبھدرا دیوی: (کرشنا کا ہاتھ ساوتری کے ہاتھ میں دے کر) اب یہ آج سے تمھاری بیٹی ہے۔ (سونا روپا سے) میں سیوا سمیتی کی کچھ سیوا کرنا چاہتی ہوں۔ اندر چلیے۔

(سونا، روپا، سبھدرا کا پرستھان)

کرشنا کماری: گروانی جی، تم تو ساکشات دیوی معلوم ہوتی ہو۔ کیا آکاش سے آئی ہو؟

ساوتری: ہاں۔ دُربھاگیہ کے آکاش سے۔

کرشنا کماری: دُربھاگیہ کے آکاش سے۔ دیوی جی۔ کیا اس آکاش میں بھی چاند تارے ہوتے ہیں؟

ساوتری: ہاں دُربھاگیہ کے آکاش کے چاند کا نام ہے، کلیجے کا گھاؤ۔ اور تاروں کا نام ہے آنسو۔ تمھارا کیا نام ہے بیٹی؟

کرشنا کماری: کرشنا کماری۔

ساوتری: کتنا پیارا نام! کیا پڑھتی ہو؟

کرشنا کماری: ہندی کی چوتھی پستک۔ پستک لاؤں۔ سنو گی؟ — لاتی ہوں۔

(چلی جاتی ہے)

ساوتری: اتنے بڑے سنسار میں، اتنی بڑی دھرتی پر، مجھے کہیں بیٹھنے اور کھڑے ہونے تک کی جگہ نہ ملی۔ کندھوں پر دنیا کی دھکار کا بوجھ، ماتھے پر کلنک کا ٹیکا، اور گود میں پرایا بچہ لیے ہوئے اب اس گھر میں نوکری کرنے آئی ہوں۔ آشا نہیں ہے کہ میرا پھوٹا ہوا بھاگیہ یہاں بھی مجھے سکھ سے رہنے دے۔

(رادھے کانت کا پرویش)

رادھے کانت: (چونک کر) یہ کون! ساوتری!! — تم؟

ساوتری: بیماری کی دوا ملتے ہی مرتیو بھی آپہنچی — تم یہاں کیسے آئے؟

رادھے کانت: اس گھر کی مالکن سبھدرا دیوی کی بڑی لڑکی سے میرے ایک متر کے بیاہ کی بات چیت ہو رہی ہے۔ اسی سمبندھ میں آٹھویں دسویں روز میں یہاں آیا کرتا ہوں۔ لیکن یہ تمھارا ودھوا آشرم اور سونا روپا کی سیوا سمیتی کا گھر نہیں ہے۔ پھر اس جگہ آنے کا کیا کارن؟ کون لایا؟

ساوتری: بھاگیہ کا لکھا۔ جھوٹا دوش۔ ہندو ودھواؤں پر سماج کا اتیاچار۔ میں اس گھر میں سبھدرا دیوی کی چھوٹی لڑکی کرشنا کماری کو پڑھانے پر نوکر ہوئی ہوں۔

رادھے کانت: کل مالک تھیں اور آج نوکر۔ جن ہاتھوں سے لاکھوں روپیے دوسروں کی بھلائی کے لیے دان کردیے۔ اب تنخواہ کے روپیوں کے لیے وہی ہاتھ اوروں کے آگے پھیلاؤ گی— میری رائے مان لیتیں، تو یہ دن کبھی نہ آتا— اب تمھیں خبر ہوئی کہ قسمت کی جنتری میں سکھ ہی کے مہینے اور دن نہیں ہوتے، دکھ کی بھی تاریخ ہوتی ہے۔

ساوتری: سکھ اور دکھ دنیا کے سمدر کا جوار بھاٹا ہے۔ اس سمدر کی لہریں ہمیں جدھر بہائیں گی، بہنا ہی ہوگا۔

رادھے کانت: ودھوا آشرم کے نام وِل لکھ کر اپنی جو سمپتی کھوچکی ہو، میں وہ ساری سمپتی پھر تمھیں واپس دلا سکتا ہوں۔ قانون میری جیب میں، عدالت میری مٹھی میں، وکیل بیرسٹر میری چیک بک میں ہیں۔ اب بھی مجھ سے بیاہ کرلو، میں کورٹ کی زبان سے کہلوادوں گا کہ وہ وِل نہیں، ردّی کاغذ کا ٹکڑا ہے۔

ساوتری: رادھے کانت۔ میں ایک بار کہہ چکی، اور آج پھر کہتی ہوں کہ تم مجھے اپنے وچار اور جیون کا ساتھی نہیں بنا سکتے۔ ہم دونوں الگ الگ راستے پر چل رہے ہیں۔ تمھارے راستے کا نام سوارتھ ہے اور میرے راستے کا نام پروپکار ہے۔ تمھارا منھ استری کے روپ اور دھن کی طرف ہے اور میری آنکھیں ایشور اور دھرم کی طرف ہیں۔

رادھے کانت: ساوتری۔ جو دوست بن سکتا ہے، اُسے دشمن نہ بناؤ— نہیں تو ناش ہوچکیں، اور ناش ہوجاؤ گی۔ یہ پرائی عورت کا بچہ، جسے گود میں لیے ہوئے آج اس گھر کے دروازے پر نوکری کی بھیک مانگنے آئی ہو۔ جانتی ہو، اِسے آشرم کے جلسے میں کون لایا تھا؟

ساوتری: ایک تمھارے ہی جیسا پاپی۔

رادھے کانت: تو سنو۔ وہ پاپی، یہ بچہ، اس بچے کے سمبندھ میں گڑھی ہوئی جھوٹی کہانی، یہ سب پتلیاں آشرم کے تھیٹر میں میری ہی بھیجی ہوئی اور میرے ہی اشارے پر ناچ رہی تھیں۔

ساوتری: تو کیا تمھارے ہی جھوٹ اور تمھارے ہی چھل نے میری یہ اوستھا بنائی ہے؟

رادھے کانت: ہاں۔

ساوتری: سانپوں، بچھوؤں، بھیڑیوں کے ہوتے ہوئے دنیا کو تمھاری کیا ضرورت تھی؟ تم دھرتی کا دُکھ بڑھانے کے لیے، دھرتی پر کیوں پیدا ہوئے؟ دِھکار ہے تمھارے جنم پر۔

رادھے کانت: جب تک تو میری نہ بنے گی، تجھے کسی گھر کی چھت کے نیچے بیٹھ کر چین سے سانس نہ لینے دوں گا۔ ساوتری۔ کیسے وشواس دلاؤں کہ میں تمھیں چاہتا ہوں— رمنی— سندری......

ساوتری: خبردار۔ میں یہ شبد سننا نہیں چاہتی۔ دھیان رکھو، میں ایک ہندو ودھوا ہوں۔

رادھے کانت: رمنی اور سندری کے شبد استری کے لیے امرت ہیں اور ودھواؤں کے کان اس امرت کے پیاسے ہوتے ہیں— اوہ!— تم کتنی سندر ہو!!

(زبردستی پیار لینا چاہتا ہے)

ساوتری: کتے، دور رہ۔ میں ویشیا نہیں ہوں، ہندو ابلا ہوں۔ اور ستی ہوں۔

(سونا، روپا کا پرویش)

دونوں: یہ کیا!—

(چھڑاتے ہیں)

رادھے کانت: تم یہاں بھی موجود ہو؟

سونا: کیا ایشور نے یہ آنکھیں تجھے پرایا دھن اور پرائی استری ہی تاکنے کے لیے دی ہیں؟

رادھے کانت: تم اس کی کیوں رکشا کرتے ہو؟

روپا: اس لیے کہ یہ ہندو ستی ہے اور ستی کے ستیہ کی رکشا کرنا ہر ہندو کا دھرم ہے۔

رادھے کانت: لیکن تم اس کے کوئی سمبندھی یا بھائی نہیں ہو؟

سونا: جو تیرے جیسا کمینہ نہیں ہے، وہ گرہست گھر کی ہر استری کو اپنی بہن سمجھتا ہے۔

رادھے کانت: تو پاگل ہے۔

سونا: لیکن تو کمینہ ہے۔

رادھے کانت: پاجی۔

(سونا روپا پر حملہ کرتا۔ دونوں اُسے زمین پر گرا کر چھاتی پر چڑھ بیٹھتے ہیں)

—ٹیبلہ—

انک دوسرا— درشیہ چھٹا

(کومک)

آفس

(کلرک اپنی اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں)

کلرک 1: مسٹر کھٹکھٹے راؤ۔ یہ تو بتاؤ کہ بنا ڈگری، ریکمنڈیشن، ایکسپرینس کے ہماری اس نئی لیڈی افسر کو ہیڈ کلرک کی پوسٹ کیسے مل گئی؟

کلرک 2: عورت جوان اور خوبصورت ہو۔ تو اُسے نوکری ملنا کیا مشکل ہے۔ رسیلی آنکھوں اور گورے رنگ کے لیے کسی ڈگری اور کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔

کلرک 3: (کرسی سے اُٹھ کر) اُف، اُف— یارو مجھے آٹھ دن سے محبت کا بخار آرہا ہے۔ اس لیڈی، ہیڈ کلرک سے سفارش کرو کہ مجھے اپنے گالوں کے چمبن کی کونین کھلائے۔

کلرک 4: (غصے میں کھڑے ہوکر) خبردار— اپنا عشق واپس لو— پہلا عاشق میں ہوں۔

کلرک: (کھڑے ہوکر) میں کی ایسی تیسی۔ اُس کے عاشق ہم ہیں۔

کلرک 3: بکو مت— تمھاری عمر پینتالیس برس کی ہے اور پینتالیس برس والے کو جوان عورت پر عاشق ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔

کلرک 5: پینتالیس کی عمر ہوئی تو میں عشق نہ کروں؟

کلرک 3: نہیں۔

کلرک 5: ابے مجھے پرانی پریکٹس ہے۔ میں تو بچپن میں اپنی آیا پر عاشق ہوگیا تھا۔

کلرک 2: (کندھا دبا کے) سٹ ڈاؤن۔

کلرک 5: (گلا دبا کے) شٹ اَپ۔

(دونوں لڑتے ہیں)

کلرک 6: او بابا! ای کی گول مال!!— اوشی از کمنگ— اوہے شے آشچھے— بوشو۔ بوشو۔

(سب گھبرا کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ کے کام کرنے لگتے ہیں۔ ایک ہاتھ میں چھتری، دوسرے میں ہینڈ بیگ لیے ہوئے انگلش ڈریس میں سرلا آکر کرسی پر بیٹھتی ہے۔ اُس کی آنکھ بچا کر کوئی ٹھنڈی سانس لیتا، کوئی دل دباتا، کوئی دور سے چمبن لیتا۔ ہر ایک کلرک، ہاتھ، آنکھ، اشارے سے اپنی محبت ظاہر کرتا ہے۔ سرلا میز پر رکھے ہوئے کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھتی، کچھ لکھتی، پھر گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلاتی ہے)

سرلا: (چپراسی کو تین کاغذ دے کر) مسٹر کھٹکھٹے راؤ— مسٹر بنرجی— مسٹر کپور چند۔ گیو اِٹ۔ (چپراسی سب کو کاغذ دے کر واپس آتا ہے) بڑا صاحب آگیا؟ (چپراسی سر کے اشارے سے ہاں کرتا ہے) صاحب کو یہ کاغذ دو۔ (کاغذ لے کر چپراسی جاتا ہے) مسٹر ڈیسوزا ہمیشہ مجھ سے ہنس کر بات کرتے ہیں۔ ویری جولی اینڈ کائنڈ آفیسر۔

(بنرجی ایک کاغذ لاکر میز پر رکھتا اور جب تک سرلا کاغذ پڑھتی، اُس کی کرسی کے پیچھے کھڑا ہوکر ٹھنڈی سانسیں بھرتا اور بلائیں لیتا ہے)

کلرک 6 : (دل میں) کی سندر! جیمن چیرر اوپر ڈرگیش نندنی بوشے آچے۔!!

سرلا: (پنسل سے کاغذ پر نشان کرکے) ون، ٹو، تھری، فور۔ دس لائن میں چار مسٹیک۔ کیا تم آنکھ کے بدلے ناک سے دیکھ کر کام کرتا ہے؟ (کاغذ پھینک کر) ٹھیک کرو۔

کلرک 3: پڑی جھاڑو۔ ایک ہی ڈانٹ میں موشائے کی دھوتی ڈھیلی ہوگئی۔

کلرک4: ذرا صورت تو دیکھو۔ جیسے کالی کے مندر سے پجاریوں نے جوتا مار کر نکال دیا ہو۔

(ہاتھ میں ٹفن باسکٹ لیے ہوئے شوبھا رام کا پرویش)

شوبھا رام: (سرلا کی طرف اشارہ کرکے) یہ ہے انیس سوتیس (1930) کے ہندستان کا نمونہ۔ ولایتی فریم اور دیسی تصویر— پھوٹ گئی مردوں کی تقدیر۔

کلرک 3: یہ کون؟

کلرک 4: میڈم کا خانساماں معلوم ہوتا ہے۔

شوبھا رام: (سرلا سے) سلام میم صاحب۔

سرلا: او گڈنس— یہ آفس ہے یا باورچی خانہ۔ تم ٹفن باسکٹ لے کر یہاں کیوں آئے ہو؟

شوبھا رام: میں اِس طرف سے جارہا تھا۔ دیکھا کہ موٹر کی ٹکر کھا کر نوکر اور ٹفن باسکٹ دونوں آفس کے دروازے پر پڑے ہوئے ہیں— وچار کیا کہ تم بھوکی رہو گی— اس لیے نوکر کو گاڑی میں لاد کر گھر بھیجا اور خود بوائے کی ڈیوٹی کرنے یہاں آگیا— ٹفن باسکٹ ٹیبل پر رکھ کے) یہ لو۔ دیکھو میں کتنا دیالو ہوں۔

سرلا: (باسکٹ کی طرف اشارہ کرکے) یہ کیا رکھ دیا؟

شوبھا رام: ولایتی ٹیبل پر دیسی مہربانی۔

سرلا: او گاڈ— ہندستانی عورتیں ایٹی کیٹ سیکھ گئیں، ہندستانی مرد کب سیکھیں گے؟— وہ رہا روم— جاؤ، وہاں رکھو— گو اوے—

سب کلرک: (چلا کر) گو اوے— گو اوے۔

شوبھا رام: یہ لیجیے۔ اس گوری کویل کے ساتھ یہ کالے کوّے بھی کائیں کائیں کرنے لگے۔

سرلا: ابھی تک کھڑے ہو— (پاؤں پٹک کر) کیا تم نے میرا آرڈر نہیں سنا؟

سب: (پھر چلا کر) لسن، ہر لیڈی شپ آرڈر۔

شوبھا رام: سن لیا بادا سن لیا۔ لیکن بھائیو، یہ تو کہو، تم سب یہاں کیسے آ گئے؟ میں نے تو تمھیں علی پور کے چڑیا گھر میں دیکھا تھا۔

(ٹفن باسکٹ اُٹھا کر اندر جاتا ہے۔ چپراسی واپس آتا اور سرلا کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس لیتا ہے)

چپراسی: بڑا صاحب کہا— ایک گھنٹے کا کام ہے۔ میم صاحب کو سلام بولو۔

سرلا: صاحب بلاتا ہے؟ آل رائٹ۔ (کھڑی ہوکر) وِل مسٹر بنرجی، میں ایک گھنٹے میں واپس آؤں گی۔ تمھارا ورک ریڈی رہنا چاہیے۔

(سرلا چپراسی کے ساتھ جاتی ہے— اس کے جاتے ہی سارے کلرک پاگلوں کی طرح اپنی اپنی جگہوں سے کود پڑتے ہیں۔ کوئی قلم آنکھوں پر رکھتا۔ کوئی کاغذ کو چھاتی پر ملتا۔ کوئی ٹیبل کو چومتا۔ کوئی کرسی کو گلے لگاتا ہے)

کلرک 3: (کرسی سے لپٹ کر) ایک گھنٹے کا ٹائم ہے۔ وہ تو نہیں مل سکتی— اُس کی کرسی ہی کو جی بھر کے گلے لگا لوں۔

کلرک 4: (کاغذ چھاتی سے لگا کر) جیسے کسی نے محبت کے گھاؤ پر سفید مرہم لگا دیا۔

(شوبھا رام واپس آتا ہے)

شوبھا رام: یہ کیا۔ ان سبھوں کو کون سی بیماری ہوگئی؟

کلرک 3: یارو سنو۔ میں محبت کا گانا گاتا ہوں۔ اور یہی گانا گاتے گاتے مرجاؤں گا۔

مرتے ہیں جس کے عشق میں اُس کو خبر نہیں
کیا آہ بے اثر ہے کہ کچھ بھی اثر نہیں

شوبھا رام: واہ کیا گانا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اتوار کے دن گرجا گھر کے دروازے پر کوئی اندھا کرستان بھیک مانگ رہا ہے۔

کلرک 6: او مائی انڈین کلیوپٹرا۔ او مائی دیسی جولیٹ۔ آئی لو یو۔ آمی تو مائے بھالو باشی۔ جو دی تومی نچر ہُو کے استھان ناداو۔ تاہوئے آمر پران پانکھی دیہو پنجر بھینگے اُوڑے جابے۔

بنگالہ آمار دیش آچے— بنرجی آمار نام
تومی آمار سبز پری— آمی تو مار گلفام

شوبھا رام: ارے واہ رے میرے کلکتیا گلفام— (پیٹھ ٹھونک کر) شاباش میرے دوست، تو نے مجنوں، فرہاد کے پیجامے کے سامنے بنگالی دھوتی کی لاج رکھ لی۔ میں نے آج جانا کہ مچھلی بھات میں بھی اتنا زور ہوتا ہے۔

کلرک: یار، عورت کا ہے کو، آغا حشر کا لکھا ہوا ناٹک ہے۔ سو مرتبہ دیکھو، پھر بھی جی نہیں بھرتا۔

کلرک 1: ضرور—ضرور۔ ہائے ہائے۔ لیڈی ہیڈ کلرک ہے یا 'آنکھ کا نشہ' اور 'ترکی حور'۔

شوبھا رام: ستیاناس۔ یہ پاگلوں کی بارات تو میری دلھن پر عاشق ہوئی ہے۔ میں تو پہلے ہی سمجھا تھا کہ جورو جی نوکری پر پتی جی کی ناک اونچی کرنے جارہی ہے۔

سب: (گاتے ہیں)

میرا دل تو دیوانہ جان تیرے لیے
دال روٹی بھی چھوڑی
دھوتی لنگوٹی بھی چھوڑی
ہم نے چھوڑا زمانہ جان تیرے لیے

شوبھا رام: (دو کا گلا پکڑ کے) پاجی کے بچو۔ تم اس آفس میں نوکری کرنے آئے ہو، یا محبت کے ناٹک کا کورس گانے؟ تم نہیں جانتے کہ وہ بیاہی ہوئی عورت ہے!!

کلرک 2: وہ بیاہی ہوئی ہے تو ہمارا پریم کب کنوارا ہے۔ دونوں سیکنڈ ہینڈ ہیں۔

شوبھا رام: ارے بٹیا۔ اُس کے پتی کو خبر ہوگئی تو اتنے جوتے مارے گا کہ تم بھی گنجے ہوجاؤ گے اور تمھاری اولاد بھی گنجی پیدا ہوگی۔

کلرک 3: جوتا وہ مارتا ہے جسے غصہ آئے۔ اور غصہ اُسے آتا ہے جو شرم دار ہو۔ اُس

کے پتی کو شرم ہوتی تو جورو کی کمائی کھانے کے لیے اپنی عورت کو نوکری کے لیے مردوں میں بھیجتا ہی کیوں؟— ہاں یارو، گانا گاؤ— (گانا) میرا دل تو دیوانہ جان تیرے لیے……

شوبھا رام: تجھ پر پانچ جوتا— اور تیرے دل پر دس جوتا۔

(مارنے جاتا ہے)

کلرک 6: توئی کے رے؟

شوبھا رام: تیرا باپ۔

کلرک 6: اورے شالا بٹیا— جودی اے رکم بول بے……

شوبھا رام: تو کیا کرے گا؟

کلرک 6: دور واجا بوند کری کے۔ بیں کوڑی گالا گالی دے گا۔

کلرک 4: یارو۔ سمجھ گیا۔ یہ بھی اُس لیڈی کا عاشق معلوم ہوتا ہے— اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دو۔

شوبھا رام: اچھا تو آجاؤ۔ وہ عورت ہی کیا جس کی خوبصورتی کے لیے دو چار خون نہ ہوجائے۔

(سب شوبھا کو لپٹ پڑتے ہیں۔ سرلا کا پرویش)

سرلا: یہ کیا!— آفس میں، روس جاپان کی لڑائی کیوں ہورہی ہے؟— (آگے بڑھ کر) واٹ از دس!— واٹ اِز دی میٹر؟

(سرلا شوبھا کو چھڑاتی ہے۔ سب سرلا کو گھیر لیتے ہیں۔ کوئی اُس کا پاؤں چھوتا، کوئی ہاتھ سہلاتا، کوئی ڈریس چومتا ہے)

—ٹیبلو—

انک دوسرا — درشیہ ساتواں

شاما نائیکہ کے گھر کا ایک سجا ہوا کمرا

(قیمتی پوشاک اور زیور پہنے، بال کھولے، ہاتھ میں ایک
آئینہ لیے پھول کماری کھڑی ہے)

پھول کماری: یہ قیمتی گہنے، یہ ریشمی پوشاک، یہ داغدار روپ۔ ہاہاہاہا۔ مانو سونے کی ندی میں ریشم کی لہروں پر گرہن لگے ہوئے چاند کا سایہ ناچ رہا ہے— شاما کہتی ہے کہ تم اب پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتی ہو۔ دیکھوں (آئینہ دیکھتی اور چونک اُٹھتی ہے) یہ کون! کیا یہ پھول کماری کا چہرا ہے؟ نہیں پھول کماری کے چہرے پر ستیہ کی چمک تھی۔ آنکھوں میں دھرم کا تیج تھا۔ گالوں پر لاج کی لالی تھی لیکن اس صورت پر گِھرنا اور دھتکار برس رہی ہے۔ بتا۔ بتا۔ دغاباز۔ شیشے بتا۔ تونے میرا اصلی چہرا میرا پہلا روپ کہاں چھپا دیا؟ تو بھی پُرشوں کی طرح ڈاکو اور دھوکے باز ہے۔ دور ہو— (آئینہ پھینک دیتی ہے) ایک نے بیہوشی کی دوا سنگھا کر میرے دھرم مندر میں سیندھ لگائی اور دوسرے نے شربت کے نام سے شراب پلا کر میرے ستیہ کے سورگ پر ڈاکا ڈالا۔ ہاہاہاہا۔ میں بھی کیسی۔ بیوقوف ہوں۔ ابھی تک فیصلہ نہ کرسکی کہ مہاشے رادھے کانت اور شریمان بہاری بابو، ان دونوں کتوں میں کون زیادہ دھرماتما ہے۔

(شاما نائیکہ کا پرویش)

شاما: رنڈی کا نام سن کے کانپ اٹھتی تھی، لیکن میں بھی اپنے نام کی شاما بائی ہوں۔ بل اور چھل سے رنڈی بنا ہی کے چھوڑا۔ دو ہی مہینے کے اندر اس کے روپ کی خوبصورت آندھی نے شہر بھر کی رنڈیوں کے چراغ ٹھنڈے کردیے۔ (پھول سے) سنا تم نے......

پھول کماری: (زور سے) کیا ہے؟

شاما: دو نوجوان آدمی آئے ہیں۔

پھول کماری: میں آج کسی سے بات کرنا نہیں چاہتی۔ انھیں دھکے مار کر دروازے سے باہر نکال دو۔

شاما: وہ تمھارا درشن کرنا چاہتے ہیں۔

پھول کماری: کیا وہ اندھے ہیں؟

شاما: نہیں تو۔

پھول کماری: ضرور ہیں۔ آنکھیں ہوتیں تو کسی دیوی کا درشن کرنے جاتے۔ اندھے ہیں۔ اسی لیے ویشیا کا درشن کرنے آئے ہیں۔

شاما: اس گھر میں آنکھ والوں کی نہیں، اندھوں ہی کی ضرورت ہے۔ بھیج دوں؟

پھول کماری: نہیں۔

شاما: وچتر استری ہے۔ کبھی پانی اور کبھی آگ۔

(جاتی ہے)

پھول کماری: کہاں تھی اور اب کہاں ہوں۔ کیا تھی اور اب کیا ہوگئی— اوہ، یہ سوچ کر بازار کی مٹھائی سے مندر کا پرشاد نہیں بن سکتی۔ تو پھر کیوں سوچ رہی ہوں؟— نہیں۔ آج سے نہیں سوچوں گی۔ ہردے، پاپ کی تال پر ناچ اُٹھ۔ آنسوؤ، ہنسی بن جاؤ۔ پھول جب ویشیا بنی ہے تو پوری طرح ویشیا بن۔ نردئی سماج

نے تیرا ناش کیا ہے۔ تو روپ سے بجلی، آنکھوں سے دھوکا، ہونٹوں سے جھوٹ برسا کر تو سماج کا ناش کر دے۔

(بہاری لال کا پرویش)

بہاری لال: کالی آنکھیں، رسیلی نظریں، اوہ، جب دیکھتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل پر بادل کے کمان سے بجلی کے تیر چل رہے ہیں۔ پر یہ پھول کماری......

پھول کماری: خبردار۔ جس نام سے گرہست گھر میں پکاری جاتی تھی، اُس پوتر نام کو اپنے ہونٹوں سے گندا نہ کرو۔ مجھے یاد نہ دلاؤ کہ میں کون تھی۔ میں اپنے کُل کو، اپنے نام کو اور اپنے آپ کو بھول جانا چاہتی ہوں۔

بہاری لال: لیکن سندری، جس کا چہرا گلاب کا پھول ہے، اُسے پھول کماری ہی کے نام سے پکارنا چاہیے......

پھول کماری: پھول کماری! کون پھول کماری!! کہاں ہے پھول کماری!!! بھدر کُل کی لڑکی، ہندو گھر کی لکشمی، غریب ہر پرشاد کی بہن پھول کماری۔ ٹھوکروں اور ہنٹروں کی مار سے مرگئی۔ تو نے اور شاما نے اُسے شربت میں شراب پلا کر مار ڈالا۔ تو خونی ہے۔ تجھے اس جگہ کے بدلے جیل کی کوٹھری اور پھانسی کے تختے پر ہونا چاہیے تھا۔ عدالت اور سماج نے پھانسی نہیں دی تو میں تجھے پھانسی دوں گی۔ میری لاج مرگئی۔ پوترتا مرگئی۔ گھاتک تو بھی مر۔

(بہاری کا گلا دباتی ہے)

بہاری لال: یہ کیا! —

پھول کماری: (گلا چھوڑ کر) نہیں نہیں۔ میری بھول ہے۔ مجھے تمھارا اُپکار ماننا چاہیے۔ تم نے مارا ہے، تو نیا جنم بھی دیا ہے۔ پہلے پھول کماری کے نام سے پنیہ کی دنیا میں پیدا ہوئی تھی — اور اب پھول بائی کے نام سے پاپ کی دنیا میں پیدا ہوئی ہوں۔ جنم بھی نیا — نام بھی نیا۔ دنیا بھی نئی — جیون کے کرم اور

کرتو یہ بھی نئے۔

بہاری لال: کبھی بگڑنا، کبھی رونا، کبھی ہنسنا۔ سندری، کیا تم ابھی تک اس گھر کے سکھوں سے گھبرانا کرتی ہو؟

پھول کماری: میں آگ میں گر چکی۔ زہر کا پیالہ پی چکی، کنارے سے بہہ کر منجدھار میں پھنس چکی۔ اب میری ہائے ہائے اور گھبرانا سے کیا ہوسکتا ہے؟ نشچے اس سورگ روپی نرک میں سب طرف سکھ ہی سکھ ہے۔ لیکن یہ سکھ آتش بازی کے انار کی روشنی، موم کے موتی، کاغذ کے پھول ہیں۔ ان میں سوندریہ ہے، مہانتا نہیں ہے۔ چمک ہے، تیج نہیں ہے۔ جلن ہے، شانتی نہیں ہے۔ (بہاری کے پیروں میں بیٹھ کر) لے لو۔ لے لو۔ اپنے کپڑے۔ اپنے گہنے۔ اپنے دیے ہوئے سکھ واپس لے لو اور میری چھینی ہوئی لاج اور میرے پچھلے دُکھ مجھے دے دو۔

بہاری لال: رمنی، تمھاری اوستھا اُس ندی کے سمان ہے، جس کی لہروں سے بسنت کی ہوا اور کناروں پر کھلے ہوئے پھولوں کی خوشبو کھیل رہی ہے۔ اب اس سکھ کی شانتی میں دکھ کے طوفان کی کامنا نہ کرو۔ یہاں کس چیز کی کمی ہے؟ اور کیا چاہتی ہو؟

پھول کماری: سنو گے کیا چاہتی ہوں— چاہتی ہوں کہ پھر کسی طرح دیوی بن جاؤں۔ چاہتی ہوں کہ پھر ستی کے نام سے پکاری جاؤں۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا، تو پھر یہ چاہتی ہوں کہ دنیا میں آگ لگ جائے اور اس گھر کو، اس گھر میں آنے والوں کو، اس روپ اور جوانی کو، اُسی آگ میں جھونک دوں۔

بہاری لال: جس دن سے یہ دھرتی پیدا ہوئی ہے، اُسی دن سے دھرتی پر پاپ پنیہ کا کھیل ہورہا ہے۔ تمھارے غصہ کرنے سے یہ کھیل بند نہیں ہوجائے گا۔ اس لیے پچھلی باتوں کو جاگتے میں دیکھا ہوا سوپن سمجھ کر بھول جاؤ۔ روپ لٹاؤ— روپیہ لوٹو— دھن لو اور پریم دو۔

پھول کماری: دھرم لینے کے بعد اب پریم مانگتے ہو! پریم اور اِس بازار میں!! پریم اور اس

گھر میں!!! کیچڑ میں موتی، ریت میں کمل پیدا نہیں ہوتے— پریم گرہست گھر کی استریوں کے پاس، ستیوں کے پاس، ماں، بہن، بیٹی کے پاس ہوتا ہے، ویشیا کے پاس نہیں ہوتا۔

بہاری لال: پتھر میں بھی چنگاری ہوتی ہے— پھر ویشیا کے ہردے میں پریم کیوں نہیں ہے؟

پھول کماری: اس لیے کہ پریم سورگ کا پھول ہے اور یہ پھول پاپ کی گندی گرم ہوا میں آتے ہی مرجھا جاتا ہے۔ ویشیاؤں کے پاس لوبھ، سوارتھ، بناوٹ، دھوکا، جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ان کا پریم قصائی کی چمکار۔ ان کی ہنسی، ٹھنڈی آگ— ان کی باتیں، میٹھا زہر— اور ان کا روپ، کتوں کی جوٹھی کی ہوئی مٹھائی ہے۔

بہاری لال: نوٹوں کے بنڈل، تمھارے بکس میں۔ ریشم اور سونا، تمھارے بدن پر۔ مخمل کے غالیچے، تمھاری ٹھوکروں میں۔ میں نے اس گھر پر دولت کا بادل نچوڑ دیا۔ پھر بھی تم پریم کرنا نہیں چاہتیں۔

پھول کماری: تمھارے پاس روپ نہیں، گن نہیں، دھرم نہیں، دیا نہیں، پھر کس چیز کو پیار کروں؟ کیول دھن ہے۔ دھن کو ہر ویشیا پریم کرتی ہے۔ میں بھی پریم کر رہی ہوں۔

بہاری لال: اچھا، یہی سہی۔ تم دولت چاہتی ہو، میں پریم چاہتا ہوں۔ (پیروں میں بیٹھ کر) مانگو، سندری مانگو۔ روپ کی قیمت دے چکا، پریم کی بھی منھ مانگی قیمت دینے کو تیار ہوں۔

پھول کماری: سنہرے سانپ۔ سب سے آخر میں تو نے ہی مجھے ڈسا ہے۔ میں کبھی تجھے شما نہیں کرسکتی۔ جب مجھے اس گھر میں اپنے کو بیچنا ہی ہے، تو ضرور قیمت وصول کروں گی، اور پوری قیمت۔ لیکن پریم سے نہیں دھتکار سے۔ ہاتھ پھیلا کر نہیں، لات مار کر۔

(بہاری کو لات مارتی ہے)

بہاری لال: یہ کیا!— ناری، تیرا اتنا ساہس!!

پھول کماری: غصہ کیوں آگیا!— گھر کی بیوی نے لات نہیں ماری، رنڈی نے لات ماری ہے۔ کامی کتو، تم لات کھانے ہی کے لیے رنڈی کے گھر آتے ہو۔ یہاں آنا ہے تو خوشامد کرکے گالیاں سننا اور روپیہ دے کر لات کھانا ہی ہوگا— ویشیا کا پریم انھیں داموں پر بکتا ہے۔

بہاری لال: جب تک کسی کی بنوگی نہیں۔ اُسے اپنا بنا بھی نہیں سکتیں۔ روپئے اور اشرفیوں سے کھیلنا چاہتی ہو، تو یہ وچار بدل دو۔

(غصے میں چلا جاتا ہے)

پھول کماری: سانپ سے زہر الگ نہیں ہوسکتا۔ اب نہ میں بدل سکتی ہوں، نہ یہ وچار بدل سکتے ہیں۔ (بھونچال کو آتا دیکھ کر) یہ کون؟ یہ تو وہی جس نے میرے جیون کے چمکتے ہوئے دنوں کو اندھیری راتیں بنا دیا— اِدھر ہی آرہا ہے۔ پرتی ہنسا کے راکشس، مجھے اپنا بل دے کہ میں اس نیچ کو اس کے اتیاچار کا دنڈ دے سکوں۔

(بھونچال کا پرویش)

بھونچال: کیوں۔ اُس دن تم سمجھی تھیں کہ تمھیں ویشیا کے گھر میں لاکر، میں نے پوجا کے پھول کو گندی موری میں پھینک دیا۔ لیکن دیکھو۔ وہی تم، جو شیشے کے ٹکڑے کی طرح بے قیمت تھیں، اب سکھ کے مکٹ میں ہیرا بن کر چمک رہی ہو۔

پھول کماری: نیچ، تم نے مجھے ویشیا بنا کر بہت بڑا اُپکار کیا۔ اب اور کون سا نیا اُپکار کرنے آئے ہو؟

بھونچال: (کرسی پر بیٹھ کر) میں پیاسا بادل۔ اور تمھارا گھر چاندی سونے کا سمندر ہے۔ اُپکار کرنے نہیں اُپکار کا انعام مانگنے آیا ہوں۔

پھول کماری: انعام چاہیے۔ کیا انعام چاہیے؟

بھونچال: یہ اپنی ہمت اور دینے والے کے ہاتھوں سے پوچھو۔

پھول کماری: تو ٹھہرو۔ میں اتنا انعام دوں گی کہ تم گن بھی نہ سکو۔

(اندر جاتی ہے)

بھونچال: روپے ہوں، نوٹ ہوں، اشرفیاں ہوں۔ انعام جس روپ میں ملے، انعام ہی ہے۔ (پھول ہنٹر اور رسی لیے ہوئی آتی اور پیچھے سے بھونچال کو کرسی کے ساتھ رسی سے باندھ دیتی ہے) یہ کیا! یہ کیا!!

پھول کماری: یہ تیرے اُپکار کا پہلا انعام۔ (ہنٹر دکھا کر) اور یہ دیکھ، دوسرا انعام۔

بھونچال: ہنٹر۔

پھول کماری: ہاں۔ اسے دیکھ، اسے پہچان۔ یہ وہی ہنٹر ہے، جو میری آنکھوں کے آنسو اور پیٹھ کے لہو میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ وہی ہنٹر، یہ وہی پاپ کی چھری ہے، جس سے تو نے میرے لاج اور دھرم کی ہتیا کی ہے۔ دیوی کو ویشیا بنانے کا انعام چاہتا ہے۔ تو لے انعام— گن......

(لگاتار ہنٹر مارتی ہے۔ بھونچال کرسی سمیت گر پڑتا ہے۔ اس کے گرنے کے بعد شاما کا پرویش)

شاما: ارے یہ کیا ہو رہا ہے؟ پھول!— پھول—!!

پھول کماری: اس کے انعام میں تو بھی اپنا حصہ مانگنے آئی ہے— اچھا تو بھی لے—

(شاما کو بھی مارتی ہے اور پھر غصہ میں ایک ساتھ دونوں پر ہنٹر برساتی ہے)

—ٹیبلہ—

انک دوسرا — درشیہ آٹھواں

سبھدرا دیوی کا گھر

(سبھدرا دیوی اور رادھے کانت کا پرویش)

رادھے کانت: ہاں۔ وہ بادل میں چھپی ہوئی بجلی۔ پنیہ کے بھیس میں پاپ۔ دن کی سفید چادر اوڑھے ہوئے کالی رات ہے۔

سبھدرا دیوی: تو دھرم کا پریم، دیویوں کا سوبھاؤ، ستیوں کا آچرن، یہ سب بناوٹ اور دکھاوا ہے۔

رادھے کانت: نشچے۔

سبھدرا دیوی: سونے کے صندوق میں کوڑیاں — چہرے پر اتنی چمک اور آتما میں اتنی کھوٹ۔ تمھاری رائے ٹھیک ہے۔ ناگن ڈسے یا نہ ڈسے۔ لیکن اُس سے ڈرنا اور دور ہی رہنا چاہیے۔ یہ کلنکنی اب گھر میں کیا کسی گرہست گھر میں رہنے کے لائق نہیں ہے۔

رادھے کانت: یہ دیا بھی چارنی کسی گھر میں رہنے کے یوگیہ ہوتی تو ودھوا آشرم سے کیوں نکال دی جاتی۔

سبھدرا دیوی: ساوتری پراچین بھارت کی ایک پتی پرائنا ستی کا نام تھا۔ جب ستی نہیں ہے تو اس نے ستی کا نام کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ اپنے جیتے جاگتے پاپ کو گود میں لے کر اس بہو بیٹیوں سے بھرے گھر میں اُسے آنے کی ہمت کیسے ہوئی۔

رادھے کانت: یہ بھی سنو گی کہ اُس کے گود کے بچے کا باپ کون ہے؟— سن کر چونک پڑو گی۔ کانپ اُٹھو گی اور آج کل کے دیش سیوکوں سے گھِرنا کرنے لگو گی۔ اس بچے کی ماتا ہیں ودھوا ساوتری اور پتا ہیں۔ سیوا سمیتی کے کرم چاری دھرماتما سونا۔

سبدھرا دیوی: سونا!— کیا کہہ رہے ہو!!— ساوتری تو اُسے اپنا بھائی کہتی ہے!!!

رادھے کانت: جب وہ دنیا کو یہ نشچے کرانا چاہتی ہے کہ میں نِش کلنک اور ستی ہوں تو پھر اُسے بھائی نہ کہے گی تو کیا پتی کہے گی؟

سبھدرا دیوی: ایسے دُشٹوں اور ایسی دراچارنیوں کو منہ جھلس کر، لاتیں مار کر شہر سے باہر نکال دینا چاہیے۔ بس اب اس گھر میں نہ وہ آسکتا ہے، نہ یہ رہ سکتی ہے— میرے وشواس کو کسی نے آج تک ایسا دھوکا نہیں دیا (جاتے جاتے) کلٹا— پاپنی— ٹھگنی۔

(غصے میں بکتی ہوئی اندر جاتی ہے)

رادھے کانت: سونا بھی اور ساوتری بھی— ایک ہی گولی سے دونوں نشانے اُڑ گئے— ساوتری۔ میں نے تجھے ودھوا آشرم سے نکلوایا— اس گھر سے نکلوا رہا ہوں اور جہاں جائے گی، وہاں سے بھی نکلواؤں گا۔ دیکھوں۔ تو کتنا دکھ سہہ سکتی اور کہاں تک میری بننے سے انکار کرسکتی ہے؟ چوٹ کھایا ہوا سانپ، گھائل شیر، چھاتی پر بیٹھا ہوا خونی بھیڑیا، معاف کردے۔ لیکن رادھے کانت اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا۔

(سبھدرا سر کے بال پکڑے ہوئے ساوتری کو کھینچتی ہوئی لاتی ہے)

سبھدرا دیوی: نکل میرے گھر سے، ابھی نکل۔ یہ لمبے لمبے بال تیرے لیے پھانسی کی رسیاں نہ بن گئے!— اس گورے گورے رنگ میں آگ نہ لگ گئی!! جس بھارت میں استری جاتی کا مان بڑھانے والی سیتا، دروپدی، رُکمنی جیسی دیویاں پیدا

ہوئیں، اُس بھارت میں جنم لیتے ہوئے تجھے شرم نہ آئی۔

ساوتری: میرے جیون کی دُکھ بھری کہانی میں ایک بھی ایسا شبد نہیں، جسے سن کر بھارت کو شرم سے سر جھکانا پڑے۔ کنواری لڑکی، دواہت استری، ابھاگنی ودھوا، جس اوستھا میں بھی رہی، ناری کرتویہ کو نہیں بھولی۔ سمے کے ساتھ خود بھی نہیں بدلی۔ دکھوں کی ٹھوکریں کھاکر پاپ کے پیروں پر نہیں گری۔ دیا کرکے بتاؤ، کس اَپرادھ کے لیے مجھے یہ سزا دی جارہی ہے؟

سبھدرا دیوی: تونے دھرم کے راستے میں بچھو کے ڈنک اور انگارے بوئے ہیں۔ مرے ہوئے ماں باپ کی چھاتی میں چھری بھونکی ہے۔ چتا میں جل گئے ہوئے پتی کی راکھ پر بجلی گرائی ہے— یہی تیرا اَپرادھ ہے اور اسی اَپرادھ میں تو ودھوا آشرم سے بھی نکالی گئی ہے۔

ساوتری: آشرم میں مجھ پر جھوٹا دوش لگایا گیا ہے۔ سماج پرشوں کا طرفدار ہے۔ اس کی عدالت میں دکھیا ودھواؤں اور ابھاگنی استریوں کے ساتھ نیائے نہیں ہوتا۔

رادھے کانت: کیسی انجان بنتی ہے۔ چہرے پر گھبراہٹ، کپڑے پر لہو، ہاتھ میں چھری ہونے پر بھی خونی کہتا ہے کہ میں نے خون نہیں کیا۔ چوری کے مال کے ساتھ گرفتار ہونے پر بھی چور کہتا ہے کہ چوری نہیں کی۔

ساوتری: (رادھے سے) معلوم ہوتا ہے کہ دیوی کے کانوں میں بھی تمھارے ہی ہونٹوں نے زہر ٹپکایا ہے۔ نشچے مجھ پر آشرم میں دوش لگایا گیا۔ لیکن اسی طرح شری رام کی دھرم پتنی سیتا جی پر بھی دوش لگایا گیا تھا۔ کیا دوش لگانے والے، دوش ثابت کرسکے؟ کیا چندرما کو کالا کہنے سے وہ کالا ہوجاتا ہے؟ کیا گنگا میں کیچڑ گھولنے سے گنگا اَپوتر ہوجاتی ہے؟ دھرم اور پنیہ کی باتوں کے سوا کس نے میرے منھ سے گندی بات سنی؟ کس نے مجھے جوانی کی اندھیری گلیوں میں بھٹکتے دیکھا؟ کس نے میرے ہردے مندر میں پتی کی پرتما کی جگہ پر پُرش کی مورتی پائی؟— بتاؤ۔ بتاؤ۔ میرے اَپرادھی ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

رادھے کانت: جہاں آگ ہے، وہیں جلن بھی ہے۔ ثبوت تیری گود میں ہے۔

ساوتری: تم میرے سامنے اس گھر میں اپنا چھل اور پاپ سویکار کر چکے ہو۔ دنیا نے نہیں سنا لیکن ایشور اور دیوتا سن رہے تھے۔ وہ اب بھی سن رہے ہیں۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہ میرا بچہ ہے؟

رادھے کانت: تو کیا مجھے اس کے لیے بچے کے باپ سے گواہی دلانی ہوگی؟

ساوتری: وہ کون؟

رادھے کانت: وہی جیسے آڑ میں پریتم اور دنیا کے سامنے دھرم بھائی کہتی ہو۔

ساوتری: ارتھات؟

رادھے کانت: سیوا سمیتی کے سیوک مہاشے سونا۔

ساوتری: ڈرو۔ رادھے کانت، ایشور سے ڈرو۔ کہیں تمھارے یہ بھرشٹ شبد ہی سانپ بن کر تمھاری زبان کو نہ ڈس لیں!— تم دھنوان ہو، میں غریب ہوں— تم سماج کے سر کے تاج بنے ہوئے ہو۔ میں سماج کے پیروں کی ٹھکرائی ہوئی ہوں۔ لیکن اگر میرا من، وچار، کرم، پوتر، میری پتی بھگتی اٹل، میرا ودھوا دھرم نش کلنک ہے۔ ساتھ ہی سچ اور ایشور ایشور ہے، تو یہی دنیا جس میں آج میری یہ دُردشا ہو رہی ہے، ایک دن گواہی دے گی کہ میں نردوش ہوں— اور تم— تم، نیچ اور جھوٹے ہو— بلا لو، پتی دیو، اپنے چرنوں میں بلا لو— دُکھ سہن کر لیا، اَپمان سہن نہیں ہوتا۔ آج نشچے ہوگیا کہ بھارت میں ودھوا ہونے کے بعد استری کا جینا ہی پاپ ہے۔

سبھدرا دیوی: تو اپنی ایک آنکھ سے آنسوؤں کی گنگا اور دوسری آنکھ سے جمنا بہا دے تو بھی میں تجھے نہیں رکھ سکتی۔ تو یہاں رہی تو برہمنی بھوجن بنانا، پروہت پوجا کرانا، برادری کے لوگ میرے ہاتھ کا چھوا پانی پینا— اور سادھو سنیاسی اس گھر سے دان لینا تک چھوڑ دیں گے— اتنا ہی نہیں میری لڑکیاں جوان ہو چلی ہیں، روپ وان اور گن وان ہونے پر بھی اُن کا کسی اچھے گھر میں بیاہ نہ ہو سکے گا— بس، نکل جا— تیرا جیون پاپ کی جلتی ہوئی چتا ہے۔ اس میں تو جل رہی ہے۔ میرا گھر بھی جل کر راکھ ہو جائے گا۔

ساوتری: دیوی، میں نے اتنے تھوڑے ہی دنوں میں انوبھو کرلیا کہ تم کلیانی اور پنیہ متی ہو۔ اس کے بہکانے سے نِردئی نہ بنو۔ آٹھ دن سے یہ ابھاگا بیمار ہے۔ اس وقت بھی بدن بخار سے جل رہا ہے۔ رہ رہ کر ناڑی ڈوب جاتی اور سانس اُلٹی چلنے لگتی ہے۔ چراغ کا تیل دھیرے دھیرے کم ہوتا جاتا ہے۔ باہر کی ہوا لگتے ہی بجھ جائے گا۔ اسے لے کر کہاں جاؤں؟

رادھے کانت: اسی گھر میں، جہاں اسے جنم دیا تھا۔

ساوتری: بھگوان، سن رہے ہو! اور پھر کوئی جواب نہیں دیتے!! آؤ۔ آؤ۔ جس طرح راون کے لیے رام بن کر،کنس کے لیے کرشن بن کر آئے تھے۔ ایک بار پھر کسی روپ میں آؤ۔ سیتا اور دروپدی نے دُکھ میں تمھیں پکارا تھا۔ میں بھی اس پاپی کے اتیاچار کی تمھارے ہی چرنوں میں دُہائی دیتی ہوں۔

سبھدرا دیوی: جس طرح تو دہائی دے رہی ہے، اُسی طرح اس وشواس گھات کے لیے تیرا سوامی بھی سورگ میں دہائی دے رہا ہوگا۔ اچھا ہوا کہ تیرے کرتوت دیکھنے سے پہلے ہی وہ مرگیا۔

ساوتری: آشچریہ ہے کہ تم بھارت کی استری ہوکر بھی یہ وشواس رکھتی ہو کہ ہندو ودھوا کا پتی مرجاتا ہے۔ نہیں دیوی۔ نہیں۔ وہ مرکر بھی میری آتما کے اندر جی رہے ہیں۔ میں اپنے پتی دیو کو روز اپنے ہردے میں دیکھتی ہوں۔ اُن سے ودھوا آشرم کی شکشا پاتی ہوں۔ اُن کے گلے میں شردھا کے پھولوں کا ہار پہناتی ہوں۔ اُن کے چرنوں میں پرنام کرتی ہوں۔ میں نے سہاگ کھویا ہے، سوامی نہیں کھویا۔

سبھدرا دیوی: جس استری کے پاس ستیہ نہیں، اُس کے پاس کچھ بھی نہیں— اپنی جوان بہو بیٹیوں کو تیری چھایا سے بچانا میرا دھرم ہے۔ میں تیرا بھولا چہرا اور ستیوں کے جیسا روپ دیکھ کر دھوکا کھاچکی— جا، اب کسی اور کو دھوکا دے۔

ساوتری: ودھوا ہوں، غریب ہوں، نِرآشرے ہوں۔ گھر کی دیواروں اور درختوں سے سر پٹکتی ہوا کی طرح میرا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے۔ تمھیں دیا کا امرت سمجھ کر،

دکھ کی پیاس بجھانے آئی تھی۔ اپنے چرنوں میں رہنے دو (پاؤں تھام کر) دیا کرو— دیوی، دیا کرو۔

سبھدرا دیوی: میرا پاؤں چھوڑ دے۔ میں ان پیروں سے چل کر روز مندر میں پوجا کرنے جاتی ہوں۔ تیرے چھونے سے یہ اَپوتر ہوجائیں گے— اوہ۔ میں آج تک تجھے دیوی سمجھتی تھی۔

ساوتری: اور اب!

رادھے کانت: اور اب یہ سمجھ گئیں کہ تو دیوی نہیں، گرہست استری کے بھیس میں ایک ویشیا ہے۔

ساوتری: کیا یہی آریہ جاتی کا بھارت ہے؟ کیا اسی پنیہ بھومی کی استریاں، دیوی اور لکشمی کہی جاتی تھیں؟ کیا اسی دیش میں سیتا کے ستیہ اور رادھا کے پریم کے گیت گائے جاتے تھے؟ بھارت ماتا کی کوکھ کا کلنک، آج ایک ستی ودھوا کو ویشیا کہہ رہا ہے۔ پھر بھی اس کی گندی سانس سے بھارت کے آکاش کے دیپک بجھ نہیں گئے— اس کے شبدوں کی چوٹ سے ہمالے چور چور نہیں ہوگیا!!— اس کے منھ کو آگ برساتے دیکھ کر گنگا آنسو کی دھارا نہیں بن گئی!!! سب دیکھ رہے ہیں، مگر بولتے نہیں۔ غصے سے کانپ رہے ہیں۔ مگر گرجتے نہیں۔ ٹوٹی ہوئی ناؤ کا کوئی کھویا بننا نہیں چاہتا۔ غریب ودھواؤں کے لیے کسی کے پاس دیا نہیں ہے۔ سب نردئی ہیں۔ بھارت کا آکاش بھی، دھرتی بھی، پُرش بھی، دیوتا بھی۔ اور— اور— ایشور تم بھی—

(گر پڑتی ہے)

—ڈراپ—

انک تیسرا — درشیہ پہلا

راستہ

(سونا روپا کا گانا)

انک تیسرا — درشیہ دوسرا

شاما کا گھر

(بہاری لال اور پھول کماری کا پرویش)

پھول کماری: اٹھلاتی ہوئی چال میں تلوار کی لچک، گالوں کے خنجر پر لالی پوڈر کی دھار۔ آنکھوں کے پستول میں کاجل کا بارود دیکھ رہے ہو۔ پھر بھی پوچھتے ہو کہ سندر شکاری تو کہاں جارہا ہے؟ پنا لال جوہری نے مجرے میں بلایا ہے۔ اُس کی سمجھ اور اُس کی جیب کے روپیوں کا شکار کرنے جارہی ہوں۔

بہاری لال: میں نے شاما سے سنا کہ پنا لال تمھیں ہزار روپے مہینے پر نوکر رکھنا چاہتا ہے؟

پھول کماری: نوکر! ہاہاہاہا!!۔ جو لوگ تنخواہ دے کر رنڈی کو نوکر رکھتے یا نوکر سمجھتے ہیں، وہ سونے کے اُلّو۔ اور دولت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے گدھے ہیں— رنڈی کے پیار کی طرح، رنڈی کی نوکری بھی ایک فریب ہے۔ وہ نوکری نہیں کرتی، نوکر رکھنے والے پر حکومت کرتی ہے۔

بہاری لال: پھول! میں نے آج تک کسی کو پیار نہیں کیا۔ تم پہلی عورت ہو، جس سے الگ ہوتے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی روشنی بجھ گئی اور دنیا کی بہار مرجھا گئی۔ جانتا ہوں کہ تم مجھے پیار نہیں کرتیں، لیکن دل سے مجبور ہوں۔ وہ ہزار دے گا، تو میں پندرہ سو دوں گا۔

پھول کماری: اور جو اُس نے پانچ سو بڑھا کر اس نیلام میں دو ہزار کی بولی بول دی۔ تب؟

بہاری لال: تو کیا تم قسمت کی طرح، سمے کی طرح، بدلنے والی دنیا کی طرح بدل کر

مجھے چھوڑ دوگی؟

پھول کماری: جب میں نے اس گھر میں آنے کے بعد ستیوں کے آچار وچار چھوڑ دیے، دھرم چھوڑ دیا، لاج چھوڑ دی۔ تب، تم کیا میرے ستیہ دھرم اور لاج سے بھی زیادہ پیارے ہو، تمھیں چھوڑنے میں مجھے دکھ ہوگا؟— جو سب سے زیادہ سکھ اور سب سے زیادہ روپیہ دے سکتا ہے، رنڈی اُسی کی ہے۔ میں تمھاری جورو نہیں ہوں کہ تمھارے جیون کے ساتھ بندھی رہوں۔

بہاری لال: پھول، تمھارے لیے میں اس بازار کے بدمعاشوں کے ہاتھ سے ذلیل ہوا۔ کورٹ میں جرمانہ دیا۔ روکنے والے دوستوں اور سمجھانے والی گھر کی بیوی کو چھوڑ دیا۔ اتنی دور کھینچ لانے کے بعد، مجھے ٹھوکر نہ مارو۔ میں تمھیں پیار کرتا ہوں۔

پھول کماری: اس گھر میں جو آتا ہے یہی کہتا ہے! جھوٹ کی راگنی، خوشامد کی باتیں، پیار کی کہانی سنتے سنتے کان بہرے ہوگئے!— تم مجھے پیار کرتے ہو— مانا— لیکن کب تک؟ جب اس گورے انگ پر بہار، گالوں پر جوبن، آنکھوں میں جادو نہ رہے گا، کیا تب بھی پیار کرو گے؟— جب اس روپ کے پھول میں دِل لبھانے والا رنگ اور مست کردینے والی خوشبو نہ رہے گی۔ کیا تب بھی پیار کروگے؟ نہیں، یہ پیار نہیں۔ لالسا کی پیاس ہے۔ جس دن پیاس بجھ گئی یا یہ جوانی کی لہراتی ہوئی ندی سوکھ گئی، اُس دن اس چہرے کی طرف دیکھو گے بھی نہیں۔ رنڈی سر کے بال سے پاؤں کے ناخن تک دھوکا ہے۔ بیوقوف۔ دھوکے کو دھوکا نہ دو—

(شاما کا پرویش)

شاما: پنا لال کی موٹر دو گھنٹے سے دروازے پر کھڑی ہے۔ رات کے دس تو بج گئے۔ کب مجرے میں جاؤ گی؟

بہاری لال: شاما بائی سنو۔ میں بھی روپیے دیتا ہوں۔ ٹھیکریاں نہیں دیتا— یہ ابھی تک

میری نوکر ہیں۔ میں آج انھیں مجرے میں نہیں جانے دوں گا۔

شاما: بابو جی۔ ناچ گانا۔ مجرا تو رنڈی کی دکان کا اشتہار ہے۔ اشتہار نہ بٹے گا تو دکان کیسے چلے گی؟

بہاری لال: شاما، مجھے اندھا نہ سمجھو۔ پنا لال نیا بگڑا ہوا رئیس ہے۔ میں اُس کی طرف تم دونوں کا بہاؤ اور جھکاؤ دیکھ رہا ہوں۔

شاما: بہاری بابو۔ گھوڑا گھاس سے نفرت کرے گا تو کھائے گا کیا؟ جب تک ہم رنڈی کے پیشے میں ہیں، کسی رئیس کو ناراض نہیں کرسکتے۔

بہاری بابو: جب روپیہ دیتا ہوں تو خوشامد نہیں کروں گا۔ حکم کروں گا۔ آج سے یہ کسی کے گھر نہیں جاسکتیں۔

پھول کماری: نہیں؟

بہاری بابو: نہیں۔ نہ کہیں جانے دوں گا اور نہ اب کسی کو اس گھر میں آنے دوں گا۔

پھول کماری: اس گھر میں کسی کو نہ آنے دو گے! کیوں نہ آنے دو گے؟ یہ رنڈی کا گھر ہے۔ تمھاری ماں بہن کا گھر نہیں ہے۔

بہاری بابو: پھول! کھال سے باہر نہ ہو۔ مجھے چھیڑنا آگ سے کھیلنا ہے۔ میں بہت برا اور بہت زہریلا آدمی ہوں۔

پھول کماری: بس— بس— وہ رہا دروازہ— چلا جا— ایسی دھمکیاں گھر کی جورو سنتی ہے رنڈی نہیں سنتی۔

(باہر چلی جاتی ہے)

بہاری بابو: یہاں تک!— یہاں تک!!

شاما: بہاری بابو۔ وہ کل سویرے ہی مجرے سے واپس آجائے گی۔ پیار چمکار سے سمجھایئے گا تو ضرور سمجھ جائے گی۔ آدمی نے ہوا اور بجلی کو بس میں کرلیا ہے، یہ تو عورت ہے۔

بہاری بابو: رنڈی بازی کا یہی نتیجہ ہے— بیوی کی محبت کھوئی، گھر کی دولت کھوئی،

خاندان کی عزت کھوئی— اب دیکھتا ہوں کہ جان بھی کھونی ہوگی۔

(اندر جاتا ہے)

شاما: رنڈیوں کا گھر بھی ایک طوفانی سمندر ہے۔ جس کی لہروں پر ہر وقت ڈوبنے والوں کی چیخیں تیرتی رہتی ہیں۔ گیارہ بج گئے ہوں گے۔ سو جاؤں۔ اگر آج رات کو پنّا لال پر پھول کا جادو چل گیا۔ تو کل سورج کے جاگتے ہی اس گھر کا نصیب بھی جاگ اٹھے گا۔

(چلی جاتی ہے)

اَنک تیسرا — درشیہ تیسرا

(کومک)

آفس کا ایک بھاگ

کلرک3: کپور چند ملتانی ایک، کھٹکھٹے راؤ مرہٹا دو۔ ونکٹ پلّے مدراسی تین، بھات کھاؤ بنرجی چار۔ تم گرگستان کے بھتیجے پانچ، اور میں گدھے کا بچہ چھ۔ پورے آدھے درجن عاشق!— ہائے ہائے، ایک پنچر نے چھ ٹائروں کی پھونک نکال دی۔

کلرک 4: چھ میں دو نمبر اور بڑھا دو۔ اس لیڈی ہیڈ کلرک پر ہمارے بڑے صاحب مسٹر ڈیسوزا اور آفس کے شریمان بدھو چپراسی بھی عاشق ہوگئے ہیں۔

کلرک 3: اب صبر نہیں ہوسکتا۔ نوکری رہے یا جائے۔ آج میں ضرور اسے اپنے پریم کے ناٹک کا پہلا ڈراپ سناؤں گا۔

کرک 4: اور کیا میں بائسکوپ کے پردے پر محبت کی ایکٹنگ کر رہا ہوں کہ چپ رہ جاؤں گا۔

کلرک 3: وہ فرسٹ کلاس لیڈی ہے، تیرے جیسے تھرڈ کلاس عاشق کو کبھی نہ پوچھے گی۔

کلرک 4: اچھا اچھا۔ دیکھ لینا۔ آخر میں یہ ڈربی کی لاٹری میرے ہی نام نکلے گی۔

(اندر جاتا ہے)

کلرک 3: ہائے ہائے۔ مردوں کی بھی جانی مصیبت ہے۔ کتنے کام؟ نوکری بھی کریں، دھندا بھی کریں، اور عورتوں پر عاشق بھی ہوں۔

(سرلا غصے میں آتی ہے)

سرلا: ناؤ آئی ہیٹ دِس سروس۔ یہ میرا گورا چہرا تھیٹرز کا سائن بورڈ ہے، سرکس کا اشتہار ہے، ریس کی ٹپ ہے، کیا ہے؟ جو اُسے دیکھے بغیر مردوں کو چین ہی نہیں آتا۔ میں نے بڑے صاحب سے کمپلین کیا کہ آفس کے بدتمیز بابو لوگ مجھے گھورتے ہیں۔ تو یہ جواب ملا کہ 'واٹ کین آئی ڈو؟ مرد تمھیں گھورتے ہیں تو تم مردوں کو گھورو۔

کلرک 3: (آگے بڑھ کر) مائی لیڈی۔ صاحب نے ٹھیک صلاح دی ہے۔ جیسے پالش کرنے سے جوتا چمک جاتا ہے، ویسے ہی مردوں کے گھورنے سے عورتوں کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔

سرلا: (ڈانٹ کر) تم کیا بک رہے ہو؟

کلرک 3: میں یہ بک رہا ہوں کہ اس گورے چمڑے سے کہو کہ اس کالے چمڑے پر بھی تھوڑی سی مہربانی کرے۔ (انگلش اسٹائل سے زمین پر گھٹنے ٹیک کے) مرسی، مرسی۔ مائی بیوٹی فل بلبل، مرسی— آئی ایم میڈ فاریو—

سرلا: یو شیم لیس بروٹ۔ کیا تو آج آفس میں نشہ پی کر آیا ہے۔ میں کوئی بازاری عورت نہیں شریف گھر کی عورت ہوں۔

کلرک 3: رہنے بھی دو۔ شریف گھر کی عورتیں پھٹے کپڑے اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے پر گزر کرلیتی ہے۔ لیکن نوکری کا بہانہ کرکے دکانوں اور آفسوں میں پرائے مردوں کو پاؤڈر اور ساڑی کی بہار نہیں دکھاتی پھرتیں۔

سرلا: مجھے غصہ نہ دلا۔ کیا تو میرے منھ سے گالی کھانا چاہتا ہے؟

کلرک3: خوبصورت عورت کے منھ سے گالی کھانا تو حلوا کھانا ہے۔ میں تو تمھارے گورے گورے ہاتھ سے جوتیاں تک کھانے کو تیار ہوں۔

سرلا: تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

کلرک 3: اونلی ون کس۔ ایک ننھا منا سا پیار۔

سرلا: یو فول۔ میں اس آفس میں نوکری کرنے آئی ہوں، عزت بیچنے نہیں آئی ہوں۔

کلرک 3: میڈم صاحب، سنو۔ عزت روٹی، نوکری مٹی کا تیل اور عورت کی خوبصورتی دیا

سلائی ہے۔ یہ تینوں کسی آفس میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

سرلا: راسکل۔ چپ رہو۔ اور ایک ورڈ بھی بولا تو میں تیرے منھ پر تھوک دوں گی۔

کلرک 3: پیارے پیارے ہونٹوں کا تھوک بھی نصیب والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ تم تھوکو گی تو میں سمجھوں گا کہ پریم کا دیوتا میرے منھ پر گلاب چھڑک رہا ہے۔

سرلا: بدمعاش۔ میں ابھی جاکر تیری رپورٹ کرتی ہوں۔

کلرک 3: (ہاتھ پکڑ کر) چلی کہاں۔ پہلے ایک چما سپورٹ کرو، پیچھے رپورٹ کرو۔

(سرلا ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہتی ہے۔ کلرک ۳ اُس کے پیچھے دوڑتا ہے)

سرلا: ارے کوئی آؤ۔ مجھے بچاؤ۔

کلرک 4. (آکر) کیا ہے۔ کیا ہے۔

(سرلا نکل جاتی اور کلرک ۳ سرلا کے دھوکے میں کلرک ۴ کا بوسہ لیتا ہے)

کلرک 3: یہ کون— چھی چھی— حلوے کی جگہ گوبر— پکڑ پکڑ، وہ نکل جائے گی۔ چل چُما بانٹ لیں گے۔ بایاں گال تیرا اور داہنا گال میرا۔

(دونوں سرلا کے پیچھے بھاگتے ہیں)

اَنک تیسرا — درشیہ چوتھا

راستہ

(ہر پرشاد کا پرویش)

ہر پرشاد: جیل میں چکی پیستے وقت آنکھوں سے جتنے آنسو ٹپکتے تھے، اُن میں پھول کماری ہی کا چہرا دکھائی دیتا تھا۔ بیڑیوں کی ہر جھنکار میں پھول ہی کی پکار سنائی دیتی تھی۔ کتنا دکھ، کتنی نراشا، کتنی جلن۔ میں چھ مہینے جیل میں نہیں رہا، چھ ہزار برس تک نرک میں رہا ہوں۔ یوں گلے لگاؤں گا، یوں آنسو پونچھوں گا، یوں سر پر ہاتھ پھیرکر اُسے دلاسا دوں گا۔ یہ سوچتا ہوا جیل سے نکلتے ہی گھر آیا۔ دروازے پر آواز دی، پھول! اندر سے ایک عورت نے نکل کر کہا۔ پھول یہاں نہیں رہتی۔ میں نے چونک کر پرشن کیا، کہاں گئی؟ وہ بولی۔ نہیں جانتی۔ میں چکر کھاکر گرتے گرتے سنبھلا۔ پوچھا کیوں چلی گئی؟ جواب ملا کہ کرایہ نہ دے سکی۔ اس لیے گھر کے مالک نے نکال دیا۔ یہ سن کر ایسا معلوم ہوا کہ زمین سمٹ کر میرے پیروں کے نیچے سے نکل گئی، اور میں گرتا ہوا اتھاہ اندھیرے کی طرف چلا جارہا ہوں— آٹھ دن سے پاگلوں کی طرح گلی گلی بھٹکتا اور ڈھونڈھتا پھرتا ہوں۔ لیکن ابھی تک پتہ نہیں ملا۔ دنیا— نردئی دنیا— بتا، بتا— میری دکھیا بہن، میری ابھاگنی پھول کہاں ہے؟— دنیا نہیں بولتی— دیوتاؤ تمھیں جواب دو۔

(گود میں مرا ہوا بچہ لیے ساوتری کا پرویش)

ساوتری: ہائے یہ ننھا ستارہ بھی میرے دکھ کے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ میرے دُربھاگیہ نے اس پر بھی دیا نہ کی۔ بچے! کیا میں ماں کی طرح تیری سیوا نہیں کرتی، جان نہیں چھڑکتی، کلیجے سے نہیں لگاتی تھی؟— پھر تو مجھ سے کیوں خفا ہوگیا؟ میری گود چھوڑ کر چتا کی گود میں کیوں جا رہا ہے؟

ہرپرشاد: تم کون؟

ساوتری: سماج کا شکار، نراپرادھ اپرادھنی۔ ایک غریب، نِس سہائے ہندو ودھوا۔

ہرپرشاد: تم کیوں رو رہی ہو؟

ساوتری: اس لیے کہ زندگی بھر رونے کا نام ہی ودھوا جیون ہے۔ لیکن آج میں اپنے دکھی جیون پر نہیں، اس کی مرتیو پر رو رہی ہوں۔

ہرپرشاد: کیا یہ بچہ مرگیا؟

ساوتری: پندرہ روز سے بیمار تھا۔ دوا ملتی تو شاید بچ جاتا۔ لیکن میرے پاس پیسے نہ تھے، گڑگڑانے اور ہاتھ جوڑنے پر بھی ڈاکٹر نے کہا کہ دام لیے بنا دوا نہ دوں گا۔

ہرپرشاد: کل یگ، کل یگ! تو نے بھارت کی کیسی اوستھا بدل دی!! اس پنیہ بھومی میں آج یہ زمانہ آگیا کہ دیا بھی دام دیے بنا نہیں مل سکتی۔

ساوتری: میرے پاس اتنا بھی نہیں ہے کہ اس کا داہ سنسکار کرسکوں۔ دیالو۔ ہوسکے تو دو چار روپیوں سے سہایتا کرو۔

ہرپرشاد: دیوی، میں بھی تمھاری ہی طرح دکھی اور غریب ہوں۔ نہ کھانے کے لیے پیسے ہیں، نہ رہنے کے لیے جگہ ہے۔ دو روز سے کیول پانی پی کر بھوک کو سمجھا رہا ہوں۔ پھر بھی تمھارا دکھ نہیں دیکھ سکتا (کوٹ اُتار کر) جس طرح ڈاکٹر نے دوا نہیں دی، اُسی طرح شمسان بھومی میں بھی روپیہ دیے بنا آگ اور لکڑی نہیں مل سکتی، تو لو— بچے کو جلانے کا دام دینے کے لیے اس کوٹ کو بیچ ڈالو۔ شما کرنا میرے پاس دکھ ہے، دھن نہیں ہے۔

(کوٹ چھوڑ کر چلا جاتا ہے)

ساوتری: کتنا بڑا دل! کتنی اونچی آتما!!— یہی سچا پروپکار ہے— لیکن ایک غریب کے اس اُپکار کو روپیہ دے کر کون خریدے گا؟ (پوجا کی سامگری ہاتھوں میں لیے ہوئے تین استریوں کا پرویش) بہنو— ٹھہرو۔

استری 1: کیا چاہتی ہو؟

ساوتری: میری گود میں جو بچہ دیکھ رہی ہو، یہ مرگیا ہے۔ اس کے داہ سنسکار کے لیے میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ بھارت کی دیویاں دیا کی پرتما ہوتی ہیں— تم سے تھوڑے روپیوں کی سہایتا چاہتی ہوں۔

استری 1: (استری2 سے) نہ بدن پر رنگی ہوئی ساڑی ہے، نہ ہاتھوں میں چوڑیاں ہیں۔ کوئی ودھوا معلوم ہوتی ہے۔ (ساوتری سے) پتی بھی مرگیا! اور بچہ بھی مرگیا!! تم بڑی ابھاگنی ہو۔

ساوتری: ابھاگنی نہ ہوتی تو آج راستے راستے دیا کی بھیک کیوں مانگتی۔

استری 1: وہ سامنے میرا گھر ہے۔ وہاں آؤ۔ اب تمھیں کسی سے دیا مانگنے کی ضرورت نہیں۔

ساوتری: پنیہ وتی۔ تمھارے دھرم کی جے ہو۔

استری 2: (استری ۳ سے) بہن، میں نے اسے پہچان لیا— اس سے بچو— یہ تو جیتا جاگتا پاپ ہے۔ (ساوتری سے) تمھارا نام؟

ساوتری: ساوتری۔

استری 2: تم کیشو داس کی ودھوا ہو؟

ساوتری: ہاں۔

استری 2: اور اپنے دُراچار کے کارن ودھوا آشرم سے نکالی گئی ہو؟

ساوتری: میں!

استری2: ہاں۔ تم، تم ستی جی، تم— میں آشرم کے جلسے میں موجود تھی— پتی کی چتا کی راکھ بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ پتی کی عزت میں بھی آگ لگا دی!— بے شرم۔ تھو ہے تیرے جنم پر— بچہ مرگیا— اور تو ابھی تک جی رہی ہے!!

ساوتری: دیوی، اس دنیا کے اندر انت میں ستیہ کی، لیکن شروع میں جھوٹ ہی کی جے

ہوتی ہے۔ وشواس کرو......

استری 2: کیا وشواس کروں! یہی کہ تیری آتما توے کی طرح کالی نہیں، دھلے کپڑے کی طرح سفید ہے؟ تو نرلج ودھوا نہیں، دھرم پرائنا ستی ہے تب [illegible] جا یہاں سے۔ یہ گرہست لوگوں کا محلّہ ہے۔ کیا تو اس پنیہ کے سورگ کو بھی، پاپ کے بھوکمپ سے ڈھا دینا چاہتی ہے؟ کیا اس محلے میں رہنے والی بہو بیٹیوں کو بھی اپنے آچرن سکھا کر اپنے رنگ میں رنگ کے اُن کے لوک پرلوک کا ناش کرنا چاہتی ہے؟ وہ رہا راستہ۔ اب یہاں آئی تو لات مار کر نکالی جائے گی — بے حیا — کمینی۔

(سب چلی جاتی ہیں)

ساوتری: بس بس بس بھارت واسیو، بس۔ اگر ودھوا ہونا اَپرادھ ہے، تو مجھے اس اَپرادھ کی پوری سزا مل چکی۔ دیا کرو — اور سزا نہ دو — نہیں نہیں، اب میں ایشور سے، پُرشوں سے، استریوں سے، کسی سے دیا نہیں مانگوں گی۔ ایک ہی کے پاس دیا ہے، تو کہاں ہے؟ مرتیو! — دیالو مرتیو!! —

(چلی جاتی ہے)

انک تیسرا— درشیہ پانچواں

شاما کا گھر

(سب طرف دیکھتا، چونکتا، جھجکتا ہوا دبے پاؤں بھونچال آتا ہے)

بھونچال: سو رہی ہے۔ پھول کماری— یہ گہری میٹھی نیند— یہ سنہری آشاؤں کا سوپن دکھانے والی نیند— مرتیو کی نیند ہے— تیری آنکھیں کھلیں گی۔ لیکن اس دنیا میں نہیں، دوسری دنیا میں— بھوکمپ سے کانپتے ہوئے پہاڑوں کی گڑگڑاہٹ، ہوا میں اُڑتے ہوئے پتھروں کا شور بن کر، ابھی تک تیرے ہنٹر کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ میرا روم روم پرتی ہنسا۔ پرتی ہنسا پکار رہا ہے، جس بھونچال کے سامنے تمام دنیا کی بدمعاشی ہاتھ جوڑتی ہے۔ جس کے ہاتھ کہنی تک مردوں، عورتوں اور بچوں کے لہو میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جس کا نام سن کر نرک بھی کانپ اُٹھتا ہے، اُس بھونچال کو تو نے رسیوں سے باندھ کر ہنٹر مارے۔ ایک عورت کی اتنی ہمت۔ پھول کماری۔ کیا تو اس دھوکے میں تھی کہ ذلیل ہونے کے بعد بھونچال صرف بادل کی طرح گرجنا جانتا ہے۔ بجلی کی طرح سر پر ٹوٹ کر سزا دینا نہیں جانتا؟ میں تجھے ضرور سزا دوں گا— اور اس طرح......

(پھول کماری کے دھوکے میں شاما کی چھاتی میں چھری بھونک دیتا ہے)

شاما: آہ—

بھونچال: یہ کون!— پھول کے بدلے شاما!!—

شاما: دوڑو— دوڑو— خون— خون—

(بہاری لال کا پرویش)

بہاری لال: کیا ہے؟— یہ کیا!— پولس— پولس—

بھونچال: چپ— (بہاری لال کو بھی چھری مار دیتا ہے) کرم کے کاغذ پر دو لال دھبے اور بڑھ گئے۔

(بھونچال بھاگتا ہے۔ بہاری لال مرتے مرتے پستول چلا دیتا ہے
بھونچال کی مرتیو)

انک تیسرا — درشیہ چھٹا

(کومک)

بھونڈو راؤ کا گھر

شوبھا رام: واہ وا۔ سسر ہو تو ایسا اور جورو ہو تو ایسی۔ ریس کے میدان میں لنگڑے گھوڑے کی، تھیٹر میں بڑھیا ایکٹریس کی اور سسرال میں سسر کی روٹی پر پڑے ہوئے جنوائی کی یہی عزت ہوتی ہے۔ اہاہا— کیا جورو ملی ہے!۔ دن بھر آفس میں، شام کو سہیلیوں کے ساتھ کلب میں اور آدھی رات تک پتی کے سسر جی کے ساتھ بائیسکوپ میں۔ لوگ جورو کے مرنے کے بعد رنڈوے ہوتے ہیں، میں جورو کے جیتے جی رنڈوا ہوگیا۔ مہاراجا رنگ پور کے پرائیویٹ سکریٹری اور میری ماسی کے ماموں مسٹر گنپتی کے سفارش سے رنگ پورا اسٹیٹ میں دو سو روپیہ مہینہ اور پچاس روپیہ الاؤنس پر مجھے بھی اکسائز انسپکٹر کی جگہ مل گئی— جورو جی ساتھ چلیں، تو ٹھیک۔ نہیں تو میں سسر اور جورو دونوں کا بائیکاٹ کروں گا۔ مفلس کو جورو اور سسر نہیں ملتے۔ نوکری اور پیسہ ہو تو دس جورو اور بیس سسر مل سکتے ہیں۔

(گھبراہٹ کے ساتھ سرلا کا پردیش)

سرلا: (شوبھا سے) اوہ، معاف کرو۔ معاف کرو— میری بھول تھی، جو تمھارا کہنا نہیں سنا (شوبھا کا ہاتھ پکڑ کے) ناتھ، سوامی، بولو کہ سرلا، میں نے تجھے معاف کیا۔

شوبھا رام: ڈیر اور ڈارلنگ کے بدلے— ناتھ اور سوامی!— یہ ولایتی کاکا تُو آج دیسی

بولی کیوں بولنے لگا؟

سرلا: اوہ۔ پتی دیو— مجھے شانتی دو۔ (شوبھا کے کندھے پر سر رکھ کر زور زور سے سانس لیتی ہے) ابھی تک دل دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔

شوبھا رام: (سر پر ہاتھ پھیر کے) باوا کی لاڈلی— آفس کا کھلونا، گھورا گھاری کی ہانڈی کا گرم مسالہ، کیا ہوا؟

سرلا: جب میں آفس میں جاتی ہوں تو سارے کلرک اپنا کام دیکھنے کے بدلے میرے منہ کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ پرسوں بڑے صاحب نے اکیلے میں میرا ہاتھ چوم لیا۔ میں یہ سمجھ کر چپ رہی کہ لیڈی کا ہاتھ چومنا انگلش ایٹی کیٹ ہے۔ کل آفس کا بدھو چپراسی مجھے دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں لینے لگا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ شاید اسے دَمے کی بیماری ہوگئی ہے۔ لیکن آج تو انسلٹ کی حد ہوگئی۔ ایک بدمعاش کلرک ہاتھ پکڑ کر زبردستی میرا پیار لینا چاہتا تھا۔

شوبھا رام: تو دے دیا ہوتا پیار— ایک غریب کا دل خوش ہوجاتا۔

سرلا: مجھے لجّت نہ کرو۔ اس ٹھوکر سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ اب میں دِھکّارتی ہوں۔ آفس کو بھی اور نوکری کو بھی۔

شوبھا رام: اوئی میری منیا۔ یہ کیا کہا؟— پتی جی، تم نوکری نہ کرو گے تو میں نگوڑی کس کی کمائی کھاؤں گی۔

سرلا: بس دلّگی نہ کرو۔ کمانا مرد کا کام اور گھر سنبھالنا عورت کا کام ہے۔ میں اب تک آدھا مرد اور آدھی عورت تھی۔ اب پوری عورت بنوں گی۔

شوبھا رام: کیسی عورت! ولایتی یا دیسی؟

سرلا: کھدر کی طرح دیسی۔

شوبھا رام: (سائڈ میں) مرگئے بیٹا سسر۔

(بھونڈو راؤ کا پرویش)

بھونڈو راؤ: انڈین اسٹار۔ لائٹ آف ایشا۔ تاج محل— نو۔ نو۔ یہ سب دیسی مالکوں کے

گھوڑے ہیں۔ کبھی گورنر کپ نہیں جیت سکتے۔ میں اورنج اور بلوتا ٹائیگر کھیلوں گا— ون بھی اور پلیس بھی۔ (شوبھا سے) ویل۔ تم ریس کو ہمیشہ ہندستانیوں کی ستیاناسی بتاتا ہے۔ بٹ۔ آج جاؤ۔ آج کا ریس دیکھنے کے لائق ہے۔

شوبھا رام: جانے کی ضرورت نہیں۔ میں گھر بیٹھے ہی ریس جیت چکا۔

بھونڈو راؤ: ہلو— کس ٹپ سے؟

شوبھا رام: (سرلا کو بتا کر) یہ رہی میری ٹپ۔

بھونڈو راؤ: مائی لولی گرل۔ آر یو اسٹل ایٹ ہوم— ٹوڈے از ناٹ سنڈے۔ گیارہ بج گئے۔ تم ابھی تک آفس نہیں گئیں؟

سرلا: میں اب وہاں کبھی نہیں جاؤں گی۔ وہ آفس نہیں خچروں کا طویلہ اور پاگلوں کا ہوٹل ہے۔

بھونڈو راؤ: اتنا غصہ!— مائی ہینڈسم ڈالی، کیا ہوا؟

شوبھا رام: ہوا یہ کہ سارا آفس اس بجلی کے لیمپ پر عاشق ہوگیا ہے۔ وہ سب تمھاری لڑکی کو سسر کی جائیداد سمجھ کر آپس میں بانٹ لینا چاہتے ہیں۔

بھونڈو راؤ: نو۔ نو۔ سب جھوٹ۔ رانگ۔ امپاسبل۔ میری لڑکی کو دیکھ کر آفس کے بابوؤں کے منھ میں کاہے کو پانی بھر آیا؟ کیا وہ کالا لوگ اسے عورت کے بدلے کچالو کا دونا سمجھتے ہیں۔

شوبھا رام: میرے پیارے سسر جی۔ آفس میں اس کی قدر ہونے سے ثابت ہوگیا کہ تم نصیب والے باپ ہو۔ یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ تمھاری بیٹی نظر کے ڈورے سے پھٹے ہوئے دل سی دیتی ہے۔ تم نے لڑکی نہیں سنگر مشین پیدا کی ہے۔

بھونڈو راؤ: سرلا! اِس نوکری کے لیے سو میٹرک، پچھتر بی اے، پچاس ایم اے پاس عورتوں نے درخواست اور اپنے فوٹو بھیجے تھے۔ صاحب نے سوا دو سو فوٹوؤں میں سے تمھارا فوٹو پسند کرکے تمھیں ایک دم آفس کا ہیڈ کلرک بنا دیا۔ اتنی تنخواہ اور ایسی رسکھیل نوکری گھڑی گھڑی نہیں مل سکتی۔ تمھیں ابھی بہت کچھ سیکھنا

ہے۔ یہ آفس تمھاری نوکری کا پہلا اسکول ہے۔ یُو مَسٹ گو۔

سرلا: میں نے کہہ دیا کہ میں نہیں جاؤں گی۔

شوبھا رام: یہ کیا! باپ اسکول بھیجتا ہے اور تو نہیں جاتا۔ بڑا بدتمیز لونڈا ہے۔

سرلا: پتا جی۔ تم نے اپنے دیش کی سبھیتا، اپنے دیش کی پوشاک، اپنے دیش کے رسم و رواج چھوڑ کر اپنا بیڑا بھی ڈبایا اور میرا بھی ستیاناس کر دیا۔ عورت کے لیے عزت کی جگہ دکان اور آفس میں نہیں — گھر میں ہے — بھیک مانگوں یا راج کروں، لیکن جب تک جیوں گی پتی کے پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔

(اندر جاتی ہے)

بھونڈو راؤ: او گاڈ۔ او گاڈ۔ کیا باپ کے سامنے یہ بیٹی بول رہی ہے۔

شوبھا رام: جی نہیں۔ ولایتی گدھے کے بیاہ میں دیسی بلبل ڈھولک بجا رہی تھی۔

بھونڈو راؤ: چپ رہو۔ تم گھن چکر ہے۔

شوبھا رام: یہ تو اس کوٹ پتلون سے ہی معلوم ہو رہا ہے۔

بھونڈو راؤ: تم اُلّو ہے۔

شوبھا رام: جی نہیں۔ میں اُلّو کا جنوائی ہوں۔

بھونڈو راؤ: یو گراس کٹر۔ تم ہی نے بہکا کر ہماری لڑکی کا بھیجا خراب کر دیا۔

شوبھا رام: تو کیا میں نے آفس کے بابوؤں سے کہہ دیا تھا کہ میری جورو پر عاشق ہو جاؤ۔

بھونڈو راؤ: اُف۔ مجھے غصہ آ رہا ہے۔ اب میں کیا کروں؟

شوبھا رام: ایک بندر اور ایک ڈگڈگی خرید لو۔

بھونڈو راؤ: اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے کہاں جاؤں؟

شوبھا رام: پاگل خانے اور وہاں جگہ نہ ہو تو سیدھے چڑیا گھر۔

بھونڈو راؤ: اَن گریٹ فل منکی — میری مصیبت پر ہنستا ہے؟

شوبھا رام: یاد نہیں رہا۔ جس دن سرلا کو آفس میں نوکری ملی تھی، اُس دن تم نے مجھ سے ہنسنے کے لیے کہا تھا۔ آج وہی ہنسی ہنس رہا ہوں۔ تم بھی ہنسو — اور اس

طرح ہنسو— آہاہاہاہاہاہاہاہا—
(سرلا انگریزی لباس اُتار کر سادی دیسی ساڑی پہنے گھونگھٹ نکالے ہوئے واپس آتی ہے)

شوبھا رام: واہ وا۔ اب تم بھارت ماتا کی بیٹی معلوم ہوتی ہو۔ (بھونڈو راؤ سے) مسٹر چکرم ذرا اُدھر دیکھو۔

بھونڈو راؤ: مائی گاڈ!— یہ کیا!!— ایک دم دیسی ڈریس!!! یہ تو کرنسی بینک کے نوٹ سے ایک آنے والا پوسٹ کارڈ بن گئی۔

شوبھا رام: ہاں۔ اور اب یہ پوسٹ کارڈ میرے گھر کے لیٹر بکس میں رہے گا۔

بھونڈو راؤ: سرلا۔کیا اسی دن کے لیے تجھے انگریزی بولنا، انگریزی ایٹی کیٹ، انگریزی فیشن سکھایا تھا۔ جا۔ اندر جا۔ اس دیسی کپڑے کو اُتار کر پھینک ...ے۔

سرلا: پتا جی۔ کچھ تو ہندستانی ہونے کی شرم کرو۔ دیسی کپڑا پسند نہیں ہے تو اپنے بدن پر سے دیسی چمڑا بھی اُتار دو۔

بھونڈو راؤ: میں اپنے کو ہندستانی نہیں سمجھتا۔

سرلا: تو کیا آپ ہندستان کی گود میں۔ ہندستانی ماں سے پیدا نہیں ہوئے؟

شوبھا رام: نہیں یہ ہندستانی ماں سے نہیں، ولایتی مرغی کے انڈے سے پیدا ہوئے ہیں۔

سرلا: ناتھ۔پتا جی اپنے کو بدلیں یا نہ بدلیں۔لیکن میں بدل چکی۔جو کھلاؤ گے، کھاؤں گی اور جو پہناؤ گے، پہنوں گی۔ اب تمھارے گھر ہی میں میرا مان اور تمھاری سیوا ہی میرا سکھ ہے۔

شوبھا رام: تو جو پہیہ گھوم چکا ہے، وہ پھر کسی دن الٹا چکر تو نہ لے گا؟

سرلا: کبھی نہیں۔

شوبھا رام: تو ہندستانی بہو بیٹیوں کی طرح گھر کا کام کاج کرو گی؟

سرلا: نشچے۔

بھونڈو راؤ: ابے او جنوائی۔ تو کیوں اس کی عقل چوپٹ کررہا ہے؟ میں نے بیاہ کے دن

تجھے لڑکی دی ہے، گھر کے کام کے لیے لونڈی نہیں دی ہے۔

شوبھا رام: دیکھو۔ مائی فادر اِن لا۔ اب آدمی بن جاؤ۔ جانور ہی رہوگے تو میں کانجی ہاؤس بھیج دوں گا۔ (سرلا سے) ہاں تو گھر کا کام کروگی؟

سرلا: نشچے۔

شوبھا رام: برتن مانجوگی؟

سرلا: نشچے۔

بھونڈو راز. کیا جس ہاتھ سے منھ پر پاؤڈر لگاتی تھی، اُسی ہاتھ سے برتن مانجے گی؟ ان گورے گورے ہاتھوں کا اتنا انسلٹ؟

شوبھا رام: کیا منھ میں کاگ لگا دوں تب چپ رہو گے؟ (سرلا سے) اور دیکھو، مسالہ بھی، پیسنا ہوگا۔

سرلا: پیسوں گی۔

شوبھا رام: گھر میں جھاڑو بھی نکالنا ہوگا۔

سرلا: نکالوں گی۔

بھونڈو راؤ: ارے جھاڑو ہی نکالنا تھا تو میرے گھر کے بدلے کسی بھنگی کے گھر میں کیوں نہیں پیدا ہوئی؟

شوبھا رام: اچھا۔ تو تم پوری ہندستانی بیوی بن گئی ہو۔ تو اس بات کا ثبوت دینے کے لیے میرے پیروں میں بیٹھ کر پرنام کرو۔

سر. (پیروں میں بیٹھ کر) پتی دیوتا۔ میں تمھارے چرنوں میں پرنام کرتی ہوں۔

بھونڈو راؤ: (چھاتی پیٹ کر) ہائے۔ ہائے۔ او گاڈ۔ اس نالائق لڑکی کے بدلے تو کوئی اندھا، لنگڑا لڑکا ہی دے دیا ہوتا۔

شوبھا رام: (سرلا سے) اچھا اب ذرا پیر بھی دبا دو۔

(سرلا پیر دباتی ہے)

بھونڈو راؤ: جا سانولے رنگ کے بن بلاؤ۔ تو بھی جا۔ اور اس سفید چھچھوندر کو بھی لے

جا۔ اب میں اس کا منھ دیکھوں تو یہ میری بیٹی نہیں، میں اس کا بیٹا......

(غصے میں چلا جاتا ہے)

شوبھا رام: پیاری تم نے مجھے خوش کیا۔ تو میں بھی تمھیں خوش کرتا ہوں۔ سنو۔ مجھے رنگ پور اسٹیٹ میں نوکری مل گئی ہے۔ اب تمھیں باپ اور مجھے سسر کی روٹی پر پڑے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سرلا: تم جہاں لے چلو گے، چلوں گی۔ لیکن اس وقت کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ پتا جی ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئے۔

شوبھا رام: پتا سے پتی کا پریم ایک ہی نمبر کم ہوتا ہے۔ تم پتی اور پتا دونوں مجھی کو سمجھ لینا۔

(گانا)

انک تیسرا — درشیہ ساتواں

راستہ

(سونا اور روپا کا پرویش)

سونا: ساوتری۔

روپا: ابھاگنی ساوتری۔

سونا: سھدرا دیوی جیسی انوبھوی، سمجھدار، دیالو استری سے آشا نہ تھی کہ وہ پاپی رادھے کانت کی باتوں کو شاستر وانی سمجھ کر ایک نراشرے ودھوا کو گھر سے نکال دیں گی۔

روپا: اب پرشوں کو کیا دوش دیں۔ استری بھی استری کے دکھ کو نہ سمجھ سکی۔

سونا: کس سے پوچھیں۔ کدھر جائیں۔ کہیں پتہ نہیں ملتا۔ نہ جانے کہاں چلی گئی؟

روپا: آشا تھک گئی ہے۔ پھر بھی جہاں تک پیروں میں شکتی ہے، ہمیں ساوتری کو ڈھونڈھنا چاہیے۔

سونا: دھکار ہے اس سنسار پر۔ جس میں لاکھوں آتمائیں، شریر کے بندی خانہ میں رو رو کر زندگی کی قید کا زمانہ کاٹ رہی ہیں۔ دنیا — دنیا — تو کتنی بے رحم ہے۔

انک تیسرا — درشیہ آٹھواں

گنگا کا کنارا — سمے پراتہ کال

(گنگا کے کنارے ایک طرف مندر۔ دوسری طرف پنّا لال جوہری کا
شاندار مکان۔ مکان کے دروازے پر پھول کماری کھڑی ہے)

پھول کماری: کسی راج کماری کی ساڑی میں ٹنکی ہوئی سنہری بیل کی طرح پانی کی لہروں پر سورج کی کرن چمک رہی ہے۔ اسی طرح روپ کی آگ سے جلتے ہوئے دل اور دولت کے دھویں میں، ویشیا بھی چنگاری کی طرح چمکتی رہتی ہے۔ دونوں ہی اسی دنیا کے درشیہ ہیں۔ لیکن ایک سندر اور ایک وچتر۔ پنّا لال کے اس ولاس بھون میں مجرا کرنے آئی تھی۔ اب گھر واپس جارہی ہوں— کیا لے کر؟ انعام کے روپے؟— نہیں روپے بھی اور روپے دینے والے کا دل اور آنکھیں بھی— یہ کون؟

(ساوتری کا پرویش)

ساوتری: دیوی گنگا۔ میں بھارت ماتا کی دکھیا لڑکی ہوں۔ اس دھرتی پر جہاں پاؤں رکھتی ہوں کانٹے پیدا ہوجاتے ہیں۔ برف کو بھی چھوتی ہوں تو اُس سے آگ کا فوارہ چھوٹنے لگتا ہے۔ گھرنا اور دھکار کے بوجھ سے میرے کندھے ٹوٹے جارہے ہیں۔ ایک اَبلا دُربلا سے اب یہ پہاڑ نہیں اُٹھ سکتا۔ میرا جیون دنیا کی چادر پر ایک دھبہ ہے۔ آج یہ دھبہ، تمھارے پوتر جل سے مٹانے آئی

ہوں — ماں ابھاگنی کو اپنی گود میں شرن دو۔

(گنگا میں ڈوبنے کے لیے گرنا چاہتی۔ پھول کماری دوڑ کر ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

پھول کماری: تمھارا چہرا دکھ اور بیماری کی طرح بھیانک اور تمھارا شریر، دنیا کی طرح بوڑھا نہیں ہے۔ جوانی میں سنسار کی لالسائیں اور آشائیں بھی جوان رہتی ہیں۔ کیا جینے میں کوئی سوندریہ اور رس نہیں رہا جو گنگا میں ڈوب کر مرنا چاہتی ہو؟

ساوتری: میں بھارت کی لاکھوں روتی جلتی ودھواؤں میں سے ایک دُکھیا ودھوا ہوں۔ پتی نہ رہے، سکھ نہ رہا، مان نہ رہا، تو اب جی کر کیا کروں گی۔ ایشور ساکشی ہے کہ میرا ودھوا جیون، اس گنگا جل کی طرح پوتر ہے۔ پھر بھی سماج مجھے پوتر اور نشپاپ نہیں سمجھتا — مجھے مرنے دو۔ سماج کے انیائے کی ویدی پر یہ پہلا بلیدان نہیں ہے۔

(پھر ڈوبنے جاتی۔ پھول روکتی ہے)

پھول کماری: ٹھہرو۔ تم سے پہلے بھی ہزاروں دکھ اور اپمان سے گھائل ودھوائیں گنگا میں ڈوب چکی ہیں۔ زہر کھا چکی ہیں — کپڑے پر مٹی کا تیل چھڑک چکی ہیں — آج تم بھی جان دے دو گی، تو کیا اس بلیدان سے دیش کے وچار بدل جائیں گے؟ ودھواؤں کے گلے پر چلتی ہوئی چھری ٹوٹ جائے گی؟ — سماج اپنی بھول مان کر نیائے اور دیا کرنا سیکھ جائے گا؟ — نہیں — تمھارے مرنے سے بھی ہندو ودھواؤں کی دُردشا دیکھنے کے لیے بھارت کی بند آنکھیں نہیں کھلیں گی۔

ساوتری: ڈوبنے دو — مجھے ڈوبنے دو — جس دنیا کا یہ وچار ہے کہ میرے شریر کی چھایا بھی اُس کی پوترتا کو ڈس لے گی، میں اُس دنیا میں لوٹ کر جانا نہیں چاہتی۔

پھول کماری: جب تک سماج کی ٹھکرائی ہوئی استریاں سماج سے بدلہ لینے کو تیار نہ ہوں گی،

سماج کبھی اپنے پاپ کا پرائشچت نہ کرے گا۔ کیوں مر رہی ہو؟ اب تک دُکھ اٹھانے کے لیے جی رہی تھیں۔ اب بدلہ لینے کے لیے جیو۔ زندگی کے سکھ، دنیا کا دھن، امیروں کے ہونٹ تمھارے پاؤں چومنے کو تیار ہیں۔ جو میں ہوں، وہی تم بھی بن جاؤ۔

ساوتری: کیا؟

پھول کماری: ویشیا۔

ساوتری: ویشیا؟

پھول کماری: ہاں۔ ویشیا۔ تم نے دھرم کی سیوا کر کے دیکھ لی۔ دنیا کی دیا دیکھ لی۔ سماج کا نیائے دیکھ لیا۔ اب بھی کچھ دیکھنا باقی ہو، تو جاؤ، ایک بار پھر سماج کے پیروں پر گر کے دیا کی بھیک مانگو۔ یاد رکھو، وہ بھیک میں ٹھوکر کے سوا کچھ نہ دے گا۔ تم غریب ہو، نِس سہائے ہو۔ ودھوا ہو۔ خوشی سے ویشیا نہ بنو گی۔ تو اس دیش کے کامی پُرش سہایک بن کر، دھوکا دے کر، ہنٹر مار کر، زبردستی تمھیں ویشیا بنا کر چھوڑ دیں گے۔

ساوتری: جو استریاں پوترتا کو جیون کا سنگار اور دھرم کو اپنا سکھ سمجھتی ہیں، دنیا کے لاکھوں راون مل کر بھی اُس کے ستیہ کو نہیں جیت سکتے۔ میں شیو کی جٹا سے نکلی ہوئی گنگا میں ڈوبنے آئی تھی۔ تم پتت پاؤنی گنگا کے بدلے مجھے پاپ کی کیچڑ میں ڈبانا چاہتی ہو؟

پھول کماری: پاپ اور پنیہ۔ یہ شبد پرشوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ دُراچار پاپ ہے، تو اس پاپ کی جتنی سزا بھارت میں استریوں کو مل رہی ہے، اتنی ہی سزا پرشوں کو بھی ملنی چاہیے۔ سماج دھرم کا مددگار اور انصاف کا طرف دار ہے تو دونوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کیوں نہیں کرتا؟ میں بھی جب تک پنیہ وتی تھی، دکھی تھی۔ لیکن اب نہ پنیہ وتی ہوں، نہ دکھی ہوں— وہی لوگ جو کبھی میرا آشیرداد سن کر ناراض ہوتے تھے، اب میری گالیاں سن کر خوش ہوتے ہیں۔ جو ایک دن مجھے ٹھوکریں مارتے تھے، آج میرے پیروں میں بیٹھنا اپنا سوبھاگیہ جانتے

ہیں۔ اس لیے تم بھی سماج کا خون پینے والی ڈائن بنو — ڈائن بننے میں سکھ ہے۔ دیوی بنے رہنے میں سکھ نہیں ہے۔

ساوتری: تمھارے آتما کی گراوٹ دیکھ کر مجھے آشچر یہ ہو رہا ہے۔ کیا تم اس دیش کی استری ہو؟

پھول کماری: دیش! کیسا دیش!! کس کا دیش!!! — جس دیش میں لڑکا پیدا ہونے پر آنند اور لڑکی پیدا ہونے پر شوک پرگٹ کیا جاتا ہے۔ جس دیش میں دس برس کی کنیا، ساٹھ برس کے وَر کے بڑھاپے میں بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ جس دیش میں غریب ودھوائیں گھر کا کوڑا سمجھی جاتی ہیں۔ وہ کیول پرشوں کا دیش ہے۔ اُسے استریاں اپنا دیش نہیں کہہ سکتیں۔ دیش کی لاج رہے یا جائے، جو ہماری پروا نہیں کرتا، ہمیں بھی اُس دیش کی پروا نہ کرنا چاہیے۔ آؤ۔ میں پرتی ہنسا کی آگ سلگا چکی ہوں، تم ہوا بن کر اُس آگ کو بھڑکاؤ اور پرش جاتی اور اس کے بنائے ہوئے سماج کو جلا کر راکھ کر دو۔

ساوتری: تم پرشوں کے اتیاچار کی انھیں سزا دینا چاہتی ؟— لیکن مجھے یہ شکشا ملی ہے کہ سب سے بڑی سزا اور سب سے بڑا بدلہ یہ ہے کہ دشمن کو معاف کر دو۔ میں دھن، سکھ، بدلہ کچھ نہیں چاہتی۔ کیول دھرم کے سائے میں جینا اور دھرم ہی کی گود میں مرنا چاہتی ہوں۔

پھول کماری: پھول، دیکھ۔ یہ بھی استری ہے اور تو بھی استری ہے۔ دنیا نے دونوں کو ٹھوکریں ماریں لیکن آج تک سنبھلی رہی اور تو گری اور چور ہوگئی۔ (ساوتری سے) شما کرو۔ شما کرو۔ میں نے جو کچھ بکواس کی، وہ سماج کے بھڑکائے ہوئے غصے کی گرج تھی۔ تمھارے ستیہ کی جے ہو۔ میں دیش کا اندھیرا ہوں، تم روشنی ہو۔ میں بھارت کے لیے اپمان ہوں، تم بھارت کے لیے گورو ہو۔

(رادھے کانت کا پرویش)

رادھے کانت: ساوتری بھی اور پھول کماری بھی! سورگ اور نرک ایک ساتھ!! — (سامنے

جاکر) واہ وا کیسا وچتر درشیہ ہے!!! (دونوں رادھے کانت کو دیکھ کر چونک پڑتی ہیں) میں سویرے سویرے گھر سے ہوا کھانے نکلا تھا۔ وچار بھی نہ تھا کہ گنگا کے کنارے تیاگ اور بھوگ، نراشا اور آنندگری سے تپتے مرجھائے ہوئے دن اور ستاروں سے جگمگاتی رات کو آپس میں باتیں کرتے دیکھوں گا۔

ساوتری: یہ پاپی یہاں بھی آگیا!— اس کا جھوٹ سن کر غصے میں گنگا بھی شرن نہ دیں گی۔

پھول کماری: رادھے کانت۔ مجھے پہچانتے ہو، میں کون ہوں؟

رادھے کانت: تمھارے جیون نے جو کروٹ بدلی ہے، میں اس کا حال سن چکا ہوں۔ جانتا ہوں، تم اب پھول کماری نہیں پھول بائی ہو۔

پھول کماری: ہاں ہرپرشاد کی بہن، ہندو گھر کی دھرم پرائنا لڑکی، دیوی سے ویشیا بن گئی۔ کس نے ویشیا بنایا؟ تم نے— کس نے گرتے وقت نہیں سنبھالا؟ تمھارے سماج نے— آج دنیا میرے ہونٹوں پر ہنسی دیکھ رہی ہے— لیکن یہ ہنسی نہیں، دھرم کی آنکھوں کے آنسو ہیں— رُلاؤ، ستیوں کو رُلاؤ۔ ایک دن انھیں آنسوؤں میں تمھیں اور تمھارے نردئی سماج کو ڈوبنا ہوگا۔

رادھے کانت: دُنیا ویشیا کے ہونٹوں سے اُپدیش سننا نہیں چاہتی— ساوتری!— اپنی ہٹ کا نتیجہ دیکھا؟ کہاں ہے آشرم، کہاں ہے نوکری، کہاں ہے ودھوا کی لاج، کہاں ہے ستیہ کی مریادا؟ میں نے تمھیں مٹا دیا— اور ابھی مٹاؤں گا— عورت، مرد کے غصے کو نفرت سے نہیں، محبت ہی سے جیت سکتی ہے۔

ساوتری: تم ماں کی، بیٹی کی، بہن کی محبت نہیں چاہتے۔ پھر تمھیں کون سی محبت دوں؟ ہندو استری کی محبت، بیاہ کرنے کے بعد سیوا سے، اور ودھوا ہونے کے بعد پتی کے دھیان سے بدل جاتی ہے۔ میرے پاس اپنے سورگیہ پتی کے لیے محبت ہے۔ دھرم کے لیے محبت ہے۔ لاج اور ستیہ کے لیے محبت ہے۔ کسی پر پرش کے لیے محبت نہیں۔

رادھے کانت: میں تمھیں اپنی بنانے کے لیے پرتگیا کرچکا ہوں۔ سب کچھ کھوچکیں۔ نہ مانا

تو مرے ہاتھ سے اپنا جیون بھی کھو دوگی۔

ساوتری: تمھارے اتیاچار کے پرتاپ سے جس جیون میں شانتی، تیج، گورو، کچھ نہیں رہا، میں اُس جیون سے گھرنا کرتی ہوں۔ میری ایشور سے یہی پرارتھنا ہے کہ جیون جائے لیکن دھرم بچ جائے، کھویا ہوا جیون، دوسرے جنم میں مل سکتا ہے، لیکن اس لوک میں کھویا ہوا دھرم اُس لوک میں نہیں مل سکتا۔

رادھے کانت: تو جس پہاڑ سے گری ہے، میں پھر اُس کی چوٹی پر پہنچا سکتا ہوں۔ بیوقوفی کے راستے پر نہ چل— آ۔ اب بھی میرا ساتھ دے۔

(ساوتری کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہے)

ساوتری: (ہاتھ چھڑاتے ہوئے) پاپی— اُدھری۔

پھول کماری: نیچ— میرے شریر کا روپ بدل گیا۔ لیکن ابھی تک میرا ہندو ہردے نہیں بدلا۔ تو میرے سامنے ایک ستی کا اپمان نہیں کرسکتا۔

(ساوتری کو چھڑانا چاہتی ہے)

رادھے کانت: الگ ہٹ۔

(پھول کماری کو دھکا دے کر گرا دیتا اور ساوتری کو کھینچتا ہے)

ساوتری: اوہ۔ کیا اِس سنسار میں کوئی نہیں، جو میری رکشا کرے؟

(ہرپرشاد کا پرویش)

ہرپرشاد: خبردار۔ عورت پر حملہ۔ اس نیچ پن کو مرد بہادری سمجھتا ہے؟ یہ کون!— رادھے کانت؟

رادھے کانت: تو قید سے چھوٹ گیا!

ہرپرشاد: تم بدمعاش امیروں نے ساری دنیا کو غریبوں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔ جب تک دنیا میں ہوں، قید سے نہیں چھوٹ سکتا۔ پہلے چھوٹے جیل میں تھا اب

بڑے جیل میں ہوں۔ وہاں میں چکی کو پیستا تھا، یہاں مصیبت کی چکی مجھے پیس رہی ہے۔

پھول کماری: جیل کے دکھوں نے صورت بدل دی، پھر بھی میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ بھائی— بھائی۔

ہرپرشاد: (دیکھ کر) پھول!— میری دُکھیا۔ میری غریب بہن!! (دوڑ کر گلے لگاتا ہے) آہ میں سمجھتا تھا کہ میرے جیون کی شانتی کی طرح دنیا نے تجھے بھی مجھ سے چھین لیا— لیکن— لیکن— یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیسے دیکھ رہا ہوں؟ کس روپ میں دیکھ رہا ہوں۔ میں تمھیں پہچان نہیں سکا— تم— تم— کون ہو؟

پھول کماری: میں تمھاری پھول ہوں۔

ہرپرشاد: ہرپرشاد کی بہن پھول! غریب گھر کی لڑکی پھول!! میری پھول کے پاس یہ ریشمی ساڑی، یہ جڑاؤ گہنے، یہ سینٹ کی خوشبو، یہ پاؤڈر سے چمکتا ہوا روپ کہاں تھا؟ اُس کے پاس تو غریبی، آنسو، دھرم کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تم کوئی اور استری، کوئی اور وستو ہو۔ پھول نہیں ہو۔

رادھے کانت: اگر یہ پھول ہی رہتی، تو غریبی کی دھوپ میں رنگ روپ کھوکر، مرجھا کر، سوکھ کر، پیروں کے نیچے پس کر، راستے کی دھول میں مل گئی ہوتی۔ یہ اب دُکھ کے کانٹوں میں گھرا ہوا پھول نہیں، پھولوں کی سیج پر سونے والی ویشیا ہے۔

ہرپرشاد: ویشیا۔ ویشیا!!— سورج کی دنیا میں رات آگئی— سورج میں پاپ کا راج ہوگیا!!— پھول ویشیا بن گئی!!!— سنتا ہوں، لیکن وشواس نہیں ہوتا۔ (پھول سے) آہ، دل میں غصہ تھا۔ ہاتھ میں چھری تھی۔ جینے کی لالسا، بچے کی مامتا چھوڑ کر تو بھی مرنے کے لیے راضی تھی۔ پھر میں نے تجھے کیوں نہیں مار ڈالا؟ کیا تو نے اپنے جیون کا یہ دھکار بھرا درشیہ دکھا کر، میری آنکھوں کو، میری اُسی بھول کی سزا دی ہے؟ ہٹ جا۔ سامنے سے ہٹ جا— میں تجھے چتا میں جلتے دیکھ سکتا ہوں۔ اِس روپ میں نہیں دیکھ سکتا۔

پھول کماری: میں خود سے ویشیا نہیں بنی۔ دھوکے اور ظلم سے بنائی گئی ہوں۔ آج جس روپ میں مجھے دیکھ رہے ہو، یہ کامی پرشوں اور سماج کا دیا ہوا روپ ہے۔

ہر پرشاد: اپنے پاپ پر سماج کے نام کا پردہ کیوں ڈالتی ہے؟ جب تو نے دیکھا تھا کہ پرشوں اور سماج کے اتیاچار سے، لاج اور عزت نہیں بچ سکتی تو کنویں میں کیوں نہیں پھاند پڑی۔ گنگا میں کیوں نہیں ڈوب گئی؟ پتھر میں چھپی ہوئی آگ کی طرح تیرے دل میں دھن اور سکھ کی لالسا نہ ہوتی تو دنیا کی کوئی شکتی تجھے ویشیا نہیں بنا سکتی تھی۔ اس ودھوا ستی کو دیکھ۔ دکھ کی آندھی میں بھی اس کا ستیہ پہاڑ کی طرح اٹل ہے۔ اس نے پرمانت کردیا کہ بھارت کی ستیاں مصیبت کی بھٹی میں جل جاتی ہیں لیکن اپنے دھرم کرم پر آنچ نہیں آنے دیتیں۔ آج سنسار تجھے دھکار رہا ہے اور سنسار کی ساری مہانتا اس دیوی کے چرنوں کو پرنام کررہی ہے۔

رادھے کانت: اس دھکار سے۔ اس کے جیون آکاش سے کتنے ہنستے جگمگاتے ہوئے تارے ٹوٹ گئے؟ اور اس پرنام سے، اس کی اندھیری دنیا میں کتنے سورج پیدا ہوگئے؟ روپ اور جوانی استری کی دولت ہے۔ جب وہ اس دولت سے، دنیا کی ہر چیز خرید سکتی ہے، تب اُسے دھرم اور ایشور سے سکھ کی بھیک مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

ہر پرشاد: تیرے ہی جیسے ککرمیوں نے دُراچار کی آگ سلگا کر اس پوتر بھوی کو پاپ کا شمشان بنا دیا ہے۔ جس میں جگہ جگہ ابھاگنی استریوں کے روپ اور ستیہ کی چتائیں جل رہی ہیں۔ تو نے اسے نرک کا راستہ نہ دکھایا ہوتا، تو یہ ویشیا کے بدلے کسی کل کی گرہ لکشمی، کسی ہندو گھر کی منگل مئی دیوی ہوتی۔ لیکن اب کیا ہے؟ پنیہ کو ڈسنے والی ناگن۔ بھارت کی چھاتی میں چبھا ہوا کانٹا۔ سماج کے بدن کا کوڑھ۔ آج گنگا میں، میں بھی ڈوبوں گا اور تجھے بھی ڈوبنا ہوگا۔ (رادھے کا گلا پکڑ کر) اِدھر چل۔ تو جیتا رہا، تو دنیا میں ستیوں کے دھرم کو جیتا نہ رہنے دے گا۔

رادھے کانت: (جیب سے پستول نکال کر) گلا چھوڑ دے۔

ہرپرشاد: اب نہیں چھوٹ سکتا۔ تیرا گلا، تیری مرتیو کے ہاتھ میں ہے۔

رادھے کانت: کمینے—

(پستول سے دھمکی دیتا اور پستول چل جاتا ہے)

ہرپرشاد: (گولی کھا کر) آہ......

(گر پڑتا ہے)

رادھے کانت: اُف۔ ذرا سی بے پروائی نے دھمکی کو موت سے بدل دیا۔ نکل جاؤں۔ ٹھہرا تو خون انصاف کی دہائی دینا شروع کردے گا۔

(بھاگنا چاہتا۔ پھول دوڑ کر ہاتھ پکڑ لیتی اور ساتھ ہی پستول چھین لیتی ہے)

پھول کماری: ٹھہر۔ کہاں چلا؟ اب کس کنواری کنیا، کس غریب ودھوا، کس ابھاگے بھائی کے خون اور آنسو سے اپنے کرم کی کھیتی سینچنے جارہا ہے؟ مدعی فریاد لے کر عدالت میں جاچکا، تجھے بھی جواب دینے کے لیے جانا ہوگا۔ ایشور کا نیائے، نرک کے دروازے پر تیرا انتظار کررہا ہے— کتے مر۔

(پستول مارتی ہے۔ پستول کی آواز کے ساتھ سونا، روپا اور کئی دوسرے آدمی سہما آجاتے ہیں)

سونا: یہ کیا!— دو خون!!— کس نے کیے؟

پھول کماری: اس دھرم مورتی کو اِس پاپ نے مارا— اور اس پاپ کو، اس پاپنی ویشیا نے مار ڈالا۔

رادھے کانت: دو شبد— مرتیو، دو شبد— وہ اس کا بچہ نہ تھا— میرا پرپنچ تھا۔ ساوتری— نِش کلنک— اور— ستی— ہے۔

(مرجاتا ہے)

روپا: (ساتھیوں سے) سن لی۔ سن لی۔ مرتے ہوئے راکشس کے منھ سے ستیہ کی جے سن لی۔

ساوتری: اے دنیا سے جانے والی آتما، تو نے انتم سے سچ بول کر اپنے پاپ کا پرائشچت کردیا— میں تجھے شما کرتی ہوں۔

پھول کماری: تم شما کردو— لیکن اس نے غریبوں کے کلیجے میں اتنے گھاؤ لگائے ہیں کہ ایشور اسے کبھی شما نہ کریں گے۔ ایشور کا ٹھٹھا کرنے والوں کے لیے شما نہیں ہے۔ سزا ہے۔ دھکار ہے— اور نرک ہے— بھائی!— تم نے نرلج بہن کی صورت نہ دیکھنے کے لیے، شرم اور غصے سے آنکھیں بند کرلیں— لیکن سورگ میں جانے سے پہلے اتنا بتاتے جاؤ کہ اس چہرے پر لگی ہوئی کالک، اس ویشیا شبد کی آگ میں جلتی ہوئی آتما پر چھایا ہوا پاپ کا دھواں کس طرح دور ہوسکتا ہے؟ ہائے ہائے سے۔ پچھتاوے سے۔ آنسو سے؟— نہیں!— پھر؟— کیا کہا! کیا کہا!!— مرتیو سے؟— ہاں— ہاں— مرتیو سے۔

(پستول سے آتم ہتیا کرلیتی ہے)

انک تیسرا — درشیہ نواں

راستہ

(ساوتری، سونا، روپا اور نگرواسی)

سونا: جھوٹ کے کالے بادل چھٹ گئے۔ آج سچائی کے آکاش میں پنیہ کا چاند پھر چمک رہا ہے۔

روپا: اور دنیا اس کی روشنی میں پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آرہی ہے۔

سونا: رادھے کانت کے آخری شبد سن کر ہر ایک دوش لگانے والا اپنی بھول پر شرمندہ ہے۔

ساوتری: بھائی— یدی ایشور گرتوں کو نہ سنبھالیں۔ اور گر چکے ہوؤں کو نہ اُٹھائیں تو دنیا کو کیسے نشچے ہو کہ وہ دیامے ہیں۔

سونا: دیوی چلو۔ آشرم کے دروازے پر نگر واسیوں کی شردھا اور بھکتی تمھارا انتظار کررہی ہے۔

(سین بدلتا ہے)

وِدھوا آشرم

روپا: ستیہ کی جے۔

سونا: دیوی ساوتری کی جے۔

(سونا روپا گلے میں ہار پہناتے اور نگر واسی ساوتری پر پھول برساتے ہیں)

—ڈراپ—

(سماپت)

دِل کی پیاس

1930

دل کی پیاس (1931)

یہ ڈراما 1931 میں مدنس تھیٹرز لمیٹڈ کی پارسی الفنسٹن ڈرامٹک کمپنی کے لیے لکھا گیا تھا۔ مدنس کے لیے لکھا گیا یہ آغا حشر کا آخری ڈراما ہے۔ بلکہ ہندی ڈراموں کے سلسلے کی بھی یہ آخری کڑی ہے۔ پچھلے ڈراموں کی طرح یہ ڈراما بھی سماجی اصلاح کی کوششوں پر مبنی ہے۔ مغربی تہذیب کی عارضی رنگینیوں کے مقابلے میں ہندوستانی تہذیب کی دیرپا اقدار کی نمائندگی آغا حشر کا پسندیدہ موضوع تھی۔ چنانچہ اس ڈرامے میں بھی یوروپی تہذیب کی اندھی تقلید کے نتائج کی جھلک دکھا کر نوجوانوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس زمانے میں ڈرامے نوجوانوں کے درمیان سماج کو سمجھنے اور مستقبل کی راہ عمل طے کرنے کے لیے ایک بہترین محرک کا کام کر رہے تھے، اس لیے اس سبق آموز ڈرامے کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا۔ نوجوان نسل نے اسے بے حد پسند کیا اور اس کے متواتر اور متعدد شو ہوئے۔

آغا حشر کے ذخیرے سے اس ڈرامے کے دو مسودے برآمد ہوئے ہیں۔ پہلا مسودہ منتشر اوراق کی شکل میں لیکن اچھی حالت میں ہے۔ اس کی تحریر واضح اور خوش خط ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر اردو میں 'دل کی پیاس' اور انگریزی میں 'Thirst of Heart' لکھا ہوا ہے۔ اس میں صفحات کے نمبر ہر سین میں الگ الگ ڈالے گئے ہیں۔ مسودے کے آخر میں کاتب کا نام عبدالجبار انصاری لکھا ہوا ہے اور اختتام کتابت کی تاریخ سہ شنبہ، 22؍ دسمبر 1931 درج ہے۔ عبدالجبار انصاری آغا حشر کے حقیقی بھانجے اور عبدالقدوس نیرنگ کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ آغا صاحب کی عمر کے آخری حصے میں زیادہ تر ان کے ساتھ رہے، اس لحاظ سے اس مسودے کی اہمیت مسلم ہے۔ اس کے اپنی شکل ظاہری کے اعتبار سے بھی یہ مسودہ قدیم تر معلوم ہوتا ہے۔ غالباً یہ اس ڈرامے کی اولین نقل ہے۔ اس جلد میں شامل ڈرامے کا متن اسی مسودے کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔

دوسرا مسودہ مجلد کاپی کی شکل میں ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر نیلی روشنائی سے 'دل کی پیاس از ادیب جلیل، مصور فطرت، فخر ہندوستان، شیکسپیر ہند حضرت آغا محمد شاہ حشر کاشمیری' لکھا ہوا ہے۔ اس کے نیچے سیاہ روشنائی میں یہ عبارت درج ہے۔ 'پہلی بار پارسی الفنسٹن ڈرامٹک کمپنی، کورنتھین تھیٹر میں 16 / جنوری 1932 ، سنیچر کی رات کھیلا گیا'۔ لیکن یہ تحریر بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ اس صفحے کے پہلے والے صفحے پر اسی خط میں سلسلے وار یہ تین نکات درج ہیں۔ (1) عہد حاضر کی تہذیب و معاشرت اور تعلیم یافتہ افراد کے تخیلات و رجحانات پر تنقید (2) حال کے نہایت اہم ترحل طلب مسئلہ پر بحث (3) دل و دماغ کے لیے دعوت فکر۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں باتیں اسی ڈرامے سے متعلق ہیں۔ اس مسودے میں کہیں کاتب کا نام اور تاریخ کتابت درج نہیں۔ مشمولہ متن کی تیاری کے دوران اگر پہلے مسودے میں کسی جگہ کوئی دشواری پیش آئی تو اسے اس دوسرے مسودے کی مدد سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ناٹک کے پاتر

پُرش پاتر:

1۔ مدن موہن	بھارتیہ سبھیتا کا ورودھی ایک مال دار
2۔ پرتاپ	مدن موہن کا بیٹا
3۔ پریم ناتھ	مدن موہن کا دوست
4۔ گنیش پرشاد	ایک ڈاکٹر
5۔ رام جی کپور	کلب کے سدسیہ
6۔ پروہت	شادی کرانے والا
7۔ راجا لال	ایک نوجوان
8۔ من سکھ	راجا لال کا دوست
9۔ کرم چند	ایک وکیل

استری پاتر:

1۔ کرشنا سندری	مدن موہن کی پہلی پتنی
2۔ منورما	مدن موہن کی دوسری پتنی
3۔ شنکری	مدن موہن کی وفادار نوکرانی
4۔ کملا	کرم چند کی بیٹی
5۔ سبھدرا	راجا لال کی چچی

اِتیادی......

باب پہلا — سین پہلا

ڈرائنگ روم

کرشنا سندری: پریم کی سرشٹی۔ سورگ کی سانس کی خوشبو۔ پراتہ کال کی مسکراہٹ میں گھلی ہوئی چاند کی روشنی اور دیوتاؤں کے ستار کی جھنکار سے ہوئی ہے۔ نہیں تو اس کا نام لیتے ہی دنیا کے اندھیرے میں ایک ساتھ ہزاروں سوریہ چندر کیوں چمکنے لگتے ہیں؟ اس کی جھلک دیکھتے ہی آتما کا وِلاپ، کویل کی کوہو اور پھولوں کے گیت سے کیوں بدل جاتا ہے؟ پریم کی وِدّمانتا مرجھائے ہوئے جیون کی بسنت رتو اور پریم کی انوپستھتی دنیا کے سنتوش اور سوندریہ کی مرتیو ہے۔ دھنیہ ہیں میرے پتی دیو، جن کی کرپا سے آج ہر طرف اننت پنیہ پرتھا، اننت پوترتا اور اننت شانتی دکھائی دے رہی ہے۔ مانو یہ گھر پریم کا سورگ ہے اور میں اس سورگ کے ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی سکھ کی ہنسی ہوں۔

پرتاپ: ماتا۔ کل اسکول جاتے سمے پتا جی مجھ سے کہنے لگے کہ جلدی جلدی انگریزی پڑھ لو۔ میں تمھیں ولایت بھیجوں گا۔ ولایت کہاں ہے ماں؟

کرشنا سندری: ولایت اس دھرتی کا وہ بھاگ ہے جہاں ایشور کا راجیہ ختم ہوچکا۔ جہاں دھرم کے بدلے دھن کی پوجا کی جاتی ہے۔ جہاں کے لوگ تھیٹر، کلب اور ہوٹلوں کو اپنا سورگ جانتے ہیں۔ جہاں کی عورتیں ماتا اور پتنی کا کرتویہ بھولتی جاتی ہیں۔ جہاں سوتنترتا کے گہنوں کے نام سے منشیتا کے لیے روز نئی نئی زنجیریں تیار ہوتی ہیں۔ جہاں امیروں کے محلوں میں سونے کے پہاڑ اور غریبوں کے جھونپڑوں میں آنسوؤں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔

پرتاپ: لیکن ماں۔ انگریزی تو یہیں سیکھ رہا ہوں پھر پتا جی اور کیا سیکھنے کے لیے وہاں بھیجنا چاہتے ہیں۔

کرشنا سندری: جس آریہ ورت نے سب سے پہلے سنسار کے ہونٹوں سے سبھیتا شبد کا پریچے کرایا، اُس آریہ ورت میں جنم لینے سے شرمانا، جاتی اور دیش سے گھرنا کرنا، اِس لوک کی لالساؤں سے نظر ہٹا کر اُس لوک کی طرف دیکھنے والوں کو بیوقوف سمجھنا، یہی باتیں لڑکے وہاں سے سیکھ کر آئے ہیں اور یہی تم بھی سیکھ کر آؤ گے۔ نہیں بٹیا، تم اپنے پتا جی سے کہہ دینا کہ ڈاکٹر اور بیرسٹر بننے کے لیے ولایت نہیں جاؤں گا۔ مجھے یہیں شکشا دیجیے۔ میں ولایت بھومی کی سنتان نہیں، بھارت بھومی کا یگیہ پتر بننا چاہتا ہوں۔

پرتاپ: ماں، تمھیں اس دیش کا حال کیسے معلوم ہوا؟

کرشنا سندری: ہندی اخباروں سے۔ اس کاغذ کے آئینے میں ہر دیش کا چہرا اصلی روپ میں دکھائی دیتا ہے۔

(شنکری کا پرویش)

شنکری: پرتاپ۔ تمھارے پتا جی تمھیں باغ میں بلا رہے ہیں۔

پرتاپ: کیوں؟

شنکری: تمھارا پیارا لینا چاہتے ہیں۔

پرتاپ: واہ وعدہ کرکے مٹھائی تو کھلاتے نہیں اور پیار مانگتے ہیں۔ نہیں۔ میں اب پتا جی کو ان گالوں کا پیار اُدھار نہیں دوں گا۔

کرشنا سندری: اجی مہاشے۔ پرسوں شنکری کے سامنے فیصلہ ہو چکا تھا کہ ماتھے اور آنکھوں پر تمھارے پتا جی کا اور گالوں پر میرا ادھیکار ہے۔ پھر تم نے گالوں کا پیار اپنے پتا جی کو کیوں دیا۔

پرتاپ: ماں تمھیں نے تو سکھایا ہے کہ بیٹے کو ہمیشہ باپ کا حکم سننا چاہیے۔ اچھا خفا نہ ہو۔ میں پیار بانٹ دیتا ہوں۔ آج سے یہ گال پتا جی کا اور یہ گال تمھارا۔

(ہنستے ہوئے سب کا پرستھان۔ ہاتھ میں انگریزی اخبار لیے ہوئے مدن موہن کا پرویش)

مدن موہن: دنیا کے ہر دیش میں وچار کے اندھیرے پر سائنس اور فلاسفی کی روشنی فتح پا رہی ہے۔ مری ہوئی آتمائیں جیوت ہو رہی ہیں۔ چھاتی پر دھرم اور رسم و رواج کا رکھا ہوا پتھر ہٹ جانے سے سوتنترتا کی رکی ہوئی سانس چلنے لگی ہے۔ جیون کی نشچل اور ٹھنڈی نبض میں دوڑتے ہوئے گرم لہو کی پیدائش شروع ہوگئی ہے۔ پُرشوں نے دنیا کے سوندریہ اور سکھوں میں استریوں کا ادھیکار سویکار کرلیا ہے۔ لیکن اس نوین یگ میں رامائن اور مہابھارت کے سمے کی سبھیتا کا سوپن دیکھنے والا بھارت خود بھی کلپت پراچین شاستروں کی غلامی کررہا اور استریوں کو بھی دھرم کرم کی زبان سے پُرشوں کی غلامی کی شکشا دے رہا ہے اور آشچریہ تو یہ ہے کہ بھارت کی مورکھ استریاں بھی اس غلامی ہی میں ناری جیون کا گورو سمجھ رہی ہیں۔

(الماری کھول کر شراب کا کنٹر اور گلاس نکالتا۔ گلاس بھرتا اور تھوڑا پی کے ٹیبل پر رکھ دیتا ہے۔ اس کے بعد صوفے پر بیٹھ کر انگریزی اخبار دیکھتا ہے۔ پرتاپ کا پرویش)

پرتاپ: پتا جی۔ آپ نے مجھے باغ میں بلایا ہے اور خود یہاں آگئے۔ کیوں بلایا تھا؟

مدن موہن: تمھیں بلایا ہے......

پرتاپ: مٹھائی کھلانے کے لیے۔

مدن موہن: نہیں خفا ہونے کے لیے۔

پرتاپ: ہمارے اسکول ماسٹر صاحب خفا ہونے کے وقت سر سے ٹوپی اتار کر ٹیبل پر پٹک دیتے اپنی بھوؤں کو کھینچ کر ماتھے پر چڑھا لیتے اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے بید کو زور زور سے گھمانے لگتے ہیں۔ لیکن آپ کے چہرے پر تو ہنسی

دکھائی دے رہی ہے۔ غصے کا چہرا بنائے بنا کس طرح غصہ کیجئے گا۔

مدن موہن: میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ تم آج اسکول کیوں نہیں گئے۔

پرتاپ: واہ وا پتا جی۔ آپ ہندو ہوکر اتنا بھی نہیں جانتے کہ آج بھگوان شری کرشن کا جنم دن ہے۔ اسکول میں جنما شٹمی کی چھٹی ہے۔

مدن موہن: سال میں دن تین سو پینسٹھ اور اسکولوں اور کالجوں میں چھٹیاں دو سو ساٹھ۔ یونیورسٹیوں کو مشکل سے مشکل کورس پڑھانے کی دھن۔ ایگزیمنرس کو لڑکوں کو فیل کرنے کا خبط۔ پرنسپلوں اور ہیڈ ماسٹروں کو چھٹیاں دینے کا شوق۔ یہی کارن ہے کہ لڑکوں میں کوئی ٹھوس یوگیتا پیدا نہیں ہوتی۔ ہر سال سو میں سے ستر فیل ہوتے اور باقی بھی ایڈیسن اور میکالے بننے کے بدلے کالجوں سے کیول آفسوں کے کلرک اور بی اے، ایم اے کی ڈگریوں کا بوجھ ڈھونے والے قلی بن کر نکلتے ہیں۔ اوہ! ماں باپ کا روپیہ اور آشا برباد۔ لڑکوں کا ٹائم اور لائف برباد۔ دیش کا فیوچر برباد۔ سب برباد۔

پرتاپ: پتا جی آپ نے کہا تھا کہ جلدی جلدی انگریزی پڑھ لو، میں تمھیں ولایت بھیجوں گا۔ سنیے میں ولایت نہیں جاؤں گا۔

مدن موہن: کیوں؟ کیا اس لیے کہ اس پھیکا کھانے والے ملک میں گھاسی رام کے چٹپٹے چنے اور رام دھن حلوائی کی دوکان کے پاپڑ نہیں ملتے۔

پرتاپ: ماتا جی کہتی ہیں کہ لڑکے اس دیش سے واپس آکر اپنے دیش کو بھول جاتے ہیں۔

مدن موہن: تمھاری ماتا ٹھیٹ ہندستانی ہیں۔ میں ان کے انھیں دیسی وچاروں پر ہنسا کرتا ہوں۔ بیٹا۔ تم ان کا یہ اپدیش بھول جاؤ۔ ان کے پاس روپ ہے، بدھی نہیں ہے۔ اسی لیے میں انھیں خوبصورت، بیوقوف کہتا ہوں۔

پرتاپ: وہ دیکھیے ماتا جی آرہی ہیں۔

(کرشنا سندری کا پرویش)

کرشنا سندری: (زمین پر بیٹھ کر اور ہاتھ جوڑ کر) بھگتی اپنے پربھو کے چرنوں میں نمسکار

کرتی ہے۔

مدن موہن: کرشنا۔ سنسار کی سرشٹی کیول پرشوں کے لیے نہیں ہوئی ہے۔ اس کے سوریہ چندر کے پرکاش، اس کے پھولوں کے رنگ سگندھ، اس کے پکشیوں کے سنگیت، اس کی ہنسی، اس کے سکھ، اس کے سندر درشیوں پر استریاں بھی برابر کا ادھیکار رکھتی ہیں۔ تم میری جیون سنگنی ہو، داسی نہیں ہو۔ اس طرح بات بات پر سر جھکانا، ہاتھ جوڑنا، پاؤں چومنا میں پسند نہیں کرتا۔ یہ پتی بھکتی نہیں، آتم گورو کی ہتیا، ناری مہانتا کا اپمان، دھارمک پاگل پن اور منشیتا کا انتم پتن ہے۔

کرشنا سندری: نہیں سوامی، یہی ناری کا کرتویہ، اور یہی دھرم شاستروں کی آگیا ہے۔

مدن موہن: استریوں کو شاستروں کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ ناری جاتی کو غلامی کی شکشا دینے والے شاستر سوارتھی پرشوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

کرشنا سندری: پران ناتھ....

مدن موہن: کرشنا، شوک ہے کہ تمھارے پتا نے انگریزی پڑھانے کے بدلے تمھیں ہندی اور سنسکرت پڑھائی، اسی لیے آج جب کہ ہزاروں استریاں سوسائٹی کے آکاش پر تارے بن کر چمک رہی ہیں، تم سمندر میں ڈوبے ہوئے بھارتی پتھر کی طرح اتھاہ اندھیرے میں پڑی ہوئی ہو۔ کب تک اپنے وچاروں کو دھرم کی زنجیروں میں، اپنے شریر کو گھر کی دیواروں میں اور اپنے چہرے کو گھونگھٹ میں قید رکھو گی؟ اس گھونگھٹ، پردے، شرم کو تیاگ کر ایک بار گھر سے باہر نکلو۔ سوسائٹی کی ہنسی خوشی میں حصہ لو، ریس گراؤنڈ سنیما، تھیٹر کی سیر کرو اور دیکھو کہ یہ دنیا کتنی مہان، کتنی منوہر اور کتنی سندر ہے۔

کرشنا سندری: پربھو میں دنیا کو دیکھ کر کیا کروں گی؟ میری دنیا آپ ہیں اور اس دنیا کی مہانتا اور سوندریہ آپ کا پریم اور آپ کی بھکتی ہے۔

مدن موہن: کرشنا، میں نے کئی بار تمھاری بھول تمھیں سمجھائی لیکن تم نہ سمجھ سکیں اور سمجھنا چاہتی بھی نہیں۔ تم میرے لیے دن دن نرجیو، نر آکرشک، نرس وستو بنتی جاتی

ہو۔ میں تم میں جو ڈھونڈھتا ہوں مجھے نہیں ملتا— گلاس اٹھا دو۔

کرشنا سندری: گلاس!— اس گلاس میں تو......

مدن موہن: چاند کی کرنوں سے نچوڑی ہوئی روشنی ہے۔ پگھلی ہوئی آگ نہیں ہے، اُٹھا لاؤ۔ اس کے چھونے سے تمھاری انگلیاں نہ جل جائیں گی۔

کرشنا سندری: ناتھ، انگلیاں نہ جلیں لیکن اس گندی وستو کو چھو کر ہاتھوں کی پوترتا ضرور جل جائے گی۔

مدن موہن: ارتھات۔

کرشنا سندری: سوامی، آج کے سوا آپ نے کبھی مجھے ایسی آگیا نہیں کی۔ جن ہاتھوں سے بھگوان کی مورتی پر پھول چڑھاتی ہوں، جن ہاتھوں سے آپ کی چرن رج کو اپنے سہاگ کا سندور بناتی ہوں، جن ہاتھوں کو جوڑ کر آپ کے لیے برہمن اور سادھوؤں سے آشیرواد مانگتی ہوں، انھیں ہاتھوں سے اس گھرنت کنٹر اور اس گندے گلاس کو چھونے کا ساہس نہیں کرسکتی۔ اِن ہاتھوں کو چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کردیجیے، پتھر سے کچل دیجیے، آگ میں جلا دیجیے۔ لیکن انھیں پاپ کی سیوا کے لیے بادھیہ نہ کیجیے۔

مدن موہن: یہی سوامی بھکتی ہے؟ یہی شردھا ہے؟ کیا تم اب تک بھکتی اور سیوا کے شبدوں سے میرے کانوں کو دھوکا دے رہی تھیں؟ دیکھو— پہچانو— بدل نہیں گیا۔ میں اب بھی وہی ہوں، جسے تم اپنا دیوتا کہتی تھیں، گلاس چھونا پاپ ہے تو کیا دیوتا کی آگیا سے وِرّدھ کرنا پاپ نہیں ہے؟

کرشنا سندری: ناتھ، اس گندی بھیشن وستو کے چھونے کا وچار آتے ہی میرا دھرم بھے بھیت ہوکر کانپنے لگتا ہے۔ یدی دھرم کو اس کی اپوتر چھایا سے بچانا میرا اَپرادھ ہے تو اس اَپرادھ کے لیے مجھے شما کیجیے۔ میں آنچل پھیلا کر آپ سے شما کی بھیک مانگتی ہوں۔

مدن موہن: پتی کے کیچڑ بھرے پاؤں چھو سکتی ہو۔ گھر کی گندی وستوؤں کو چھو سکتی ہو۔ چھری کی دھار کو چھو سکتی ہو۔ زہر کو چھو سکتی ہو، لیکن اس گلاس کو جس میں

جیون کی امرت مئی راگنی اور کویل کے گلے کی پگھلی ہوئی مٹھاس بھری ہوئی ہے، نہیں چھو سکتیں۔ وچتر ہو تم بھارت کی استریاں اور وچتر ہے تم استریوں کا دھرم۔

پرتاپ: پتا جی خفا نہ ہو جیے— میں اٹھا لاتا ہوں۔

(گلاس اٹھانے کے لیے بڑھتا ہے۔ کرشنا روکتی ہے)

کرشنا سندری: خبردار!— اسے نہ چھونا— جانتا ہے اس گلاس میں کیا ہے؟ شیشے کے نرک میں پاپ کی چھاتی پر بیٹھا ہوا سروناش۔ نشے کی لہروں پر ناچتا ہوا شراپ۔ امیروں کی دولت، غریبوں کی کمائی، جوانوں کی تندرسی، بوڑھوں کی شانتی کو دیمک کی طرح چاٹ جانے والا روگ۔ اس تھمے رکے ہوئے پانی نے، نہ دکھائی دینے والا طوفان بن کر سینکڑوں دیش، ہزاروں جاتیوں، لاکھوں کنبوں کو آنسوؤں میں ڈبا دیا ہے۔ اس نے اپنی لہروں میں بہا کر لاکھوں پرشوں کو جیل اور پاگل خانے پہنچا دیا ہے۔ بیٹھ۔ پاؤں چھو۔ قسم کھا کہ دولت، جوانی اور سوتنترتا ملنے پر کبھی شراب کے گلاس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں گا۔ قسم کھا کہ نرک کی کیچڑ اور پاپ کے بدن کا بدبودار پسینہ سمجھ کر ہمیشہ اس گندے پانی سے گِھرنا کروں گا۔

پرتاپ: ماں، تم کیا کہہ رہی ہو؟

کرشنا سندری: بھگوان، جوانی میں میرے بچے کے دھرم اور بدھی کی رکشا کرنا اور پتی کو پرسن کرنے کے لیے جو اَپرادھ مجھ سے ہو، اُسے دیا درشٹی سے دیکھنا— سوامی لیجیے۔

(گلاس اٹھا کر اور منہ پھیر کر کانپتے ہاتھوں سے مدن موہن کو دیتی ہے)

مدن موہن: اتنی گِھرنا! اتنا اپمان!! دھرم سب کچھ اور پتی کچھ نہیں۔ جس طرح تم نے گلاس دیا ہے، اُس طرح تو نیچ سے نیچ بھکاری کو بھیک بھی نہیں دی جاتی۔

(گلاس کرشنا کے بدن پر پھینک کر غصے میں چلا جاتا ہے)

پرتاپ: یہ کیا ہوا؟ — ارے! تم رو رہی ہو؟ — کیوں روتی ہو ماں؟
کرشنا سندری: اس لیے کہ میرے دیوتا مجھ سے خفا ہو گئے۔

(پرتاپ کو لے کر سر جھکائے آنچل سے آنسو پونچھتی ہوئی اندر جاتی ہے)

باب پہلا — سین دوسرا

گارڈن پارٹی

(خوش رنگ گلدستوں، طرح طرح کی مٹھائیوں، ہر قسم کے پھلوں، وہسکی، برانڈی، پورٹ، کلیرٹ، شامپین کی بوتلوں سے سجی ہوئی لمبی میز کے چاروں طرف کرسیاں رکھی ہوئی ہیں اور بوائے اور خانساماں کھڑے ہیں)

مدن موہن: کتنی خوبصورت شام۔ پشچم میں پھیلی ہوئی زردی کو دیکھ کر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ ڈوبتے ہوئے سورج کے ہاتھوں سے گر کر وہسکی کی بوتل ٹوٹ گئی ہے اور سنہری رنگ کی شراب میں بھیگ کر آکاش بھی سنہری ہوگیا ہے۔

(فیشنیبل ڈریس میں منورما کا پرویش)

منورما: گڈ ایوننگ مسٹر مدن موہن۔

مدن موہن: گڈ ایوننگ۔ گڈ ایوننگ — یور پریزنس واز موسٹ نے سس سری۔ آپ کے نہ آنے سے آج کی گارڈن پارٹی بہت اُداس اور پھیکی رہتی۔

منورما: اُداس؟ اور پھیکی؟ یعنی میں نہ آتی تو اِس میز پر چنی ہوئی مٹھائیوں کا ٹسٹ، پھلوں کا مزا اور شراب کا نشہ کم ہوجاتا (ہنس کر) ہاہاہا۔ مسٹر مدن موہن آپ نے عورتوں کی خوشامد کرنا کس سے سیکھی؟

مدن موہن: اپنے ماسٹر یورپ سے۔ اسی نے ہمیں سکھایا کہ عورت کو ایجوکیشن دو، آزادی دو، عزت دو اور اسے اندھیرا سمجھنے کے بدلے سوسائٹی کی روشنی سمجھو۔ جہاں

روشنی ہے، وہیں دنیا کی شوبھا ہے اور جہاں انلائٹینڈ اور ایجوکیٹڈ عورت ہے، وہیں زندگی کی خوشیاں ہیں۔

منورما: (تالی بجا کر) ہیر ہیر ہیر۔ ہم پڑھی لکھی عورتوں کے فیور میں آپ نے خوب شورٹ اینڈ سویٹ اسپیچ کی— تھینک یو۔

مدن موہن: مس منورما، اس سوال کے لیے مجھے ایکس کیوز کیجیے گا۔ کیا اس ریومر میں کچھ سچائی ہے کہ مسٹر للت کمار آپ سے بیاہ کرنے کی ٹرائی کر رہے ہیں؟

منورما: للت کمار پاگل آدمی ہے۔ تھرڈ گریڈ کا ڈپٹی مجسٹریٹ۔ ڈھائی سو روپے تنخواہ اور ایک لیٹ بیرسٹر کی بی اے پاس لڑکی سے بیاہ کی ٹرائی۔ نون سنس اور ضرورتوں کو چھوڑو، اتنی چھوٹی سی تنخواہ میں تو وہ میرے سینٹ، پوڈر، جوتی، موزے کا خرچ بھی پورا نہیں کرسکتا۔ مسٹر مدن موہن، یہ فیکٹ ہے کہ میں دنیا میں اکیلی ہوں اور بہت تھوڑی انکم کی مالک ہوں۔ پھر بھی تنہائی اور آمدنی کی کمی سے گھبرا کر زندگی کے راجیہ میں مرد کی رعیت بن کر رہنا نہیں چاہتی۔

مدن موہن: تو کیا آپ کبھی شادی نہ کریں گی؟

منورما: (ہنس کر) نو سر۔ شادی، زندگی کی سب سے بڑی بیوقوفی ہے۔ بلیف تو نہیں ہے کہ میں بیوقوف بنوں۔

مدن موہن: میں فارچون ٹیلر بن کر کہتا ہوں کہ آپ کو اپنا وچار بدلنا ہوگا۔

منورما: آل رائٹ سر۔ مجھ میں ہٹ نہیں ہے۔ اگر دنیا نے وچار بدلنے کی ضرورت ثابت کردی تو بدل دوں گی۔

(مہمان آتے ہیں)

مدن موہن: آیئے آیئے۔ ولکم۔

(ہر مہمان سے ہاتھ ملاتا ہے اور ان کے آنے پر خوشی کا اظہار کرتا ہے)

منورما: (ہاتھ ملا کر) مسٹر پریم ناتھ، شملہ کی ہوا نے آپ کی ہیلتھ کو بہت فائدہ

پہنچایا۔ (دوسرے سے) پارٹی دینے کے لیے تیار رہیے۔ اب کے میونسپل الیکشن میں سب سے زیادہ ووٹ آپ ہی کے ہوں گے۔

پریم ناتھ: (منورما سے) لنڈن ٹائمز میں فیمیل ایجوکیشن پر آپ کا آرٹیکل بہت ہی ٹھوس اور زوردار تھا۔ اس سال نوبل پرائز مس منورما بی اے کو ملنا چاہیے۔

منورما: تھینکس۔

مدن موہن: (مہمانوں سے میز کی طرف چلنے کا اشارہ کرکے) پلیز او بائج۔ دوستو، یہ بات مشہور ہے کہ ہندستان کا میوہ پھوٹ ہے۔ گھر، کنبے، سماج کی کسی سیوا، دیش اُدّھار کی کسی اسکیم، سوشل ریفارم کے کسی کام میں ہندستانی سہمت نہیں ہوسکتے۔ لیکن آج کی یہ گیدرنگ ثابت کردے گی کہ بھارت کی ایجوکیٹڈ پارٹی ایکتا اور پریم سے دنیا میں رہنا اور جینا سیکھ گئی ہے۔ اس خوشی میں کہ یورپ کے انجکشن سے ہمارے بیمار وچار تندرست ہوگئے۔ گلاس بھریے اور یہاں سے جانے کے بعد نوین سبھیتا کا سندیسہ سنانے کے لیے سوئے ہوئے بھارت کو جگانے کی کوشش کیجیے۔

(سب لوگ کھانے پینے میں مصروف ہوجاتے ہیں)

پریم ناتھ: مسٹر مدن موہن۔ آپ استری جاتی کے ویل وشر، فیمیل ایجوکیشن اور فیمیل فریڈم کے طرفدار، گھونگھٹ پردے کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ لیکن میں نے آج تک آپ کی مسز کو کسی ریفارم میٹنگ اور کسی سوشل کانفرنس میں نہیں دیکھا اور آج بھی گھر آئے ہوئے مہمانوں کا سواگت کرنے کے لیے وہ کہیں نہیں دکھائی دیتیں۔ کیا آپ کوئی ایسا کاز بتائیں گے جس سے میں یہ پہیلی بوجھ سکوں؟

مدن موہن: میرے دوست، میں نہایت دکھ اور شرم کے ساتھ آج پارٹی کے سامنے یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ میں نے بہت کوشش کی لیکن اپنی استری کے وچاروں کا پرانا اور اس کی آتما کا رنگ دور نہ کرسکا۔ وہ سیتا اور ساوتری کی دنیا سے نکل کر ماڈرن سویلیزیشن اور فیشن کی دنیا میں آنا نہیں چاہتی۔

ایک شخص: لیکن اس طرح تو آپ کی آواز ہر میٹنگ اور ہر پلیٹ فارم پر کمزور ہو جائے گی۔ جب آپ اپنے گھر کا سدھار نہیں کرسکتے تو دیش کا سدھار کس طرح کرسکتے ہیں؟

پریم ناتھ: گاؤں کا رہنے والا شہر کو دیکھے بغیر شہر کی خوشی اور خوبصورتی کا انومان نہیں کرسکتا، ان کی آنکھیں کھولنی ہیں تو ان ہنستی کھیلتی ہوئی بہنوں کو دیکھنے کے لیے انھیں یہاں بلائیے اور جب وہ دیکھ چکیں تو ان سے پوچھیے کہ دنیا میں کون زیادہ خوش ہے۔ گھر کی غلام استریاں یا آزاد استریاں۔

مدن موہن: کتنی بے سمجھ عورت (نوکر سے) بلا لاؤ (نوکر جاتا ہے، گلاس سے ایک گھونٹ پی کر) آپ نے ٹھیک رائے دی۔ آج اُسے ان بولتے ہوئے آئینوں میں اس کے دھرم شرم کی بدصورتی دکھانی چاہیے۔

دوسرا شخص: سدھارنے کا یہی راستہ تھا۔ اس راستے پر آپ کا یہ پہلا قدم ہے۔

(نوکر واپس آکر چپ کھڑا ہو جاتا ہے)

مدن موہن: کیوں! نہیں آئی؟ مجھے پہلے ہی وشواس تھا— نہیں اُسے یہاں آنا ہی ہوگا۔

(غصے میں اندر جاتا ہے)

منورما: ایشور پوجا، دھرم سیوا، لاج رکشا اور پتی بھکتی۔ ان مرد کی داسیوں کو زندگی کی ڈکشنری میں یہی چار شبد یاد ہیں اور انھیں کو طوطے کی طرح رٹا کرتی ہیں۔ شیم۔

پریم ناتھ: گھر بھر کی سیوا کرنا، بچے پالنا، پُران کی کتھائیں سننا، بس یہی ان کا جیون اور یہی ان کے جیون کا سکھ ہے۔

(مدن موہن کرشنا سندری کو کھینچتا ہوا لاتا ہے۔ ساتھ ساتھ شنکری بھی آتی ہے)

کرشنا سندری: دیا کرو ناتھ، دیا کرو۔

مدن موہن: سنسار جانوروں کی بستی نہیں ہے۔ جیل نہیں ہے۔ پاگل خانہ نہیں ہے۔ جیون کا سورگ ہے۔ لیکن تم ہی جیسی اشکشت استریوں نے اس سورگ کو مردوں کے لیے نرک بنا دیا ہے۔ میں بہت دنوں سے دھرم شرم کا ناٹک دیکھ رہا

ہوں۔ آج اس بیوقوفی کے ناٹک پر آخری ڈراپ ڈالنا چاہتا ہوں۔

کرشنا سندری: پربھو یدی آپ کے وچار میں دھرم شرم کا پوتر مندر استری کا قیدخانہ ہے تو جیسے بچہ ماں کی گود میں خوش رہتا ہے ویسے ہی میں بھی اس قید خانے میں خوش ہوں۔ مجھے میرے قید خانے میں واپس جانے دیجیے۔ کہیے کہیے۔ آپ کی سیوا میں، بھکتی میں، پریم میں، کس کرتویہ پالن میں مجھ سے اَپرادھ ہوا، جس کی سزا دینے کے لیے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔

مدن موہن: تمھارا یہی اَپرادھ ہے کہ تم آنکھیں کھول کر یہ دیکھنا نہیں چاہتیں کہ پڑھے لکھے پُرشوں کے وچار کدھر جارہے ہیں۔ شکشت استریوں نے کتنی انتی کی ہے۔ تمھاری بیوقوفیوں کو دیکھ کر سوسائٹی میری کمزوری پر کس طرح ہنس رہی ہے۔ دنیا کے سفر میں جب تم جیون بھر کے لیے میری ساتھی بنی ہو تو میں جس راستے پر چلوں اور جس راستے پر چلاؤں، تمھیں چلنا ہوگا۔

کرشنا سندری: نہیں سوامی نہیں۔ آپ مجھے کھینچ کر جس دنیا میں لے جانا چاہتے ہیں، وہ بہت بھیانک دنیا ہے۔ اس کا آکاش، پراچین، سبھیتا کی چتا کا دھواں۔ اس کے چاند سورج منشیتا کی چھاتی کے چھالے۔ اس کے پھول پاپ کی سانس کی چنگاریاں۔ اس کے پہاڑ دھرم کے الٹے ہوئے سنگھاسن۔ اس کے دریا، بھارت ماتا کی آنکھوں سے بہتی ہوئی آنسوؤں کی دھارا ہیں۔ میں اس نئی دنیا کی آزادی اور روشنی نہیں چاہتی۔ مجھے اس ہندو گھر اور اسی رام اور کرشن کی پرانی دنیا میں رہنے دیجیے۔

مدن موہن: ادھر دیکھو۔ سماج کے چمکتے ہوئے تاروں سے اس جگمگاتی ہوئی سوسائٹی کو دیکھو۔ آج سے یہی تمھاری دنیا ہے اور اسی دنیا میں تمھیں رہنا اور جینا ہے— سن لیا— جواب دینے کی کوشش نہ کرو۔ میں نہ جواب چاہتا ہوں۔ نہ اس چہرے پر گھونگھٹ چاہتا ہوں— گھونگھٹ دور کرو۔

کرشنا سندری: (گھبرا کر) اوہ! نہیں۔ ایسی آگیا نہ کیجیے۔ جس چہرے کو آج تک پتا، پتر، پتی کے سوا کسی پر پُرش نے نہیں دیکھا۔ وہی چہرہ......

مدن موہن: تم کالی نہیں ہو، اندھی نہیں ہو، بدصورت نہیں ہو، پھر چہرے سے گھونگھٹ ہٹانے میں کیوں شرم معلوم ہوتی ہے۔

(زبردستی گھونگھٹ ہٹا کر چہرا کھول دیتا ہے)

کرشنا سندری: بھگوان، میری لاج کی رکشا کرو۔

(بال کی لٹوں سے منہ چھپا لیتی ہے)

مدن موہن: گھونگھٹ کے گرہن سے چھوٹا تو کالے بادلوں میں چھپا لیا۔ چاند کو اپنی روشنی سے چمکنے دے۔

(بالوں کو ہٹا کر پھر چہرا کھول دیتا ہے)

کرشنا سندری: آہ!

(مورچھت ہوکر گر جاتی ہے۔ سب لوگ گھبرا جاتے ہیں)

ایک شخص: یہ کیا ہوا۔
پریم ناتھ: دل کو شاک پہنچنے سے بیہوش ہوگئی۔
مدن موہن: (جھنجھوڑ کر) کرشنا! کرشنا!!
منورما: کسی ڈاکٹر کو بلانا چاہیے۔
دوسرا شخص: مجھے ڈر ہے کہ ڈاکٹر کے آنے تک اس کا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔
پریم ناتھ: خون میں گرمی پیدا کرنے کے لیے برانڈی کا ڈوز دیجیے۔
مدن موہن: بسٹ میڈیسن۔

(گلاس میں برانڈی بھر کر پلانا چاہتا ہے۔ شنکری روکتی ہے)

شنکری: ٹھہرو۔ پاپ کے اندھیرے میں اتنا آگے نہ بڑھو کہ نرک سے ٹکرا جاؤ۔ بچے کے سمان نشپاپ اور گنگا کے سمان پنیہ مئی دیوی کی جیون پوترتا کو شراب میں

ڈبا دینا، یہی تمھارے اسکول اور کالجوں کی اُچ شکشا ہے؟ یہی تمھارے نوین سماج کا کرتویہ ہے۔ شرم کرو۔ کیا اسی آچرن سے اس دین ہین دیش کا سدھار اور بھارت کی ستیوں کا اُدھار کرنا چاہتے ہو؟

مدن موہن: اس گلاس کی چار بوندیں اس بجھتے ہوئے دیپک کے لیے تیل کا کام دیں گی۔ یہ شراب نہیں دوا ہے۔

شنکری: یہ دوا سہی۔ لیکن وہ دوا ہے جسے اُدھرم کے ڈاکٹر نے، دھکار کے ڈنک کی جلن اور سروناش کے دانتوں کے وِش سے تیار کیا ہے۔ یہ وہ دوا ہے جس سے شریر کی بیماریاں دور ہوجاتیں اور آتما میں ہزار روگ پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ وہ دوا ہے جسے پیتے ہی مرا ہوا پاپ جی اُٹھتا اور جیتا ہوا پنیہ مرجاتا ہے۔

مدن موہن: تو میری ماں بہن نہیں ہے، پھر کس ادھیکار سے مجھے روکتی ہے؟

شنکری: نشچے۔ ایشور اور سماج کی طرف سے۔ اپنے وویک سے جھوٹ بولنے، دھرم اور دیش کو دھوکا دینے، پاپ کی رکشا اور سہایتا کرنے کا کسی کو ادھیکار نہیں ہے۔ لیکن اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے کو دیا پنیہ کا راستہ بتانے اور دُربل کو اتیاچار کے حملوں سے بچانے کا ہر آدمی کو ادھیکار ہے۔ اسی ادھیکار سے میں کہتی ہوں کہ شراب گرا دو۔ گلاس پھینک دو۔ اور ایشور سے اس اکشمیہ اَپرادھ کے لیے شما مانگو۔

مدن موہن: بک مت۔ اسے ہوش میں لانے کے لیے شراب کی ضرورت ہے۔

شنکری: جب تک میں جیتی ہوں۔ میرے ہردے میں اس دیوی کی مہانتا جیتی ہے۔ میرے شریر میں اس گھر کا کھایا نمک جیتا ہے۔ تب تک اس گندے گلاس کی چھایا ان پوتر ہونٹوں پر نہیں پڑسکتی۔

مدن موہن: کس طرح؟

شنکری: بھگوان! مجھے پاپ سے لڑنے کا بل دو— اِس طرح۔

(گلاس چھین کر پھینک دیتی ہے۔ سب آشچریہ سے اسے دیکھتے ہیں)

باب پہلا— سین تیسرا

مدن موہن کے باغ کا دوسرا بھاگ

منورما: وہم میں بھی نہ تھا کہ ہنسی خوشی سے بِگن ہونے والی پارٹی کا اینڈ اتنا سورفل ہوگا۔ مسٹر مدن موہن۔ مہمان جاچکے۔ آپ کے دل کی اُداسی دور کرنے کے لیے میں ٹھہر گئی تھی۔ اب میں جانے کی اجازت چاہتی ہوں— آپ کیا سوچ رہے ہیں؟

مدن موہن: سوچ رہا ہوں کہ برف سے ڈھکے ہوئے جوالا مکھی پہاڑ کی طرح اوپر کی ہنسی سے اندر کی جلن کو کب تک دبائے رکھوں گا؟ سوچ رہا ہوں کہ اس طرح رنج اور افسوس کے ساتھ زندگی کے باقی دن کیسے پورے ہوں گے؟ کرشنا سے بیاہ کرکے مجھے استری کا پریم ملا، سیوا ملی، بھکتی ملی، دل کی خوشی نہیں ملی۔ خوشی چاہتا ہوں تو مجھے دوسرا بیاہ کرنا ہوگا۔

منورما: دوسرا بیاہ!

مدن موہن: کرشنا میرے وچاروں سے اتنی دور اور اتنی الگ ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں اس ہنستی کھیلتی ہوئی دنیا میں اکیلا ہوں۔ میری سہن شکتی اس دکھ بھری تنہائی سے اکتا گئی ہے۔ مجھے اب ایک دوست چاہیے۔ مس منورما۔ آپ بھی ابھی تک اکیلی ہیں۔ آپ کو بھی سہارے اور ساتھی کی ضرورت ہے۔ کیا ہم دونوں بیاہ کرکے زندگی بھر کے لیے ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے؟

منورما: آپ اتنا جلد بھول گئے۔ میں آج ہی بیاہ کے وشے میں اپنی رائے ظاہر

کرچکی ہوں۔

مدن موہن: مس منورما۔ ایک ایجوکیٹڈ مرد کو ایک سویلائزڈ، فری، اپٹوڈیٹ، ایڈوانسڈ عورت ہی دنیا میں خوش رکھ سکتی ہے۔ آپ سے زیادہ بہتر عورت اور بہتر بیوی مجھے نہیں مل سکتی۔ اس لیے میری ہیلپ اور سمپتھی کے خیال سے اپنی رائے بدل دیجیے۔ جب تک آپ راضی نہ ہوں گی، میں لگاتار آپ کے دل کی خوبصورتی سے اپیل کرتا رہوں گا۔

منورما: ڈیرفرینڈ۔ آپ کی وائف زندہ ہیں۔ ان کے جیتے جی اگر آپ نے مجھے اپنی جیون سنگنی بنا لیا اور میں نے بھی یہ جانتے ہوئے کہ آپ کنوارے نہیں میریڈ ہیں، اپنی رائے بدل کر آپ سے بیاہ کرلیا تو اس بیاہ کے اگینسٹ پریس اور پلیٹ فارم کے منھ سے کیا نوین سماج چلانا نہ شروع کرے گا؟ اس کے الگ ہو چکے ہوئے ہونٹ کس طرح آپس میں مل سکیں گے؟

مدن موہن: سماج کی پروا نہ کیجیے۔ دو چار ہزار روپے کسی ودھوا آشرم یا اچھوت اُدّھار فنڈ میں دے دوں گا، پھر کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ سماج کا ہاضمہ بہت زبردست ہے۔ وہ بڑے بڑے اَپرادھ اور بڑے بڑے پاپ ہضم کرچکا ہے۔

منورما: (دل میں) اس کے پاس اپٹوڈیٹ بیوی نہیں ہے اور میرے پاس دولت نہیں ہے۔ میں ایک 'ہاں' سے اس کے دل اور عقل پر قبضہ کرکے اس کی ساری دولت پر قبضہ کرسکتی ہوں۔ تب کیا ہاں کہہ دوں۔

مدن موہن: میری امید آپ کے ہونٹوں کی طرف دیکھ رہی ہے۔ مس منورما اسے کوئی جواب دیجیے۔

منورما: یہ زندگی کے کورٹ میں دو قسمتوں کا کیس ہے۔ میں اپنا فیصلہ کل سناؤں گی۔ گڈ بائی۔

مدن موہن: (روک کر) نہیں اپنا فیصلہ سنا دیجیے۔ (زمین پر گھٹنے ٹیک کر) کل اور پرسوں نہیں۔ آج ہی۔ اسی وقت۔

(کرشنا آتی ہے اور یہ درشیہ دیکھ کر چونک پڑتی ہے)

کرشنا سندری: میرے ہردے مندر کی مورتی پر استری کے چرنوں میں! ناتھ، یہ کیا؟

مدن موہن: میں روگی ہوں یہ دوا ہیں۔ میں پیاسا ہوں یہ پانی ہیں۔ میں نوین سبھیتا کا پجاری ہوں یہ سوتنترتا کی دیوی ہیں۔ تمھاری طرح ان کا ماتھا بھارت کے دھرم اور دیوتاؤں کی چوکھٹ پر جھکا نہیں رہتا۔ تمھاری طرح ان کی آتما رشیوں اور برہمنوں کی بنائی ہوئی زنجیر میں جکڑی ہوئی نہیں ہے۔ میں گھٹنے ٹیک کر ان سے اپنے جیون کے لیے روشنی اور خوشی مانگ رہا ہوں۔

کرشنا سندری: میں سمجھی نہیں۔

مدن موہن: تمھارا دھرم، تمھارا وچار، تمھارے جیون کے سدھانت، سب میرے راستے سے الگ ہوکر چل رہے ہیں۔ میں 'آج' کی دنیا میں رہتا ہوں، تم 'دس ہزار برس پہلے کی دنیا میں رہتی ہو۔ میں تم سے نراش ہوگیا ہوں۔ گھبرا گیا ہوں۔ یدی ورتمان اوستھا میں کوئی پریورتن نہ ہوا تو نشچے کسی دن آتم ہتیا کرلوں گا۔

کرشنا سندری: آتم ہتیا!۔ آہ۔ نہیں۔ میں یہ شبد نہیں سن سکتی۔ آپ ہی میرا سنسار، آپ ہی میرا دھرم، آپ ہی میرے اس لوک کے ایشور اور آپ ہی میرے اُس لوک کا سکھ ہیں۔ میں اپنے شریر کا ایک ایک پرمانو، اپنے جیون کا ایک ایک دن اور ایک ایک سانس آپ پر نچھاور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آگیا کیجیے۔ اس داسی کی کس سیوا سے آپ کے ہردے کو شانتی مل سکتی ہے؟

مدن موہن: تمھارے پاس میرے لیے شانتی نہیں ہے۔ سنو، دنیا میں جیتا وہی ہے، جس کا دل جی رہا ہے۔ دل کو جیوت رکھنے کے لیے میں دوسرا وواہ کروں گا۔

کرشنا سندری: دوسرا بیاہ کیجیے گا!

مدن موہن: ہاں۔

کرشنا سندری: آپ میری سیوا سے پرسن نہیں ہیں؟

مدن موہن: نہیں۔

کرشنا سندری: میں دنیا میں آپ کے سکھ کا سادھن نہیں بن سکتی؟

مدن موہن: نہیں۔

کرشنا سندری: تب میرا ناری جیون ویرتھ ہوا۔ میں اس سنسار میں سب سے ابھاگن استری ہوں۔

(سر جھکا کر روتی ہے)

مدن موہن: اپنے بوئے ہوئے بیج کے پھل چکھنے کا سمے آیا، تب روتی ہو۔

کرشنا سندری: (آنسو پونچھ کر) کس سے بیاہ کیجیے گا ناتھ؟

مدن موہن: اس منوہر پرتما سے۔

کرشنا سندری: یہ بیاہ کے لیے راضی ہیں؟

مدن موہن: میں انھیں راضی کرلوں گا۔

کرشنا سندری: جیسے چاند کا پرتی بمب ندی کی لہروں میں چمکتا ہے ویسے آپ مجھ سے کتنے ہی دور ہوجائیں کنتو میرے ہردے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ یدی ان کے پریم اور سیوا سے آپ کا مرجھایا ہوا جیون ہرا ہوسکتا ہے تو میرا دھرم اور میرا کرتویہ ہے کہ میں آپ کے سکھ کے راستے کا کانٹا نہ بنوں۔ آپ خوشی سے بیاہ کرلیجیے۔ آپ کی مرضی ہی میری مرضی۔ اور آپ کا سکھ ہی میرا سکھ ہے۔

منورما: یہ سنتے ہی کہ پتی دوسرا بیاہ کرے گا، برف جیسے سبھاؤ کی استری بھی آگ بن جاتی ہے۔ لیکن تم خود اپنے سوامی سے کہہ رہی ہو کہ بیاہ کرلو۔ کیا تم سانس لیتا ہوا پتھر ہو؟ کیا تم دل نہیں رکھتیں؟

کرشنا سندری: رکھتی ہوں۔ لیکن وہ دل جسے بچپن سے پروپکار کی شکشا دی گئی ہے۔ اگر استری میں پریم نہ ہو، سوارتھ تیاگ نہ ہو، آتم بلیدان نہ ہو، تو پھر پُرش کو اس سے بیاہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بازاری استری اور گھر کی استری میں یہی بھید ہے کہ اُس کا دھرم ہے سوارتھ سیوا اور اس کا دھرم ہے پتی سیوا۔ وہ اپنا سکھ ڈھونڈھتی ہے اور یہ اپنے سوامی کا سکھ چاہتی ہے۔

مدن موہن: کرشنا تم نے شانت سمندر میں اشانتی پیدا کی ہے۔ اگر آج تمھاری جیون نوکا طوفان میں دکھائی دیتی ہے تو اس کے لیے تم مجھے دوش نہیں دے سکتیں۔ اپنی سمجھ اور اپنی قسمت کو دوش دو۔

کرشنا سندری: ناتھ، جس استری کی گود میں پھول سا بچہ ہو، جس کی مانگ میں سہاگ کا سندور ہو، جس کے سر پر سوامی کی چھایا ہو، وہ سوبھاگیہ وتی قسمت کو کیوں دوش دینے لگی۔ یدی دوسرے بیاہ کے بعد آپ اپنی داسی کو ٹھکرا دیں اور بھول جائیں تو بھی وہ آپ کو دوش نہ دے گی۔ ایشور نے یہ زبان پتی کو دوش دینے کے لیے نہیں، پتی کے سکھ شانتی کی پرارتھنا کرنے کے لیے دی ہے۔

منورما: (دل میں) آشچریہ۔ سوامی کی مرضی کی چوکھٹ پر بھارت کی استریاں اس طرح اپنا بلیدان کرسکتی ہیں؟

کرشنا سندری: دیوی، تم میرے گرہست آشرم کی پوترتا نہیں چھینتیں، میرا پتی پریم نہیں چھینتیں، میرا سہاگ نہیں چھینتیں، میں دکھی نہیں خوش ہوں۔ تم بیاہ کرکے میرے سوامی کو سکھی کرو۔

منورما: لیکن میں بیاہ کے پیالے کو ہونٹوں سے لگانا نہیں چاہتی۔ میں ڈرتی ہوں۔ اس کا ہر گھونٹ کڑوا ہوتا ہے۔

کرشنا سندری: یہ تمھاری بھول ہے۔ اس پیالے کی کڑواہٹ میں پریم کی مٹھاس ملا دو۔ پھر یہی کڑوا جل پھولوں کا رس اور یہی زہر تمھیں امرت معلوم ہوگا۔ تم سے بیاہ کیے بنا میرے سوامی کی کھوئی ہوئی ہنسی انھیں واپس نہیں مل سکتی۔ اس لیے ہاں کہو۔ میں انھیں ہنستا دیکھنے کے لیے تم سے ’ہاں‘ شبد کا دان مانگتی ہوں۔

منورما: اچھی بات ہے۔ میں یہ دان دیتی ہوں لیکن ایک بار پھر کہتی ہوں کہ یہ تمھارا دھن ہیں۔ تم اپنا دھن دوسری استری کو کیوں دے رہی ہو؟

کرشنا سندری: میں تمھیں اپنا یہ دھن کھونے کے لیے نہیں سنبھال کر رکھنے کے لیے دے رہی ہوں۔ آج سے یہ میرے بھی ہیں اور تمھارے بھی ہیں۔ تم میرے سوامی کی پیاری ہو، اس لیے اب سے میری بھی پیاری ہو۔ میں سدا تمھیں اپنی

بہن جانوں گی اور ان کی بھکتی کے ساتھ تمھاری سیوا کو بھی اپنا سوبھاگیہ سمجھوں گی۔ (مدن کے ہاتھ میں منورما کا ہاتھ دے کر) پتی دیو، انھیں اپنے ہردے میں اور مجھے اپنے چرنوں میں جگہ دو (مدن کے پیروں میں بیٹھ کر) انھیں چرنوں میں میرا سہاگ اور انھیں چرنوں میں میری مکتی ہے۔

(مدن اور منورما آشچریہ سے کرشنا کو دیکھتے ہیں)

باب پہلا — سین چوتھا

راجا لال کا مکان

من سکھ: نومائی فرینڈ۔ یوں کہو نا کہ تمھارے اپٹو ڈیٹ سسر جی رینالڈس کا ناول ہیں اور تمھاری سناتن وچار کی چچی پنڈت جی کی کتھا۔ ایک نوین سماج کی فینسی چھت میں لٹکتا ہوا بجلی کا لیمپ ہے اور ایک مندر کی چوکھٹ پر جلتا ہوا دیپک۔

راجا لال: میری چچی کا کہنا ہے کہ جس گھر میں بھارت کے پرانے آچار وچار کا ٹھٹھا کیا جاتا ہے، میں اس گھر کی لڑکی نہیں چاہتی۔ اس جھک میں انھوں نے میرے ہونے والے سسر مسٹر کرم چند کو خط بھی لکھ دیا کہ اگر تم نے میرے بھتیجے سے اپنی لڑکی کا بیاہ کردیا تو میں دونوں کو جھاڑو مار کر گھر سے باہر کردوں گی۔

من سکھ: اور یہ خط پڑھ کر مہاشے کرم چند نے سسر بننے سے انکار کردیا؟

راجا لال: ہاں۔ پرسوں چچی بیس دن کے لیے کاشی گئیں تو مجھے یہ تدبیر سوجھی کہ کسی کو نقلی چچی بنا کر، اس کے منھ سے ہاں کہلا دوں۔ بیاہ ہوجانے کے بعد تھوڑا رو پیٹ کے چچی بھی راضی ہوجائیں گی۔ جیسے ہی دل کی میٹنگ میں یہ ریزولیوشن پاس ہوا، میں نے مسٹر سسر کو چٹھی لکھ دی کہ میرے سمجھانے بجھانے سے وچار بدل گئے۔ آپ مس کملا کو لے کر آجایئے۔ شریمتی چچی جی بہو کو بھی دیکھ لیں گی اور بیاہ کی تیاری کی آگیا بھی دے دیں گی۔ اس چٹھی کے جواب میں سسر مہاشے نے آج آنے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن اب بنا کھیل بگڑا چاہتا ہے۔ ابھی تک کوئی بھاڑے کی چچی نہیں ملی۔

من سکھ: تو ملاقات کا دن بدل کر اخبار میں اشتہار دو کہ مجھے ایک چچی کی ضرورت ہے۔ جس کے پاس پیسہ ہے لوگ اُس کے لڑکے اور سالے بن جاتے ہیں۔ کیا روپیہ لے کر کوئی عورت تمھاری چچی نہ بنے گی؟

راجا لال: ارے یار سڑک پر پان بیچنے والیوں سے پوچھا، کھوسٹ نائکاؤں سے پوچھا، ناٹک کی ادھیڑ ایکٹرسوں سے پوچھا۔ جوان بھتیجی بننے کو سب تیار ہیں لیکن بڑھیا چچی بننے کو کوئی راضی نہیں ہوتی۔

من سکھ: عورت نہیں ملتی تو کسی تالی پھٹکار مرد کو چچی بنا دو۔

راجا لال: میرے دوست اس وقت تمھیں مدد کرو۔ زیادہ نہیں بس ایک گھنٹے کے لیے چچی بن جاؤ۔ تمھاری داڑھی مونچھ بھی صفاچٹ ہے اور چہرے کا کٹ بھی زنانہ ہے۔

من سکھ: تم مجھ سے ایکٹری کرانا چاہتے ہو، تو سنو۔ مجھ سے چچی کا پارٹ نہ ہو سکے گا۔ اپنا باپ بناؤ، یہ پارٹ اچھا کروں گا۔

راجا لال: لیکن اس وقت مجھے باپ کی نہیں ایک چچی کی ضرورت ہے۔ مسٹر من سکھ۔ میرے پیارے کلاس فیلو بن جاؤ۔ میں تمھیں چچی بننے کی فیس، دوں گا۔

من سکھ: کتنی؟

راجا لال: دو سو۔

من سکھ: بس دو سو روپیے۔ دو سو میں تو خوبصورت سالا نہیں مل سکتا، ایسی خوبصورت چچی کہاں سے ملے گی۔

راجا لال: کیا اندھیر ہے۔ آج کل بیس اور تیس روپیے میں بی اے اور ایم اے مل جاتے ہیں اور مجھے دو سو میں چچی نہیں ملتی۔ اچھا بھائی تین سو۔

من سکھ: تین کی گنتی الو کی طرح منحوس ہوتی ہے۔ تین پاؤں کا گھوڑا کہیں چلتے دیکھا ہے؟— اس منحوس تین میں ایک چاندی کی ٹانگ اور لگا دو۔

راجا لال: چچی بننے کی چار سو فیس!— ایک عورت کا اتنا دام!!

من سکھ: وہ دن لد گئے جب مردوں کی نظر میں عورتوں کا کوئی بھاؤ نہ تھا— خوبصورت، جوان، پڑھی لکھی عورت ڈھونڈھوگے تو پوری قیمت دینی ہوگی۔ اس مہنگی کے

زمانے میں عورتیں بھی مہنگی ہوگئی ہیں۔

راجا لال: اچھا بھائی اس وقت میری ضرورت بھوکی ہے۔ تل کے لڈو کو رس گلے ہی کے بھاؤ خریدوں گا۔

من سکھ: اچھا تو کس طرح کی چچی بنوں؟— سہاگن چچی۔ یا ودھوا چچی؟

راجا لال: ودھوا۔

من سکھ: لیکن ودھوائیں بھی تین طرح کی ہوتی ہیں۔ کمسن، جوان، بڑھیا۔ اب یہ سوچتا ہوں کہ ان ننھے نازک ہاتھ پاؤں پر کمسن نہیں بن سکتا۔ بڑھیا بنوں گا تو آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر گھن آئے گی اور جوان بنا تو لڑکی اور داماد کی نظر بچا کر تمھارا سسر مجھے گھورے گا۔

راجا لال: جوان لڑکی اور اپٹوڈیٹ جنوائی کے سامنے ایک پرفیکٹ جنٹل مین سسر سے ایسی نالائقی نہیں ہوسکتی۔ میرا سسر چاہے پاجی ہو لیکن اس کی آنکھیں پاجی نہیں ہیں۔

من سکھ: اس بھول میں نہ رہنا۔ جوان عورت کو دیکھ کر مرد کی آنکھیں کیا، دل، کلیجا، پھیپھڑا سب پاجی بن جاتے ہیں۔

راجا لال: میں نے پرسوں ڈرامٹک کلب کے لیے ڈریس، ساڑیاں اور سر کے بال خریدے تھے (کمرے کا دروازہ کھول کر) یہ الماری کھلی ہے۔ اس کاٹھ کی ہانڈی میں چچی بننے کا سب مسالا مل جائے گا۔

من سکھ: اچھا تو یہ کہو۔ عورت بننے کے بعد کیا بولی بھی عورت کی بولنی ہوگی؟— اور مردانی چال کیسے بدلوں گا؟ دیکھنا اس طرح کی چال ٹھیک ہوگی۔ (مٹک کر چلتا ہے)

راجا لال: ارے یہ تو اسامی پھنسانے کے لیے ریس میں جانے والی رنڈیوں کی چال ہے۔ شریف گھر کی عورت کیا ٹوٹی بائیسکل کی طرح مٹکتی ہوئی چلتی ہے۔

من سکھ: باپ رے عورت کی طرح بولنا مشکل— عورت کی طرح چلنا مشکل— بھگوان۔ تھینک یو۔ تم نے بڑی مہربانی کی جو مجھے مرد بنایا، عورت نہیں بنایا۔

راجا لال: وہ سنو۔ موٹر دروازے پر ٹھہری۔ مسٹر سسر آپہنچے۔

من سکھ: تو ہم بھی کمرے میں جا پہنچے۔

(کمرے میں جاکر دروازہ بند کرلیتا ہے)

راجا لال: میرے سسر مہاشے وکیل بھی ہیں۔ رات دن کچہری میں ڈگڈگی بن کر مقدمہ لڑنے والوں کی قسمت کو بندریا کی طرح نچایا کرتے ہیں۔ آج میرا بندر کمرے سے نکل کر اس عدالتی ڈگڈگی کو نچائے گا۔

(کملا اور اس کے باپ مسٹر کرم چند کا پرویش)

کرم چند: (راجا لال سے ہاتھ ملا کر) ہیلو مائی بوائے۔

راجا لال: (کرم چند سے) گڈ ایوننگ۔ (کملا سے ہاتھ ملا کر) گڈ ایوننگ ڈیئر۔ چار انگلیوں سے شیک ہینڈ! پورا ہاتھ تو ملاؤ۔

کملا: (اس طرح کہ باپ نہ سنے) دل ملنے کے بعد۔

راجا لال: ہونے والے پتی کے منھ سے اتنے محبت کے وعدے سنے، پھر بھی دل نہیں ملا۔

کملا: مجھے وعدہ نہیں، محبت کا ثبوت چاہیے۔ پتی کے منھ سے محبت کے وعدے سن کر بھولی بھالی ہندستانی عورتیں پھول جاتی ہیں۔ میرا دل ہندستانی نہیں ہے۔

راجا لال: ڈیئر، تمھاری یہ باتیں تو بہت پھیکی ہیں۔

کملا: سنتے وقت کان میں تھوڑی شکر ڈال لیا کرو۔ پھر میری باتیں میٹھی معلوم ہوں گی۔

(من سکھ تھوڑا سا دروازہ کھول کر جھانکتا ہے)

من سکھ: اہاہا۔ چھوکری تو بڑی خوبصورت اور فیشنیبل ہے— میں تو سمجھتا تھا کہ ہندستانی باپ کی لڑکی ہے، اس لیے دیوالی کی مٹھائی ہوگی۔ لیکن یہ تو کرسمس کا کیک ہے۔

کرم چند: (راجا لال سے) کورٹ میں بزی تھا، اس لیے پانچ منٹ لیٹ آیا— (کملا سے) آج کے کیس پر جج بھی ہنس رہا تھا— ونڈرفل کیس۔

کملا: کیا کیس تھا پاپا؟

کرم چند: شریمتی نرمل، ایم اے۔ پی ایچ ڈی نے اپنے پتی مسٹر کھنا بیرسٹر پر دعویٰ کیا

ہے کہ بیرسٹر صاحب کی ناک سوتے میں اتنی زور سے خرخر بولتی ہے کہ میں ڈر جاتی ہوں۔ جج صاحب سے رو کر کہنے لگیں کہ مجھے پتی کی ناک سے بچائیے۔ اُس کی خرخر سن کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیچڑ میں پھنسی ہوئی بھینس کا دم نکل رہا ہے۔

من سکھ: (سائڈ میں) واہ بھئی وا، کیا زمانہ آگیا ہے۔ پہلے عورتوں کی طرف سے یہ دعویٰ ہوتا تھا کہ پتی روٹی کپڑا کیوں نہیں دیتا اور اب کورٹ میں یہ دعویٰ ہونے لگا کہ پتی مہاشے کی ناک سوتے میں زور سے کیوں بولتی ہے؟

راجا لال: ہندستانی عدالت میں یہ ولایتی فیشن کا پہلا کیس ہے۔ لیکن یہ تو بس کی بات نہیں۔ سوتے میں ناک کا بولنا کس طرح بند ہوسکتا ہے؟

من سکھ: (سائڈ میں) یہ کیا مشکل ہے۔ بیرسٹر صاحب کو چاہیے کہ سوتے وقت ناک کے نتھنے میں دو کاگ لگا لیا کریں— اور یہ نہ ہوسکے تو جب تک منھ پر ناک ہے، سونا ہی بند کردیں۔

کملا: (ہنس کے) پاپا، نیند میں خرخر کرنا، یہ تو ناک کی نالائقی ہے۔ بیرسٹر صاحب کا کیا قصور ہے؟

من سکھ: (سائڈ میں) کیوں نہیں ہے؟ یہ کوئی ایٹی کیٹ ہے؟ اگر ناک سے ایک لیڈی کو تکلیف پہنچتی ہے تو جنٹل مین کو چاہیے کہ اپنی ناک کو کاٹ کر پھینک دے۔

کرم چند: آل رائٹ۔ کورٹ کا کیس تو سن لیا۔ اب اپنے کیس پر دھیان دو۔ تمھاری چچی کہاں ہیں؟

من سکھ: (سائڈ میں) شرمائی ہوئی بہو کی طرح دروازے سے جھانک رہی ہیں۔

راجالال: پڑوس میں ایک جیوتشی رہتے ہیں، چچی ان سے بیاہ کا مہورت پوچھنے گئی ہیں۔ ابھی آجائیں گی۔ اندر چلیے۔

کملا: (راجا لال سے) ٹھہرو۔ میں نے سنا ہے کہ تمھاری چچی ایسی بہو ڈھونڈھتی ہیں جس کے ہاتھ میں جڑاؤ گہنوں کے ساتھ لاکھ کی چوڑیاں، ناک میں نتھ، آنکھ

میں کاجل، ماتھے پر ٹکلی، مانگ میں سندور ہو اور میں تو چھلا ہوا کیسرو ہوں۔ یہ بتاؤ کہ مجھے دیکھ کر خوش ہوں گی؟

راجا لال: ضرور۔

من سکھ: (سائڈ میں) ایسی رسیلی مال پوا جیسی صورت دیکھ کر بھی جو آنکھیں خوش نہ ہوں، انھیں پھانسی دے دینی چاہیے۔

کرم چند: کم الانگ ڈیئر۔

(راجا لال، کرم چند اور کملا کو لے کر اندر جاتا ہے)

من سکھ: (کمرے سے باہر آکر) دیکھیے چچی بھی پائی تو دولت کی پھلجھڑی اور جورو بھی ملی تو خوبصورت پٹاخہ۔ دنیا میں سب سے بڑھ کر دو چیزیں ہیں۔ ایک روپیہ، ایک استری کا روپ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس کے پاس روپیہ ہے اس کے پاس روپ اور جس کے پاس روپ ہے اس کے پاس روپیہ نہ ہو۔ مگر قسمت بھی بھرے کو بھرتی ہے۔ اس کے پاس انصاف ہی نہیں ہے۔ انصاف ہوتا تو روپیے والوں کو خوبصورت جورو کبھی نہ ملتی۔

باب پہلا — سین پانچواں

مدن موہن کا گھر

شنکری: آنکھوں میں آنسو نہیں، مُکھ پر دُکھ کے چنّھ نہیں، ہونٹوں پر اِرشا کی آگ میں تپا ہوا کوئی شبد نہیں۔ چھ مہینے سے دیکھ رہی ہوں کہ منورما اپمان کرتی ہے اور تم ہنس کر وہ اپمان سہن کرلیتی ہو۔ وہ تمھیں داسی کے برابر جانتی ہے اور تم اسے گھر کی رانی سمجھتی ہو۔ بتاؤ! تم کون ہو؟ تم نشچے استری نہیں؟ استری کے روپ میں کوئی دیوی......

کرشنا سندری: شنکری۔ آگ سے آگ نہیں بجھتی۔ گھرنا کے گھاؤ کا مرہم پریم ہے۔ میں اُن سے پریم کرتی رہوں گی تو بہن منورما بھی ایک دن مجھ سے پریم کرنا سیکھ جائیں گے۔

پرتاپ: ماتا جی۔ وہ پریم کرنا کیوں سیکھیں گی؟ انھیں تو پریم کرنا آتا ہے۔ میں نے خود انھیں پریم کرتے دیکھا ہے۔

شنکری: (چونک کر) پریم کرتے دیکھا! کس سے؟

پرتاپ: مارکٹ سے جو ولایتی کتے کا بچہ خرید کر لائی ہیں، اس سے۔ وہ گود میں بٹھا کر روز اس کتے کے بچے کا پریم سے منھ چوما کرتی ہیں۔

شنکری: واہ۔ واہ۔ دھرم اور لاج سے گھرنا۔ دیش کے سناتن آچار وچار سے گھرنا، گھر اور پتی کی سیوا سے گھرنا اور کتے سے پریم! کتنے پوتر آچرن!! منورما دیوی تم دھنیہ ہو!!

پرتاپ: اچھا ماں۔ یہ نئی ماتا جی، تمھاری طرح پوجا پاٹھ کیوں نہیں کرتیں؟

شنکری: اس لیے کہ انھیں اپنے روپ کی پوجا سے فرصت نہیں ملتی۔

پرتاپ: اور گنگا جی اشنان کرنے کیوں نہیں جاتیں؟

شنکری: اس لیے کہ ان کے وچار ولایتی ہیں اور شری گنگا جی بھارت کی ندی ہیں۔ ولایتی ندی نہیں ہیں۔

پرتاپ: ٹھیک۔ اور بھوجن کے سمے پتا جی کو پنکھا کیوں نہیں جھلتیں؟

کرشنا سندری: بٹیا۔ یہ اُن کا کام نہیں میرا کام ہے۔

شنکری: ہاں۔ یہ اِن کا کام ہے۔ اور موٹر میں گھومنا، ناٹک دیکھنا، پرپرشوں سے ہنسنا بولنا، دو کی جگہ دو سو خرچ کرنا، بات بات میں نوکروں کو ڈیم فول کہنا، یہ سب تمھاری نئی ماتا کے کام ہیں۔ اس گھر میں انھیں کاموں کے لیے کوئی آدمی نہ تھا۔ اسی لیے تو تمھارے پتا جی نے مہاکلیانی دیوی منورما سے بیاہ کیا ہے۔

پرتاپ: ماں۔ وہ گھڑی گھڑی ڈبیا سے نکال کر منھ پر کیا ملا کرتی ہیں؟

کرشنا: اسے پوڈر کہتے ہیں۔

پرتاپ: ہاہاہا۔ میں تو اسے ولایتی آٹا سمجھا تھا۔ ماں۔ پوڈر کی روٹی پکائی جائے تو بہت سفید سفید ہوگی۔

کرشنا سندری: دیکھو پرتاپ۔ تم اچھے بیٹے ہو۔ خبردار! کبھی اپنی نئی ماتا کو ناراض نہ کرنا۔ جیسے میں تمھاری ماں ہو، ویسے ہی منورما دیوی بھی تمھاری ماں ہیں۔

پرتاپ: لیکن ماں۔ جب وہ بیچارے نوکروں پر بنا اَپرادھ بگڑتی اور کبھی کبھی تمھیں جھڑک دیتی ہے تو مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ وہ ماں تو ہیں لیکن بہت بری ماں۔

کرشنا سندری: (گھور کر) بری ماں! چھی چھی۔ میں نے پھر یہ شبد سنا تو کبھی ان ہونٹوں کا پیار نہ لوں گی۔

پرتاپ: ارے خوب یاد آیا۔ ماں میں جاتا ہوں۔ آج پتا جی نے بائیسکل دلانے کا وعدہ کیا ہے۔

(پرتاپ جاتا ہے)

کرشنا سندری: میری چہکتی ہوئی مینا۔ جب اس کی پیاری پیاری باتیں سنتی ہوں تو یہ جان پڑتا ہے کہ آتما میں مدھر راگنیوں کا فوارہ چھوٹ رہا ہے اور یہ سنسار اور کچھ نہیں کیول ایک سورگیہ سنگیت ہے۔

(غصے میں منورما کا پرویش)

منورما: شنکری میں نے کہا تھا کہ مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے، اس لیے شام کی چائے دو گھنٹے پہلے تیار ہوجانا چاہیے— کیوں تیار نہیں ہوئی؟ تو نے میرا یہ آرڈر بوائے سے کہہ دیا تھا؟

شنکری: میں کہنا بھول گئی۔

منورما: بھول گئی؟ کھانا نہیں بھولتی۔ سونا نہیں بھولتی، تنخواہ مانگنا نہیں بھولتی اور آرڈر بھول گئی۔ میرا کوئی ڈر نہیں۔ کیا یہی گھر کی مالکن، یہی سب کچھ ہے؟ میں کچھ نہیں ہوں؟

کرشنا سندری: بہن منورما......

منورما: کیپ کوائٹ۔ بار بار معافی دے کر اور برابر کا برتاؤ کر کے تمھیں نوکروں کو ڈس اوبیڈینس سکھاتی ہو۔ (شنکری سے) جواب دے۔ کیوں بھول گئی؟

شنکری: گھر کے کاموں میں الجھ جانے سے دھیان نہیں رہا۔ اب ایسی بھول نہ ہوگی۔

منورما: پہلے گھر کا کام؟ یا پہلے گھر کے مالک کا آرڈر؟ صاف کیوں نہیں کہہ دیتی کہ میں پرانی مالکن کو خوش رکھنے کے لیے نئی مالکن کا حکم سننا نہیں چاہتی۔

کرشنا سندری: بہن منورما۔ جب تمھارے ہونٹ ہلتے ہی میں خود گھر کے سارے کام چھوڑ کر تمھاری آگیا پالن کو تیار ہوجاتی ہوں تو اس کی کیا شکتی ہے کہ تمھارا حکم نہ سنے۔ اس گھر کا جو آدمی تمھاری اِچھا کا انادر کرے، میں اسے کبھی شما نہیں کرسکتی— وشواس کرو بہن، یہ بھی تمھاری نوکرانی ہے اور میں بھی تمھاری داسی ہوں۔

منورما: دنیا کی کوئی عورت سوت کی داسی نہیں بن سکتی۔

کرشنا سندری: لیکن میں تمھیں اپنی سوت نہیں اپنی سگی بہن سمجھتی ہوں۔

منورما: اونلی چیٹنگ۔

کرشنا سندری: (شنکری سے) جاؤ چائے لاؤ۔ تیار ہوگی۔ (شنکری جاتی ہے)

منورما: اسے روک دو۔ میں نے حکم دینے کے بعد کبھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ آئی ہیٹ ہر۔ آج سے چائے کیا، اس کے ہاتھ سے امرت بھی نہ پیوں گی۔

کرشنا سندری: تو میں خود جاکر لاتی ہوں۔ (جاتی ہے)

منورما: وچتر استری۔ گھر کا راجیہ چھن گیا، ادھیکار چھن گیا، پتی چھن گیا، لیکن اتنے بڑے بھوکمپ میں بھی اس طرح اِستھر اور شانت ہے، مانو اس کے جیون کی دنیا نے ابھی تک کوئی کروٹ نہیں بدلی۔

(چائے کی ٹرے لیے ہوئے کرشنا کا پرویش)

کرشنا سندری: یہیں پیوگی یا کمرے میں لے چلوں۔

منورما: (ٹی پاٹ کا ڈھکن اٹھا کر) نہ رنگ، نہ خوشبو۔ ہاٹ واٹر لائی ہو۔ لے جاؤ اور چائے ڈالو۔

کرشنا سندری: بہن مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم بہت تیز چائے پیتی ہو۔

(جاتے سے بھول میں کرشنا کے پاؤں سے منورما کا پاؤں دب جاتا ہے)

منورما: آہ! انگلیاں کچل گئیں!! کیا ماتھے میں آنکھیں نہیں ہیں؟

کرشنا سندری: میں نے دیکھا نہیں۔ بھول ہوئی۔ شما کرو۔

منورما: (بوٹ دیکھ کر) اور یہ کیا اپنے ننگے پیروں سے میرا بوٹ بھی میلا کردیا!!

کرشنا سندری: میں نوکر کو بلاتی ہوں۔ ابھی صاف کردے گا۔

منورما: تو اس کے یہ میننگ ہوئے کہ میں جب تک اس گھر میں رہوں، بوٹ صاف کرنے کے لیے ایک نوکر بھی ساتھ رکھوں۔

کرشنا سندری: اچھا بہن۔ خفا نہ ہو۔ میں صاف کر دیتی ہوں۔

(ساڑی کے آنچل سے بوٹ پونچھتی ہے)

منورما: جاؤ۔ نکلو۔ میں تم سب سے ٹائرڈ ہوگئی ہوں۔

(کرشنا سندری چائے کا ٹرے لے کر جاتی ہے)

......یہی دل کی بڑائی اور انھیں گنوں کو دیکھ کر مدن موہن کہتا ہے کہ کرشنا بھارت کی ستی استریوں کا کمپلیٹ اور بے عیب نمونہ ہے۔ یہ وچار دھیرے دھیرے بیج سے ورکش بن گیا تو مدن موہن کو بھی کھوؤں گی اور جس دولت کے لیے اس سے بیاہ کیا ہے، وہ دولت بھی کھو دوں گی۔ کرشنا میرے فیوچر کے راستے میں ایک خوبصورت سانپ ہے — یہ کسی دن ڈسے گی — اِسے کچل دینا چاہیے۔

(جاتی ہے)

باب پہلا— سین چھٹا

سجا ہوا ہال

(مدن موہن شراب کے گلاس کو اور منورما منھ پھیرے دیوار میں
لگی ہوئی تصویر کو دیکھ رہی ہے)

مدن موہن: دنیا، سورج چاند کی روشنی میں جگمگاتا ہوا گلاس۔ زندگی اس گلاس میں بھری ہوئی شراب اور عورت اس شراب کا نشہ ہے۔ منورما! جب تک میں نے تمھیں نہیں پایا تھا، کاغذ پر کھنچی ہوئی پھول کی تصویر کی طرح دنیا رنگ اور سگندھ سے خالی اور زندگی بیمار کے منھ کی طرح پھیکی اور بے مزا تھی— تم آج اُداس کیوں ہو؟

منورما: میں؟

مدن موہن: ہاں تم۔ کوئی چنتا ہے؟ کوئی دکھ ہے؟ دنیا کے سکھوں سے کسی سکھ کی کمی ہے؟ بتاؤ۔ اس چہرے کی چمک کیوں دھندلی ہورہی ہے؟ میں تمھیں قسم دیتا ہوں۔

منورما: میں اپنے دل کا بوجھ بانٹنا نہیں چاہتی— قسم نہ دو۔

مدن موہن: بیاہ ہوجانے کے بعد تمھارا ہر دکھ میرا دکھ ہے— تمھیں کہنا ہوگا۔

منورما: کیا کہوں۔ کرشنا دیوی تمھارے سامنے تو میرے پیروں کے نیچے محبت کے پھول بچھاتی ہیں اور جب تم نہیں ہوتے تو کڑوے اشاروں اور زہریلے طعنوں کے کانٹے چبھوتی ہیں۔ میرے گہنے کپڑے، سینٹ، پوڈر ہنسنے بولنے کی ہنسی اڑائی جاتی ہے— ولایتی کھلونا، فیشن کی لونڈی بے شرمی کی دوکان کا اشتہار، بازار میں اڑنے والی سفید چڑیا، روز مجھے نئے نئے ٹائٹل دیے جاتے ہیں۔

مدن موہن: منورما! تم کیا کہہ رہی ہو؟

منورما: کرشنا دیوی کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر نوکر چاکر بھی مجھے اس گھر میں بے بلایا مہمان اور میرے حکم کو پاگل کی بکواس سمجھتے ہیں۔ کیول اس وچار سے کہ دنیا کہے گی کہ انگریزی پڑھی لکھی عورت بھی سوتیا ڈاہ سے خالی نہیں ہوتی، میں اب تک خوشامدی نوکروں میں گھری ہوئی بے سمجھ عورت کی اتیاچار سہن کررہی ہوں۔ لیکن سوچتی ہوں کہ کہاں تک سہن کرسکوں گی۔

مدن موہن: کرشنا ایک منگل کارنی، پتیہ وتی استری ہے۔ وہ دکھ پاکر شما کر دینا جانتی ہے، دوسروں کو دکھ دینا نہیں جانتی۔ وشواس نہیں ہوتا کہ وہ اتنا جلد آشیرواد سے شراپ بن گئی۔

منورما: وشواس نہیں ہوتا؟ تو میں جھوٹ بول رہی ہوں، دھوکا دے رہی ہوں۔ ٹھیک ہے میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لیے نرک کے دروازے کھولے ہیں۔ بیاہے ہوئے مرد سے بیاہ کی یہی سزا ہے۔

مدن موہن: دوسرا بیاہ کرلینے کے بعد بھی میں نے کرشنا کے ادھیکار اور آدر میں کوئی کمی نہیں کی۔ اگر میری اس کامنا سے کہ میں بھی دنیا میں ہنسوں اور خوش رہوں، کرشنا خوش نہیں ہے تو اُسے یہ گھر چھوڑ کر اپنے میکے جاکر رہنا ہوگا۔ سوتیا ڈاہ کے روگ کی یہی آخری دوا ہے۔

منورما: (سائڈ میں) گیلی لکڑی آگ پکڑ چکی۔ اس آگ کو اور بھڑکانا چاہیے۔ لیکن ٹھہرو، یہ نشے میں ہے۔ دو تین گلاس اور پلا دوں۔ پھر ناچ نچاؤں، ناچے گا۔

مدن موہن: میری زندگی کے سمندر میں یہ نیا طوفان کہاں سے آگیا؟

منورما: (گلاس بھرتے ہوئے) ڈیئر تم میرے لیے فکر نہ کرو؟ میں کرشنا کے پیدا کیے طوفان میں جس طرح ہوگا اپنی قسمت کی ناؤ کھے لوں گی۔ (گلاس دے کر) یہ لو۔

مدن موہن: بس اور نہیں پیوں گا۔

منورما: میرے ہاتھ سے بھی؟

مدن موہن: (پی کر) یہ گھر سوتنوں کی رن بھومی نہیں ہے، پھر کرشنا تمھاری طرف زہریلے

تیر کیوں پھینک رہی ہے؟

منورما: وہ تمھاری ہنسی اور میرے سکھ کو گھائل کرنا چاہتی ہیں۔

مدن موہن: آشچریہ۔

منورما: اس سے زیادہ آشچریہ اس دن ہوگا جب سنو گے کہ میں اپنی عزت بچانے کے لیے اس گھر سے چلی گئی۔

مدن موہن: تم۔ تم چلی جاؤ گی!— پھر اُداسی اور تنہائی کے سوا میرے لیے کیا باقی رہ جائے گا۔ (منورما پھر گلاس بھر کر دیتی ہے) بس۔

منورما: میں دے رہی ہوں۔

(مدن موہن: (پی کر) مجھے آج ہی کرشنا کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے۔ ورنہ بدقسمت جواری کی طرح جیتا ہوا داؤں پھر ہار دوں گا۔

(پرتاپ کا پرویش)

پرتاپ: پتا جی۔ آج کا وعدہ تھا۔ میری بائیسکل لائے۔

مدن موہن: بھول گیا۔ کل لادوں گا۔ لیکن یہ کیا!— اپنی نئی ماں کو پرنام کیوں نہیں کیا؟

پرتاپ: دیکھا نہیں— ماں پرنام۔

منورما: آج بھولا ہوا پرنام کیسے یاد آگیا؟

پرتاپ: واہ ماں جی! میں تو ہمیشہ تمھیں پرنام کرتا ہوں۔ لیکن میری ماتا جی کی طرح سر پر ہاتھ پھیر کر کبھی تم نے یہ نہیں کہا کہ بیٹا جیتے رہو۔

منورما: میں نے کئی بار تجھے گود میں لے کر پیار نہیں کیا؟

پرتاپ: کس دن؟

منورما: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے یاد نہیں رہے گا تو میں نوٹ بک میں پیار کرنے کا دن اور تاریخ لکھ رکھتی۔

پرتاپ: مجھے کیا، تم تو گھر بھر میں کسی کو پیار نہیں کرتیں۔ نوکروں کو انگریزی میں گالی دیتی ہو، شنکری ماسی پر بگڑتی رہتی ہو۔ میری ماتا جی کا روز اپمان کرتی ہو—

گھورتی کیوں ہو؟ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

منورما: سنتے ہو۔ گراموفون اندر ہے اور رکارڈ یہاں بج رہا ہے۔ ماں کی سکھائی ہوئی باتیں باپ کے سامنے دہرائی جا رہی ہیں۔ اُف اتنے سے بچے کو بھی میرا دشمن بنا دیا — کرشنا میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنی زہریلی ہو۔

پرتاپ: میری ماتا جی کو زہریلی نہ کہو۔ وہ تمھاری طرح بری نہیں ہیں۔

منورما: (اک دم بگڑ کر) کیا کہا؟ کیا تیری ماں نے مجھے گالیاں دینے کے لیے تجھ کو یہاں بھیجا ہے؟

مدن موہن: پرتاپ تو اتنا بدتمیز ہوگیا ہے؟ اپنے بڑوں سے اس طرح باتیں کی جاتی ہیں؟ شما مانگ۔

پرتاپ: میں نے کیا اَپرادھ کیا؟

مدن موہن: تو نے اپنی نئی ماتا کا اپمان کیا ہے؟ مانگ شما۔

پرتاپ: ماتا جی مجھے شما کرو۔

منورما: میں ہوں کون؟ اس گھر کے دروازے کی بھکارنی۔ سب کی لونڈی۔ دوسروں کی دیا پر جینے والی۔ میں کیا شما کروں گی۔ باقی گالیاں بھی دے ڈالو؟ تمھاری ماں نے ایک ہی گالی تو نہ سکھائی ہوگی؟

پرتاپ: پتا جی وہ شما نہیں کرتیں۔

مدن موہن: پاؤں پر گر کر شما کے لیے خوشامد کر۔

پرتاپ: ماتا جی نے کہا ہے کہ خوشامد بری چیز ہے۔ میں خوشامد نہیں کروں گا۔

مدن موہن: میں حکم دیتا ہوں۔

پرتاپ: ماتا جی غصہ ہوں گی۔

منورما: سن لیا؟ ماتا جی غصہ ہوں گی۔ یہ ہے اصلی کارن۔ اب تو میرا وشواس کرو گے؟

مدن موہن: جوڑ ہاتھ؟ مانگ شما؟ نہیں۔ (بید لا کر) مانگ۔ (بید سے مارتا ہے)

پرتاپ: آہ — پتا جی — دیا کرو۔

منورما: (روک کر) جانے دو — اپنی ماں سے کہے گا کہ میں نے پٹوایا ہے۔

پرتاپ: تم ہی تو پٹوا رہی ہو۔ نہیں تو پتا جی کے ہاتھ میں بید دیکھ کر مجھے گود میں چھپا نہ لیتیں۔

منورما: (مدن سے) یہ آگے بڑھ کر اور خراب ہوجائے گا۔ اسے تمیز سکھانی چاہیے۔ (بید چھین کر) بول میں اب کبھی گستاخی نہ کروں گا۔

پرتاپ: پتا جی تو مار چکے۔ اب تم بھی مارو گی؟

منورما: سوتیلی ماں سہی۔ لیکن ہوں تو ماں۔ تو بگڑا جاتا ہے۔ تجھے سنوارنا میرا بھی تو کرتویہ ہے۔ بول۔ (بید مار کر) بول۔

پرتاپ: پتا جی مجھے بچائیے۔

منورما: بول۔ تجھے بولنا ہوگا۔

(لگاتار بید مارتی ہے)

پرتاپ: آہ— مرگیا— (ماں کو پکارتا ہے) ماتا جی— ماتا جی۔

(پرتاپ کی پکار سن کر کرشنا گھبرائی ہوئی آتی ہے)

کرشنا سندری: ارے (منورما کا ہاتھ تھام کر) یہ کیا کررہی ہو بہن؟

مدن موہن: یہ ٹھیک کررہی ہیں۔ اس بدتمیز نے ان کا اپمان کیا ہے۔ بدتمیز لڑکوں کو اسی طرح تمیز سکھائی جاتی ہے۔

پرتاپ: نہیں ماں۔ میں نے کوئی......

منورما: (بید تان کر) پھر جھوٹ۔

پرتاپ: ماں بچاؤ۔ (کرشنا سے لپٹ جاتا ہے)

کرشنا سندری: بہن منورما۔ بچے کا پہلا اسکول ماں کی گود ہے۔ اگر میری گود اور میرے سائے میں رہ کر اسے اچھی شکشا نہیں ملی، تو یہ میرا اپرادھ ہے۔ بچے کی بدتمیزی کی سزا، تمیز نہ سکھانے والی ماں کو ملنی چاہیے۔ یدی اس کے اپرادھ کی سزا ابھی پوری نہیں ہوئی تو اس کے بدلے مجھے مارو۔ لیکن اسے شما کردو۔

منورما: سن لو۔ تمھارے دل میں یہ فیلنگ پیدا کرنے کے لیے کہ منورما ظالم اور بے رحم ہے، کتنی انوسنٹ بن کر کہہ رہی ہے کہ اسے نہیں مجھے مارو، اس گھر میں روز یہی ناٹک ہوتا ہے۔ تم نے ابھی جو دیکھا، وہ اس ناٹک کا پہلا سین تھا اور یہ دوسرا سین ہے۔

مدن موہن: کرشنا۔ میں تمھارے چرتر کو نربھرانت بچے کے دل کی طرح خوبصورت اور تمھارے سوبھاؤ کو پھول کی خوشبو کی طرح سکھ دایک سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تم چاندنی کا دھوکا دینے والی دھوپ، اُپکار کے ملمع سے ڈھکی ہوئی ایرشا، تیاگ روپی سوارتھ ہو۔ لہلہاتے تیار کھیت پر برسنے والے بادل کی طرح تم متر بن کر میرے ساتھ دشمنی کر رہی ہو۔

کرشنا سندری: کیا کہا ناتھ۔ میں آپ سے دشمنی کر رہی ہوں؟ کیا میں آپ کی بھکتی کو اپنا ایک ماتر دھرم نہیں جانتی؟ کیا میں آپ کی چرن سیوا کو اب اپنے لوک پرلوک کا سکھ نہیں سمجھتی؟ پربھو جس دن اس دیش کی پتی، پرائن استری اپنے سوامی کی، بھکتنی اپنے سوبھاگیہ کے دیوتا کی شترو بن جائے گی، اس دن گنگا جمنا دیولوک کو واپس چلی جائیں گی۔ ناری جیون کی پوترتا آتم ہتیا کر لے گی۔ بھارت کا دھرم، ابھیمان شرم کے آنسوؤں میں ڈوب جائے گا۔ نہیں۔ سوامی، نہیں۔ دنیا کا نیم اور کرم بدل جائے، سونا پیتل ہوجائے، امرت زہر بن جائے، لیکن بھارت ماں کی سچی بیٹی اپنی ماتا کی کوکھ کا کلنک کبھی ثابت نہ ہوگی۔

مدن موہن: میری دنیا اندھیری، میری زندگی تپتی ہوئی مروبھومی، میری آتما غریب کی جیب کی طرح ہنسی خوشی کی دولت سے خالی تھی۔ منورما اس اندھیرے میں پرکاش، اس مروبھومی میں سکھ کی گنگا، اس کنگالی میں شانتی کا دھن بن کر آئی اور اس طرح آئی کہ میرا ورتمان جگمگانے اور میرا بھوشیہ مسکرانے لگا۔ مجھے وشواس تھا کہ تم دونوں ایک ڈالی کے دو پھول، ایک گھر کے دو دیپک، ایک چہرے کی دو آنکھیں بن کر دنیا کو شکشا دوگی کہ دو پڑھی لکھی سمجھ دار استریاں سوتن

ہونے پر بھی کس طرح آپس میں مل کر رہتی اور کس طرح ایکتا اور پریم سے پتی کے گھر کو سورگ بنا دیتی ہیں۔ لیکن یہ میرے وشواس کا سوپن تھا، جس سے تم نے مجھے جگا دیا۔ دیکھتا ہوں کہ تمھاری سب سے بڑی اِچھا یہ ہے کہ منورما اس گھر میں نہ رہے۔

کرشنا سندری: پتی دیو۔ یہ میری اِچھا ہے؟ میری آتما اتنی گر گئی ہے؟ بہن منورما میری رکشا کرو۔ میں تم سے گھرنا کرتی ہوں یا پریم۔ دشمن سمجھتی ہوں یا بہن، تمھیں اس بات کی ساکشی دے سکتی ہو۔

منورما: بنا کارن اور بنا اَپرادھ ڈنک مارنا، یہ بچھو کا سوبھاؤ ہے یا نہیں۔ اس کے لیے ساکشی کی کیا ضرورت ہے۔ نشچے تمھاری بھی یہی اِچھا ہے اور تمھارے سکھائے ہوئے نوکروں کی بھی۔

کرشنا سندری: یہ تم کہتی ہو! یہی اِچھا ہے— کیوں؟

منورما: اس لیے کہ تم اپنا سکھ ڈھونڈھتی ہو— پتی کا سکھ نہیں چاہتی ہو۔

کرشنا سندری: شما کرنا۔ تمھارا جنم اور تمھارا پالن پوشن اس دیش میں ہوا ہے، لیکن تمھاری شکشا، تمھارا سماج، تمھارا رہن سہن، تمھارے آچار وچار سب ودیشی ہیں۔ اس لیے اس دیش کی دھرم پرائنا استریوں کے دل کو نہ پڑھ سکتی ہو اور نہ پڑھ کر سمجھ سکتی ہو۔ سنو۔ وہ دنیا میں پتی کے ہونٹوں سے ہنستی، پتی کے کانوں سے سنتی اور پتی کی آنکھوں سے دیکھتی ہیں۔ جو اپنا سب کچھ پتی کو نہیں جانتی، اور اپنی ساری آشائیں اور سارے سکھ پتی پر نچھاور نہیں کرسکتی، وہ بھارت کی استری نہیں، بھارت ماتا کے ماتھے پر شرم کا دھبہ اور بھارت ماتا کے کلیجے کا گھاؤ ہے۔

منورما: (بگڑ کر) ماتھے کا دھبہ، کلیجے کا گھاؤ۔ (مدن سے) سمجھ رہے ہو، یہ اپمان کا بادل مجھ پر برس رہا ہے۔

(شنکری کا پرویش)

شنکری: بہو جی، ایک برہمن......

منورما: میں برف سے نہیں بنی ہوں۔ میرا لہو بھی گرم ہوسکتا ہے۔ میرے ہونٹوں سے بھی آگ برس سکتی ہے۔ بتاؤ۔ بتاؤ۔ یہ باتیں سننے اور سہن کرنے کے لیے میں کس سے بجھا اور مرا ہوا دل اُدھار لوں۔

مدن موہن: کیوں سہن کرتی ہو؟ پتھر کا جواب پتھر سے کیوں نہیں دیتیں؟

منورما: میرا جواب تمھیں کانوں سے نہیں، آنکھوں سے سننا ہوگا۔ سُن سکو گے؟

مدن موہن: اپمان کا جواب اپمان ہی ہوتا ہے۔

منورما: تو کرشنا، میرا جواب سنو— یہ ہے میرا جواب۔

(کرشنا کے منھ پر تھپٹر مارتی ہے۔ مدن اور شنکری چونک جاتے ہیں)

کرشنا سندری: (مدن کی طرف نراشا بھری آنکھوں سے دیکھ کر) سوامی......

منورما: ابھی سمجھ میں نہ آیا ہوگا— پھر سنو— اور سنو۔

(کرشنا کو پھر تھپٹر مارتی ہے۔ پرتاپ دوڑ کر ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

پرتاپ: ارے میری ماتا جی کو کیوں مارتی ہو؟

منورما: (پرتاپ کو دھکا دے کر) الگ ہٹ۔

کرشنا سندری: یہی تمھاری ولایتی شکشا ہے؟ یہی نوین سبھیتا، تم اس بھارت کی استریوں کو سکھانا چاہتی ہو؟

منورما: ہاں۔ اور زبان سے نہیں۔ تھپڑوں سے۔

(پھر مارتی ہے)

شنکری: بس سفید ناگن بس۔ سوامی استری کی دنیا ہے، جس دیوی نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی سکھ کی دنیا تجھے دے دی، جس کلیانی نے پتی سیوا کی طرح تیری سیوا کو بھی اپنا دھرم سمجھ لیا، کیا اس کے اُپکاروں کا یہی بدلہ ہے؟ کتا بھی پریم اور سیوا کرنے والے کو نہیں کاٹتا۔ تو کتے سے بھی زیادہ نیچ ہے اور تیرا

دل کتے کے تھوک سے بھی زیادہ گندا ہے۔

مدن موہن: شنکری۔ ساؤدھان۔ منورما کو تھپڑ مارتے دیکھ کر میں آشچریہ سے چونک پڑا اور سمجھ نہ آیا کہ یہ کیا ہورہا ہے۔ لیکن تیرے ان گھربت شبدوں کو سن کر اب نشچے ہوگیا کہ اسے ستانے کے لیے سارے گھر نے ایکا کرلیا ہے اور یہ اس گھائل جانور کی طرح جو سب طرف سے گھر کر اپنی رکشا کے لیے اپنے شکاریوں پر حملہ کربیٹھتا ہے، ایسے برتاؤ کے لیے مجبور ہوگئی۔

شنکری: پربھو، آپ نے بیاہ کے بازار میں بناوٹی تڑپ اور چمک دیکھ کر ہیرے کے دھوکے میں شیشے کا ٹکڑا خریدا ہے۔ ابھی آنکھیں بند ہیں۔ ایک دن کھلیں گی اور لالی پوڈر کے پیچھے چھپا ہوا اس کا اصلی چہرا آپ کو دکھائی دے گا۔ ایک دن آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں سے کون زہر اور کون امرت ہے۔

منورما: اس پر نالے کو بند کر— اب ہونٹ ہلے تو تیرا منھ کچل دوں گی۔

شنکری: اس گئوسمان سیدھی، بھولی، پتیہ وتی استری کی طرح ہراستری دیالو اور شاشیل نہیں ہوتی۔ اتیاچار کے ہاتھ کی چھری چھین لینے کے لیے مجھ میں یتھیسٹ شکتی ہے۔

منورما: گھر کا کوڑا— کمینی— تو مجھے دھمکی دیتی ہے۔

(شنکری کو لات مارتی ہے)

شنکری: بس اپنی کھال سے باہر نہ ہو۔

منورما: بھونکنا بند کر۔

(پھر لات مارتی ہے)

شنکری: دھرم چپ ہے۔ دیوتا سوچ رہے ہیں۔ ایشور سہن کررہے ہیں۔ میں بھی سہن کرلوں تو پاپ سمجھے گا کہ مجھے کوئی سزا دینے والا نہیں ہے— پاپنی— پاشانی۔

(منورما کے سر کے بال پکڑ کر تھپڑ مارتی ہے)

مدن موہن: شنکری! شنکری!!— یہ کیا؟

شنکر: اس دیوی کے اپمان کا بدلہ۔

کرشنا سندری: نہیں۔ نہیں۔ چھوڑ دو۔ میں بدلہ لینا چاہتی۔

شنکری: اور میں شما کرنا نہیں چاہتی—

(ایک دوسرے پر حملہ کرتی ہیں۔ آخر شنکری منورما کو زمین پر گرا کر اس کے ابھیمان کو لاتوں اور ٹھوکروں سے چور کر دیتی ہے)

باب دوسرا — سین پہلا

شنکری کا گھر

(کرشنا سندری کپڑے سی رہی ہے۔ پرتاپ اس کے پاس بیٹھا ہوا کتاب پڑھ رہا ہے)

کرشنا سندری: جیون پھلواری میں سکھ کی مینا، امرت سے ڈھلے ہوئے میٹھے سروں میں گا رہی تھی۔ پراربدھ نے منورما کے روپ میں آکر تیر مارا۔ وہ گھائل ہوکر گری اور بجتے ہوئے ستار کے ٹوٹ جانے والے تار کی طرح آخری ہچکی لے کر چپ ہوگئی۔ اب روتے ہوئے بھوشیہ کی دھیمی دھیمی سسکیوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ سناٹا ہے اور اندھیرا دل میں بھی اور دنیا میں بھی۔

پرتاپ: ماں۔ تم شنکری ماسی کے گھر میں کب تک رہوگی۔ کیا اپنے گھر نہ چلو گی؟ مجھے پتا جی بہت یاد آتے ہیں۔ روز انھیں سپنے میں دیکھتا ہوں۔

کرشنا سندری: بیٹا، دنیا میں سب سپنے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے بھی اس جیون میں ایک مدھر سپنا دیکھا تھا۔

پرتاپ: پتا جی نہ کسی سے بلاتے ہیں نہ خود آکر ہمیں اس گھر سے لے جاتے ہیں۔ کیا وہ تمھیں اور مجھے بھول گئے؟

کرشنا سندری: پتا پریم اور پتی پریم بھی ایک تپسیا ہے۔ ہمیں پھل ضرور ملے گا۔ تپسیا کیے جاؤ۔ ایک دن انھیں بھولے ہوئے یاد آجائیں گے۔

پرتاپ: میں نہیں سمجھا ماں۔

کرشنا سندری: میرے لال، جب تک تم کچھ نہیں سمجھتے، تبھی تک دنیا میں سکھی ہو۔ سمجھ آنے کے بعد دنیا کی ہر مٹھاس میں کڑواہٹ کا انوبھو کرو گے۔

(شنکری کا پرویش)

شنکری: لکشمی چند کی بہو کو تمھارا سیا ہوا شلوکا بہت پسند آیا۔ اپنے بچے کے دو کرتوں کے لیے یہ کپڑا دیا ہے اور کہا ہے کہ شلوکے کی طرح کرتوں پر بھی بیل بوٹے بنانے ہوں گے۔ دیوالی سے ایک دن پہلے تیار ہو جائیں۔

کرشنا سندری: ہاتھ کی مہین سلائی۔ پھر بیل بوٹے— اور تہوار میں کیول چار دن! کیسے تیار ہوں گے۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) لیکن پیٹ پالنے کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔ جس طرح ہو تیار کرنا ہی ہوگا۔

شنکری: بہو جی۔ مجھے گھر سے نکال دینے کے چار ہی دن بعد جب تمھاری جنم جلی سوت نے یہ آروپ لگایا کہ پرتاپ نے میرے بکس سے روپے چرا لیے ہیں اور تمھارے منھ سے اتنا ہی سن کر کہ منورما جھوٹ کہہ رہی ہے، شراب کے نشے سے اندھے پتی نے تمھیں حکم دیا کہ ابھی اپنے لڑکے کو لے کر میکے چلی جاؤ— اس وقت ایشور کہاں تھے۔ ایک پاپنی کو وہ سکھ اور ایک منگل مئی دیوی کو یہ دُکھ۔ یہی ایشور کا نیائے ہے؟

پرتاپ: ہاں دیکھو شنکری ماسی۔ نئی ماتا جی نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ پرتاپ نے میرے بکس سے روپے چرائے ہیں اور جب ماں نے میری طرفداری کی تو پتا جی نے غصہ ہو کر ہم دونوں کو گھر سے نکال دیا۔

شنکری: جب تم پرتاپ کا ہاتھ پکڑے میکے جا رہی تھیں، تو راستے میں، میں مل گئی۔ تم نے کہا مجھے گھر لے چلو، میں لے آئی۔ لیکن بہو جی تم نے اب تک یہ نہ بتایا کہ میکے کیوں نہ گئیں؟ اور کیوں جانا نہیں چاہتیں؟

کرشنا سندری: تم کارن سننا ہی چاہتی ہو تو اچھا سنو۔ پرتھم کارن یہ ہے کہ باپ، ماں، بھائی، بہن، سب مر چکے، ایک ودھوا بھاوج کے سوا اب میکے میں میرا کون

ہے۔ دوسرا کارن یہ ہے کہ میں وہاں جاکر رہوں تو گھر اور پڑوس کی استریوں کے منھ سے مجھے روز اپنے پتی دیو کی برائیاں سنی ہوں گی۔ میں ہندو استری ہوں، اس لیے نہ پتی کی نندا سن سکتی ہوں اور نہ نندا سننے کے بعد اس اپرادھ کے لیے اپنے کو شما کرسکتی ہوں۔

شنکری: میں نے ایک دن کہا تھا اور آج پھر کہتی ہوں کہ تم اس لوک کی استری نہیں، پرلوک کی دیوی ہو۔

باب دوسرا — سین دوسرا

کلب

(منورما ٹینس کھیل رہی ہے۔ کچھ لوگ کھیل دیکھ رہے ہیں۔ مدن موہن دوستوں سے جن میں لیڈیاں بھی ہیں، باتیں کر رہا ہے)

مدن موہن: مسٹر رام جی کپور۔

مسز شرما: پلیز ڈونٹ سے رام جی کپور۔ سے مسٹر رامزے کوپر۔

مدن موہن: اوہ بھولا۔ ٹھیک ہے۔ ہمارے دوست نے تو رام جی کو رامزے اور کپور کو کوپر سے بدل کر اپنا نام رامزے کوپر رکھا ہے۔ ہاں تو گت مہاشے رام جی کپور اور ورتمان مسٹر رامزے کوپر، اپنی دیسی بھاشا میں بات کرتے سمے بھی آپ کی زبان سو میں اَسّی شبد انگریزی بولتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اردو ہندی کا جھگڑا مٹانے کے لیے آپ ہندستان میں ایک نئی یوریشین بھاشا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

کپور: دھوتی کرتا پہننے والوں کی بھاشا میں بات کرنا ہم اپنے سوٹ بوٹ کا انسلٹ سمجھتا ہے۔

مسز شرما: مسٹر مدن موہن۔ میں نے سنا ہے کہ مسٹر نوین کمار بہت بیمار ہیں۔ انھیں ڈبل نمونیہ ہوگیا ہے۔

مدن موہن: جی ہاں۔ کیس ہوپ لیس ہے اور ہوپ لیس ہونے کا وشواس یوں ہوا کہ میں کل مسٹر کمار کو دیکھنے کے بعد جب دلاسا دینے کے لیے ان کی مسز کے کمرے میں گیا، تو دیکھا کہ وہ ایک ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ اور دوسرے

ہاتھ میں فاؤنٹین پین لیے کچھ لکھ رہی ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کیا لکھ رہی ہیں، تب سگریٹ کے گرم دھویں میں ملی ہوئی ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ آشا نہیں کہ میرے پتی دیو بچ سکیں۔ ان کے مرنے پر جو شوک سبھا ہوگی، اس کے لیے لکچر تیار کررہی ہوں۔

کپور: کتنے دکھ کی بات ہے کہ ایک ینگ اور بیوٹی فل لیڈی دو تین دن میں وڈو ہوجائے گی۔ اوہ یہ ایک جوان عورت پر ظلم ہے۔ مسٹر کمار مرنے میں بہت جلدی کررہے ہیں۔

مدن موہن: مسٹر کمار اپنے کو رومیو اور اپنی وائف کو جولیٹ کہتے ہیں۔ لیکن کل کی بات سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ ہماری سوسائٹی کی جولیٹ کو اپنے بیمار رومیو کے ساتھ کوئی محبت نہیں۔

مسز شرما: کیوں محبت نہیں۔ انھوں نے کل میرے سامنے، 'ٹامسن اینڈ کو' مورننگ ڈریس کا آرڈر دیا ہے۔ محبت نہ ہوتی، تو مسز کمار ودھوا کا ڈریس بنوانے کے بدلے اپنے دوسرے بیاہ کی پوشاک بنواتیں۔

مدن موہن: اگر یہی محبت ہے تو اس محبت کو رومیو جولیٹ کی قبر پر لے جاکر گولی مار دینی چاہیے۔

(مدن موہن ہنستا ہوا ایک طرف جاتا ہے۔ منورما ٹینس کھیل کر ہاتھ میں ریکٹ لیے پریم ناتھ سے باتیں کرتی ہوئی آتی ہے)

منورما: آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کل ریس میں مسز راؤ چار ہزار روپے ہار گئیں۔

پریم ناتھ: ہاں اور بلیک پرنس گھوڑے پر ایک دن پہلے بھی چار ہزار ہار چکی ہیں۔

منورما: مسٹر اور مسز راؤ میں بہت دنوں سے ان بن ہوگئی ہے۔ یہ بنگلے میں رہتی ہے۔ وہ ہوٹل میں۔ پھر ریس میں ہارنے کے لیے انھیں چار ہزار کہاں سے مل گئے؟

پریم ناتھ: پہلے پتی کے روپے سے کھیلتی تھیں۔ اب مسٹر مترا کے پاس پتی کے دیے ہوئے گہنے مورگیج کرکے ریس کھیلی جارہی ہے۔۔۔ ہاں مسٹر مترا کے بارے

میں آپ نے کچھ سنا؟ امپائر فلم کمپنی کی فینس ایکٹریس مس ہیلن گرے سے تھوڑے دنوں میں ان کی سول میرج ہونے والی ہے۔

منورما: نان سینس۔ کیا ہندستان میں گورا چمڑا اور گورا رنگ نہیں ہے جو مسٹر مترا یوروپین وائف چاہتے ہیں۔ یہ بہت بری بات ہے۔ پڑھی لکھی آزاد عورتیں۔ پرانے خیال کے مردوں سے بیاہ نہیں کرسکتیں۔ اگر سوسائٹی کے ممبر یوروپین لیڈیوں سے میرج کرنے لگے تو سینکڑوں ایجوکیٹڈ عورتیں کنواری رہ جائیں گی۔

(مدن واپس آتا ہے اور الگ کھڑے ہوکر دونوں کی باتیں سنتا ہے)

پریم ناتھ: میں خود حیران ہوں کہ بلی جیسی کرنجی آنکھوں، خضاب لگی داڑھی کی طرح سنہری بال اور ایک پلیٹ میں رکھے ہوئے شلجم اور چقندر کی طرح آدھے سفید اور آدھے لال چہرے کے سوا مس ہیلن میں کون سا ایٹریکشن ہے، جو مسٹر مترا میرج کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک بار آپ کو غور سے دیکھتے تب انھیں معلوم ہوتا کہ وومن بیوٹی اور خوبصورت عورت کسے کہتے ہیں؟

منورما: مسٹر پریم ناتھ، یہ سچ ہے کہ میرا رنگ گورا ہے۔ چہرے پر کچھ سلونا پن بھی ہے، ناک نقشہ بھی تھوڑا ٹھیک ہے۔ اس لیے سوسائٹی میں خوبصورت سمجھی جاتی ہوں لیکن جیسی آپ تعریف کررہے ہیں، میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں۔

پریم ناتھ: اپنے چہرے کو دوسروں کی آنکھ سے دیکھیے۔

منورما: کس کی آنکھوں سے دیکھوں۔ عورت کی آنکھوں سے؟ ایک عورت ہمیشہ دوسری عورت کی خوبصورتی میں عیب نکالا کرتی ہے۔ اب رہے مرد تو اُن کی آنکھوں کا کیا بھروسا، انھیں تو گوری ہو یا کالی، ہر جوان عورت کے چہرے میں کوئی نہ کوئی خوبصورتی ضرور نظر آجاتی ہے۔

پریم ناتھ: آپ کی خوبصورتی میں آپ کے پتی مسٹر مدن موہن کی کیا رائے ہے؟

منورما: میں نے ان سے ان کی رائے کبھی نہیں پوچھی۔ البتہ جو چیز خوبصورت ہوتی ہے وہی پسند کی جاتی ہے۔ میرے پتی مجھے پسند کرتے ہیں، اس لیے وشواس

ہوتا ہے کہ خوبصورت بھی ضرور سمجھتے ہوں گے۔

پریم ناتھ: اگر وہ آپ کو سوسائٹی کی سب سے زیادہ بیوٹی فل وومنَ نہ سمجھتے تو آپ کا روپ ان کے لیے اندھے کے ہاتھ میں گلاب کا پھول ہے۔ معاف کیجیے گا، اس رسیلی صورت کو آئینہ میں دیکھ کر آپ کو بھی نشہ ہوجاتا ہوگا؟

(مدن موہن غصے میں سامنے آتا ہے)

مدن موہن: پریم ناتھ، یہ میری بیوی ہے۔ ایک وواہت بھدر استری کے روپ اور جوانی کی تعریف کرکے اس کے دل میں بے شرمی کا بیج بونے کا تمھیں کیا ادھیکار ہے۔ خوبصورت سانپ بھی ہوتا ہے، خوبصورت کوٹھے پر بیٹھنے والی بازاری عورت بھی ہوتی ہے۔ لیکن اُس کی خوبصورتی کی دنیا میں کیا عزت ہے؟ روپ وہ ہے، جو عمر کے ساتھ بڑھتا رہے۔ روپ وہ ہے جو دکھ، چنتا، بیماری اور بڑھاپے میں قائم رہے۔ تمھارے وچار گندے، آنکھیں گندی ہیں، اس لیے گن کے بدلے چہرے کی طرف دیکھتے ہو— عورت وہ خوبصورت ہے جس کی آتما خوبصورت اور دل خوبصورت ہے۔

منورما: لیڈی کے لیے اپنی سیٹ خالی کردینا۔ اُسے دیکھ کر سر سے ٹوپی اتار لینا، اس کے ڈریس اور بیوٹی کی تعریف کرنا، یہ سوسائٹی کا ایٹی کیٹ اور فیشن ہے۔ اِدھر دیکھو۔ میرے چہرے کا رنگ، گالوں کی لالی، بالوں کی چمک اور خوشبو کیا چیز کم ہوگئی؟ مسٹر پریم ناتھ نے میرے خوبصورتی کے باغ کا کون سا پھول توڑ لیا جو تم خفا ہورہے ہو— تم کس ٹائپ کے جنٹل مین ہو؟ جنٹل مین تو دوسروں کے منھ سے اپنی وائف کی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں۔

مدن موہن: جو لوگ دوسروں کے منھ سے اپنی بیوی کے چمکیلے بالوں اور گورے گالوں کی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں وہ بے حیا ہیں۔ اُن کی نسوں میں شریف باپ کا خون نہیں ہے۔ تم انھیں جنٹل مین کہتی ہو اور میں انھیں بے شرم جانور سمجھتا ہوں۔

پریم ناتھ: سوسائٹی کے سسٹم پسند نہیں تو سوسائٹی کی نظر سے بچانے کے لیے، آزادی کی ہوا میں اڑنے والے اس سندر پنچھی کو گھر کے پنجرے میں کیوں نہیں بند رکھتے؟ میں شریف ہوں اور تمھارا یہ ریمارک ایک شریف پر کمینہ حملہ ہے۔

مدن موہن: تیری پلکوں کی آڑ سے تیرے دل کا پاپ جھانک رہا ہے— میں تیری نظر کو پہچانتا ہوں۔ تو کہتا ہے، میں شریف ہوں۔ لیکن پرائی عورت کے سامنے شریفوں کے ہونٹوں پر ایسی بات چیت اور ان کی آنکھوں میں اس طرح کی شیطانی چمک نہیں ہوتی۔ شریف ہر کنواری اور بیاہی استری کی عزت کا خیال رکھتا اور دوسرے کی بیوی کو اپنی بہن سمجھتا ہے۔

پریم ناتھ: تو بیوقوف ہے۔

مدن موہن: اور تو شریف بدمعاش ہے۔

پریم ناتھ: بس اور نہیں۔ تو نے مجھے ایک عورت کے سامنے ذلیل کیا ہے۔ سزا سے بچنا چاہتے ہو تو معافی مانگو۔

مدن موہن: معافی آدمی سے مانگی جاتی ہے تو آدمی نہیں، پرائی بہو بیٹیوں کے پیچھے دوڑنے والا پاگل کتا ہے۔

پریم ناتھ: (مدن موہن کے منھ پر گھونسہ مار کر) چپ۔

مدن موہن: پاجی—

(دونوں لڑتے ہیں اور کلب کے ممبر ڈر اور حیرت سے یہ لڑائی دیکھتے ہیں)

منورما: مائی گاڈ— واٹ از دِس؟

(مدن موہن پریم کر گرا کر چھاتی پر چڑھ جاتا ہے اور اس کے سر پر گھونسے مارتا ہے)

...... اوہ— جانے دو— ہاتھ روکو۔ (سمجھانے کے لیے مدن کے گلے میں بانہیں ڈال کر) مائی گڈ ہسبنڈ— مائی پٹ— مائی ڈارلنگ۔

باب دوسرا — سین تیسرا

پریم ناتھ کا گھر

پریم ناتھ: آئی ول ناٹ ایکس کیوز ہم ٹِل مائی لاسٹ بریتھ — میں مدن موہن سے اس انسلٹ کا ضرور ریونج لوں گا — آج سے میری زندگی کی ہر منٹ اس ٹرائی میں خرچ ہوگی کہ منورما کو اس سے چھین لوں — بوائے۔

(نوکر آتا ہے)

نوکر: سر۔

پریم ناتھ: وِسکی (نوکر وِسکی لینے جاتا ہے) میرے پاس عورت کا دل لبھا لینے والی باتیں ہیں۔ پھانسنے کی ٹرکس ہیں۔ روپے کا پاور ہے — آئی وِل سی ہم — اس نے میرے بدن پر چوٹیں لگائی ہیں۔ میں اس کے دل پر چوٹیں لگاؤں گا۔

(نوکر شراب لاتا ہے۔ ساتھ ہی ناچنے والیاں آتی ہیں)

گانا — ناچ

باب دوسرا— سین چوتھا

شنکری کا گھر

(پرتاپ بیمار ہے۔ کرشنا اور شنکری گھبرائی ہوئی ہیں)

کرشنا سندری: دیکھو— دیکھو— مرجھائے ہونٹوں پر سوکھی زبان پھیر رہا ہے— پندرہ دن ہوگئے بخار کم نہیں ہوتا— میرے بچے کی نس نس سے آنچ نکل رہی ہے۔

شنکری: گھبراؤ نہیں۔ ایشور پر بھروسا رکھو۔ دُکھ تمھاری سہن شکتی کی پریکشا لے رہا ہے۔

کرشنا سندری: میرا دھیرج چور ہوا جا رہا ہے— یہ آگ جس سے میرے لال کا روم روم جل رہا ہے، بجھا دو۔ اسے اچھا کردو— میں تمھارے پاؤں پڑتی ہوں۔

(شنکری کے پیروں پر گر پڑتی ہے)

شنکری: اپنے کو سنبھالو۔ اس طرح تو پاگل ہوجاؤ گی۔

پرتاپ: (آنکھیں کھول کر) شنکری ماسی۔

کرشنا سندری: سنو وہ کچھ کہہ رہا ہے۔ بولو بیٹا بولو۔ کہو کہ ایشور نے دیا کی۔ کہو کہ ماں میں اچھا ہوگیا۔

پرتاپ: ماسی۔

شنکری: کیوں لال؟

پرتاپ: (رُک رُک کر) تم نے کہا تھا، تمھارے پتا جی کو بلادوں گی— کیوں نہیں بلا دیتیں؟ کیا نہیں آتے؟ انھیں.....

کرشنا سندری: میرے چاند بولو۔ چپ کیوں ہوگئے؟

پرتاپ: بولا نہیں جاتا— بلا دو— وہ مجھے— بہت یاد آرہے ہیں۔

شنکری: بیٹا۔ تمھارے پتا کو تمھاری بیماری کا حال معلوم نہیں ہے۔ میں آج ضرور جاؤں گی— یہ سنتے ہی کہ یاد کررہے ہو، وہ دوڑے آئیں گے (دل میں) پتا کے ہردے میں سنتان کا پریم ہوتا تو آج اِن ہونٹوں سے یہ پکار ہی کیوں سنائی دیتی۔

کرشنا سندری: بیٹا۔ میری طرف دیکھو— مجھے دلاسا دو— آہ، تم تو آنکھیں ہیں نہیں کھولتے۔

پرتاپ: آنکھیں کھولتا ہوں لیکن بند ہوجاتی ہیں— یہ کیسی نیند ہے ماں؟

کرشنا سندری: شنکری، سنتی ہو۔ یہ شبد ایک بار اور سنا تو آنکھوں سے آنسو کے بدلے کلیجے کے ٹکڑے ٹپکنے لگیں گے۔

پرتاپ: اوہ— بڑا دُکھ— میرا دل گھبرا رہا ہے۔ ارے یہ اندھیرا کیوں ہوگیا؟ کہاں ہو؟ ماں۔ ماں۔

(ہاتھ پھیلا کر کرشنا کے گلے سے لپٹنے کے لیے اُٹھتا ہے اور بیہوش ہوکر گر پڑتا ہے)

کرشنا سندری: (گھبرا کر) یہ کیا ہوا! اسے کیا ہوگیا!! (چلا کر) پرتاپ— پرتاپ۔ ابھاگنی ماں کو دھوکا نہ دینا۔ (پُتر کی چھاتی سے کان لگا کر) سانس رُک رُک کر چل رہی ہے— (ہاتھ کی انگلیاں دیکھ کر) ناخن بھی نیلے ہوگئے ہیں— ناؤ منجدھار میں ہے— کھویا نہ ملا تو ڈر ہے کہ ڈوب جائے گی— کیا کروں؟ کس سے مدد مانگنے جاؤں— کیا کوئی وید، کوئی ڈاکٹر دیا نہ کرے گا— نراشا نہ روک— مجھے جانے دے۔

(ڈاکٹر کو بلانے جاتی ہے)

باب دوسرا — سین پانچواں

راجا لال کا مکان

راجا لال: میں لکی ہوں۔ بلیو کیجیے۔ آپ کی لڑکی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔

کرم چند: محبت! ہاہاہا!!! میری لڑکی کالج میں پڑھ رہی ہے اور کالج میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کی کہانی نہیں پڑھائی جاتی۔ پھر اس نے یہ پرانا، بوڑھا، آؤٹ آف فیشن محبت کا شبد کہاں سے سن پایا۔

راجا لال: میں نے سکھایا۔

کرم چند: مرد، عورت کو سب کچھ سکھا سکتا ہے۔ محبت کرنا نہیں سکھا سکتا۔ باتوں کی ناس سنگھانے سے عورت کو محبت کی چھینک نہیں آسکتی۔

راجا لال: تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ عورت کے دل کو محبت کا زکام نہیں ہوسکتا۔

کرم چند: مائی بوائے۔ پڑھی لکھی فیشنیبل عورت کی محبت کو محبت نہیں کہتے، عورت کی پسند کہتے ہیں۔

راجا لال: گڑ کہیے یا میٹھا۔ محبت اور پسند ایک ہی شبد ہے۔

کرم چند: پھر وہی بیوقوفی۔ محبت کا تو یہ ارتھ ہوا کہ عورت اپنی آزادی، پسند، رائے، مرضی، سب پر غلامی کا تالا لگا کر اس کی چابی مرد کو دے دے۔ اب یہ نہیں ہوسکتا۔ مائی ڈیر وہ زمانہ چلا آرہا ہے۔ جب محبت کا شبد سن کر سمجھ دار عورتیں مرد کو پھانسی دے دیں گی۔

راجا لال: اور اگر غصے میں آکر مردوں نے بھی ایسی عورتوں کا بائیکاٹ کردیا، تب کیا ہوگا؟

کرم چند: ہوگا کیا— یہی ہوگا کہ عورت اور مرد کے جھگڑے میں بیاہ کرنے والے

پروہتوں اور پنڈتوں کی روٹی ماری جائے گی۔

راجا لال: بڑی خیریت ہوئی کہ ایسا زمانہ آنے سے پہلے ہی میں پیدا ہوگیا۔ نہیں تو کنوارا ہی دنیا میں آتا اور کنوارا ہی دنیا سے چلا جاتا۔

کرم چند: اوہ— ٹولیٹ!! ابھی تک جوتشی کے گھر سے تمھاری چچی واپس نہیں آئیں؟

راجا لال: میں نے بلانے کے لیے نوکر بھیج دیا ہے— آیا ہی چاہتی ہیں۔

(من سکھ چچی بن کر واپس آتا ہے)

من سکھ: بس— آج نشچے ہوگیا کہ مردوں کا کوئی قصور نہیں، جو جوان عورتوں کو دیکھ کر گھورتے ہیں— چولی ساڑی پہننے کے بعد جب آئینے میں چہرہ دیکھا تو میں خود اپنی صورت پر عاشق ہوگیا۔

راجا لال: (کرم چند کی نظر بچا کر) تم بھی بدھو ہی ہو۔ اتنے سمے میں تو ایک گدھی بھی میری چچی بن سکتی تھی۔ اتنی دیر لگائی۔

من سکھ: دوست دیر اس لیے ہوئی کہ مجھ سے زنانی دھوتی نہیں بندھتی تھی— میں تو سمجھا تھا کہ پگڑی باندھنا مشکل ہے لیکن عورت کی ساڑی تو مرد کی پگڑی کی بھی چچی نکلی۔

راجا لال: اچھا دیکھو۔ آج ایک وکیل سے ٹکر ہے۔ میں نے تمھیں اپنی وکیلن بنایا ہے— کیس نہ ہرا دینا۔ بڑھو، (کرم چند کے پاس جاکر) یہی مس کملا کے پتا مسٹر کرم چند وکیل ہیں— یہی آپ کی لڑکی کی ہونے والی ساس اور میری پیاری چچی ہیں۔

من سکھ: مہاشے۔ ہاتھ ملایئے۔

کرم چند: یہ کیا؟ پرانے وچار کی ہندستانی ودھوا— اور پرائے مرد سے ہاتھ ملانا چاہتی ہے!!

من سکھ: لایئے۔ اور وہ ہاتھ ملایئے، جس ہاتھ سے آپ میرے بھتیجے کو اپنی بیٹی دیں گے۔ لڑکا داہنے ہاتھ سے دیا جاتا ہے۔ تو نشچے ہی آپ لڑکی بائیں ہاتھ سے دیں گے۔ لایئے بایاں ہاتھ۔

(کرم چند کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

راجا لال: ارے یہ تو چچی کے بدلے چچا کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

من سکھ: میرے پیارے بھتیجے۔

راجا لال: کیوں میری پیاری چچی۔

من سکھ: دو ہاتھ مل کر جب ہوا میں جھولا جھولتے ہیں تو اُسے ولایتی بھاشا میں کیا کہتے ہیں؟

راجا لال: (سائڈ میں) تیرا سر— چچی اسے شیک ہینڈ کہتے ہیں۔

من سکھ: شیک اور ہینڈ۔ سمجھ گئی— شکر کو گھلا کر شیک اور ہنڈیا کو توڑ کر ہینڈ بنا لیا ہے۔ ارتھات شیک ہینڈ کا ارتھ ہوا— شکر کی ہنڈیا— یعنی میٹھی دوستی— اچھا مہاشے، پکایئے میٹھی ہنڈیا۔

(کرم چند کے ہاتھ کو خوب زور زور سے جھٹکے دیتا ہے)

کرم چند: آٹھ دن ہاتھوں میں ہلدی تھوپنی ہوگی۔ یہ عورت ہے یا ہندستانی سینڈو۔ (من سکھ سے) دیوی، آشا ہے کہ مجھے اس گھر میں دیکھ کر آپ خوش ہوئی ہوں گی۔

من سکھ: بہت خوش— میں اپنی زندگی میں سب سے زیادہ دو ہی مرتبہ خوش ہوئی ہوں۔ ایک مرتبہ چڑیا گھر میں دو پاؤں کا گدھا دیکھ کر— اور آج آپ کو دیکھ کر۔

راجا لال: میری پیاری چچی۔

من سکھ: میرے پیارے بھتیجے۔

راجا لال: (الگ لے جا کر) یہ کیا کر رہے ہو اور کیا بک رہے ہو؟

من سکھ: چپ رہو— دیکھو وہ سبزی پری کا باپ اور میں گلفام کی چچی ہوں— لال دیو بن کر بیچ میں بولو گے، تو پہلے سین پر ڈراپ ڈال دوں گا— یہ اندر سبھا نہیں، چچی سبھا ہے۔

کرم چند: آپ کی چٹھی پڑھ کر میں اس سمبندھ سے نراش ہوگیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کے وچار بدل گئے۔ کیا اب آپ بھتیجے کا بیاہ کرنے کو تیار ہیں؟

من سکھ: بیاہ! نہیں— میرے بھتیجے کو کیا آپ پاجی سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی بیاہ نہیں کرے گا۔

راجا لال: (گھبرا کر) چچی، چچی—

کرم چند: بیاہ نہیں کرے گا۔ (راجا لال سے) کیوں جی! بیاہ نہیں کرنا تھا تو کیا ایمان کرنے کے لیے مجھے یہاں بلایا ہے؟

من سکھ: ایمان کیسا؟ مہاشے آپ کی لڑکی تو اس کی جورو ہو چکی۔ میرا یہ مطلب ہے کہ دوسری لڑکی سے بیاہ نہیں کرے گا۔

کرم چند: او آئی سی۔ اب سمجھا۔

من سکھ: کیوں نہ سمجھتے۔ آخر آپ وکیل ہیں۔ حجام تو نہیں ہیں (راجا لال سے) میرے پیارے بھتیجے۔

راجا لال: میری چچی جان۔

من سکھ: شاباش اور دھنیہ واد کو تمھاری گٹ پٹ بھاشا میں کیا کہتے ہیں؟

راجا لال: ویل ڈن۔

من سکھ: (کرم چند سے) میں اتنی جلدی سمجھ جانے پر آپ کی سمجھ کو دھنیہ واد دیتی ہوں۔ ویل دھم۔ ویل دھم۔

(زور زور سے کرم چند کی پیٹھ ٹھونکتا ہے)

کرم چند: دیوی، ذرا دھیرے دھیرے۔ یہ ایک وکیل کی پیٹھ ہے۔ پاجی کی کھوپڑی نہیں ہے (راجا لال سے) تم تو کہتے تھے کہ میری چچی پرانے وچار کی استری ہیں— لیکن یہ پرانا کھٹارا تو آج کل کی موٹروں سے بھی آگے جارہا ہے۔

راجا لال: انھوں نے مجھے دوستوں کے ساتھ فری ہوکر ملتے اور باتیں کرتے دیکھا ہے۔ آپ کو خوش کرنے کے لیے اسی کی کاپی کررہی ہیں۔ یہ اس دھوکے میں ہیں کہ کوٹ پتلون پہننے والے اسی طرح خوش ہوتے ہیں۔

من سکھ: میرے پیارے بھتیجے۔

راجا لال: میری پیاری چچی۔

من سکھ: یہ چپکے چپکے اپنے سسر سے کیا باتیں کررہے ہو؟

کرم چند: نو، نو، جب تک آپ کے بھتیجے سے میری لڑکی کا بیاہ نہ ہو جائے، مجھے سسر نہ کہیے۔

من سکھ: وکیل مہاشے، سسر بننے سے نہ شرمائیے۔ جس دن کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہے، اسی دن اس کو سسر بننے کی سرٹیفکٹ مل جاتی ہے۔

کرم چند: دیوی، آپ کے پتی کو مرے ہوئے کتنے دن ہوئے؟

من سکھ: تیس برس۔

کرم چند: اور آپ کی عمر کیا ہے؟

من سکھ: بائیس برس۔

کرم چند: ایں! آپ کے جنم لینے سے پہلے ہی آپ کے پتی مر گئے!!

من سکھ: جی ہاں، ماں باپ نے میرے جنم لینے سے آٹھ برس پہلے ہی پتی کے ساتھ میری منگنی کر دی تھی۔ کوئی بال ودھوا ہوتی ہے، میں جنم ودھوا ہوں۔

کرم چند: جب اس کے باپ کے بھائی سے آپ کا بیاہ نہیں ہوا، تو پھر یہ آپ کو چچی کیوں کہتا ہے؟

من سکھ: اب کیا کہوں جی— یہ میرا منھ بولا بھتیجا ہے۔ میں اپنی ساری دولت اسی کو دینے والی ہوں۔ لیکن یہ تو کہیے، میرے بھتیجے کا بیاہ کس سے ہوگا۔ آپ کی لڑکی سے یا آپ سے؟

کرم چند: کیا کہا؟

من سکھ: میں یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ کی لڑکی، ارتھات میری منگل مورتی بہو کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ کیول جنوائی اور سسر سنیچر اور اتوار کی طرح سامنے نظر آ رہے ہیں۔

راجا لال: چچی، وہ کمرے میں ایک ناول دیکھ رہی ہے۔ لیجیے آ گئی آپ کی بہو۔

(کملا کا پرویش)

کملا: پاپا، میں میری کوریلی کا ناول 'ساروز آف سیٹن' دیکھ رہی تھی— نیو تھیوری—

اس کے قلم نے شیطان کی تصویر نئے رنگ میں پینٹ کی ہے (من سکھ کو دیکھ کر) یہ کون؟

کرم چند: ہز آنٹ— گو آن— شیک ہینڈ۔

کملا: (ہاتھ بڑھا کر) ہاؤ آر یو چچی؟

من سکھ: بیٹا، مرغا مرغی چونچ ملاتے ہیں۔ گائے بیل سینگ ملاتے ہیں۔ لیکن تم عورت میں عورت ہم دونوں کو گلے سے گلا ملانا چاہیے۔

کملا: چچی، محبت ظاہر کرنے کے وقت ہاتھ ہی ملایا جاتا ہے۔ گلے ملنا پرانا فیشن ہے۔ اب یہ فیشن اٹھ گیا۔

من سکھ: نہیں بیٹی، تم یہ فیشن نہ بھولو۔ نہیں تو بیاہ کرنے کے بعد یہ پرانا فیشن پھر سیکھنا پڑے گا۔

کملا: تو گلے ملنا چاہیے؟

من سکھ: ہاں، گلے کو دل جوڑنے کا سریس سمجھو۔ جب تک گلے نہ ملو، دل نہیں ملتا۔ آؤ دیکھیں کیسے گلے ملتی ہو؟

کملا: اس طرح۔

(من سکھ کے گلے سے لپٹ جاتی ہے)

راجا لال: ہت تیری چچی کی ایسی تیسی۔ میری کھیر کی ہانڈی جوٹھی کردی— میری پیاری چچی۔

من سکھ: میرے پیارے بھتیجے۔

راجا لال: میری آنکھوں کے سامنے تم اسے گلے لگاتے ہو۔ میری جورو کو دوسرا گلے لگائے، یہ میں نہیں دیکھ سکتا۔

من سکھ: ایسے موقعے پر سمجھ دار لوگ منھ پھیر لیا کرتے ہیں۔ تم بھی ادھر نہ دیکھو۔

راجا لال: نہیں نہیں۔ وہ بیچاری تمھیں عورت سمجھ رہی ہے۔ ابھی گلے لگا لیا۔ تھوڑی دیر بعد چچی بن کر پیار بھی کرلو گے؟

من سکھ: گلے لگانے اور پیار کرنے ہی سے تو چچی کہلاؤں گا۔ یہ منظور نہیں تو کسی اور کو چچی بنالو۔ سنبھالو اپنے بال اور ساڑی۔

راجا لال: ارے نہیں نہیں۔ اسی جون میں رہو۔ میں اپنے دل کو یہ کہہ کر سمجھالوں گا کہ بھائی بہن گلے مل رہے ہیں۔

کملا: چچی۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

من سکھ: جہاں پریم ہوتا ہے وہاں ایرشا بھی ہوتی ہے۔ تمھیں گلے لگانے سے لڑکا خفا ہوتا ہے۔

کملا: (راجا لال سے) کیوں۔ خفا کیوں ہوتے ہو۔ عورت عورت سے گلے ملے تو کیا برائی ہے؟ کوئی مرد تو مجھے گلے نہیں لگا رہا ہے۔

راجا لال: یہ مرد تو نہیں ہے لیکن ودھوا ہوجانے کے بعد اب یہ عورتوں کی گنتی میں بھی نہیں ہے۔ سنو، تم کنواری ہو— کنواری کا ودھوا سے گلے ملنا بہت اشبھ بات ہے۔

کملا: میں ان پرانی باتوں کو نہیں مانتی۔ ضرور گلے ملوں گی— چچی مجھے پھر گلے لگاؤ۔

من سکھ: ارے یہ صورت تو ایسی پیاری پیاری ہے کہ جی چاہتا ہے دن بھر گلے لگائے ہوں۔ آؤ۔

(دونوں پھر گلے ملتے ہیں)

راجا لال: اے من دھیرج دھر۔ جب حلوے کی تھالی خود ہی کھسک کر کتے کے آگے پہنچ جائے، تو میں کیا کروں؟

کرم چند: آپ نے میری کملا کو دیکھ لیا۔ کیسی بہو پسند آئی؟

من سکھ: بس سمدھی جی، میری پسند کا حال نہ پوچھیے۔ کیا کہوں؟ عورت ہوں، مرد ہوتی تو بھتیجے کا بیاہ دوسری جگہ کرا دیتی اور خود اس سے بیاہ کرلیتی۔

راجا لال: یہ دیکھو۔ چٹپٹا کچالو دیکھ کر، اس کے منھ میں بھی پانی بھر آیا۔

کرم چند: (کملا سے) بیٹی، تمھاری ہونے والی ساس میں بہت دل لگی ہے۔ تمھیں خوب

ہنسایا کریں گی۔

من سکھ: بٹی، میرا بھتیجا راضی ہے۔ تمھارے پتا جی راضی ہیں اور تمھاری ساسو جی بھی راضی ہیں۔ تم بھی بیاہ کے لیے راضی ہو؟

کرم چند: کملا چپ کیوں ہو؟ جواب دو۔

کملا: پاپا میری طرف سے تمھیں 'یَس' کہہ دو۔ ہندستانی ساس کے سامنے مجھے 'ہاں' کہتے شرم آتی ہے۔

راجا لال: چچی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ کملا بھی راضی ہے۔

من سکھ: اِدھر آ— اِدھر آ— یہ سسر، میں چچی۔ دو بڑوں کی بات میں چھوٹے کو بولنے کا کیا حق ہے؟ (راجا لال کے کان کھینچ کر) بدتمیز (منہ پر تھپڑ مار کر) پھر بولے گا؟

راجا لال: ارے! یہ کیا کرتا ہے؟

من سکھ: تمھیں لائق بھتیجا بنا سکھا رہا ہوں۔ گھورتے ہو؟ تو لو اپنے بال اور ساڑی۔

راجا لال: ارے نہیں، ایسا نہ کر۔ جیسے بوڑھا پتی جوان جورو کے نخرے اٹھاتا ہے، میں بھی تیرے نخرے سہوں گا۔ تجھے چچی بنا کر، مجھے تو بڑھاپے کے بیاہ کا مزا مل رہا ہے۔

کرم چند: دیوی، میں دو ویک کے بعد پریوی کونسل میں ایک کیس کی اپیل کرنے کے لیے ولایت جانے والا ہوں۔ اس لیے آج بیاہ کا دن اور تاریخ سٹل ہو جانی چاہیے۔

من سکھ: بولو بھتیجے۔ ان کے ولایت جانے سے پہلے۔ یا ولایت سے لوٹنے کے بعد۔ گرما گرم بیاہ چاہتے ہو یا ٹھنڈا؟

راجا لال: چچی لنکا تھوڑی جیتنی ہے۔ بیاہ کی تیاری کے لیے آٹھ دن بہت ہیں۔

من سکھ: تو اگلا منگل ٹھیک رہے گا، اسی دن راون کی چھٹی بھی ہوئی تھی (کرم چند سے) تیاری کیجیے۔

راجا لال: جیتی رہو میری پیاری چچی۔

من سکھ: (کملا کو گلے لگا کر) جیتی رہو میری پیاری بہو۔

راجا لال: ہائے ہائے۔ یہ تو میرے دودھ پر ملائی نہ رہنے دے گا۔

من سکھ: دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔ مانگ بھری رہے۔ گودی ہری رہے (ٹھنڈی سانس لے کر) بھگوان، اس جوڑے کا منگل کرنا۔

کرم چند: دیوی، تم نے ٹھنڈی سانس کیوں لی؟

من سکھ: اس لیے کہ ڈرتی ہوں کہ میری طرح میری بہو بھی ودھوا نہ ہو جائے۔ میرا بھتیجا جنم کا منحوس ہے۔ جس دن یہ پیدا ہوا تھا، اُسی دن آکاش پر جھاڑو تارا دکھائی دیا تھا۔

کرم چند: جھاڑو تارا؟

من سکھ: ہاں۔ جیوتشی سے پوچھا تو اس نے یہ بتایا کہ تمھارا بھتیجا پچھلے جنم میں بھنگی تھا، اس لیے اس جنم میں جھاڑو ساتھ لے کر پیدا ہوا ہے۔

راجا لال: اب یہ بنا کام بگاڑ دے گا (اندر کی طرف دیکھ کر) ہاں۔ اچھا۔ مہاشے! نہیں، اب میں آپ کو فادر ان لا کہوں گا۔ ڈیئر فادر، بوائے کہہ رہا ہے کہ چائے تیار ہے (چلنے کا اشارہ کر کے) پی لیجیے۔

کرم چند: دیوی چلیے۔

من سکھ: میں چائے نہیں پیتی۔ کبھی کبھی پیٹ میں سردی ہوتی ہے تو بھنگ پی لیتی ہوں۔

کملا: بھنگ؟

من سکھ: ہاں بیٹی۔ یہ ہماری دیسی چائے ہے۔

راجا لال: (کملا سے) کم آن ڈیئر۔

(ہاتھ پکڑ کر لے جانا چاہتا ہے)

من سکھ: (کملا کا ہاتھ چھڑا کر) اسے کہاں لیے جا رہا ہے؟ ابھی میرا دل نہیں بھرا۔ میں اپنی بہو سے باتیں کروں گی۔

راجا لال: مگر چچی چائے تو پی لینے دو۔

من سکھ: (کملا سے) دیکھتی ہو۔ کیسا بے اعتبارا ہے۔ تمھیں اکیلی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جیسے میں کوئی مرد ہوں اور تمھیں بھگا لے جاؤں گی۔ (راجا لال کو دھکا دے کر) ارے جا۔ تو چائے پلائے گا اور میں اپنی بہو کو چاہ پلاؤں گی۔

کملا: تم چلو۔ میں آتی ہوں۔ گو آن۔ (راجا لال دانت پیستا کرم چند کے ساتھ جاتا ہے) ججی یہ تم نے کیا کہا کہ میں چاہ پلاؤں گی؟— چاہ کے مینگ ہیں لو۔ محبت۔ کیا محبت پینے کی چیز ہے؟

من سکھ: ہاں بیٹی۔ یہ پینے کی چیز ہے۔ لیکن اسے ہونٹوں سے نہیں آنکھوں سے پیتے ہیں۔

کملا: اچھا تو چلیے۔ وہ لوگ چائے پئیں اور ہم لوگ محبت پئیں۔

(کھینچ کر لے جاتی ہے)

باب دوسرا — سین چھٹا

ڈاکٹر گنیش پرشاد کا مکان

(ڈاکٹر گنیش پرشاد اخبار دیکھتا ہوا نظر آتا ہے)

ڈاکٹر: (غصے میں اخبار کو توڑ مروڑ کر) جھوٹا، دغاباز، ڈاکو — اخبار میں اشتہار دیتا ہے کہ "ساری بیماریوں کی ایک دوا۔ اب تک چھ لاکھ شیشیاں بک چکیں — دوڑو — خریدو — تین روپے میں تندرستی، جوانی اور زندگی مل رہی ہے" نان نس۔ (اخبار پھینک دیتا ہے) ہر جگہ کی کلائمیٹ الگ، ہر آدمی کی طبیعت الگ، ہر بیماری کا کاز الگ۔ پھر ایک ہی دوا ہر آدمی کو ہر حالت میں کس طرح فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ یہ دن کی روشنی میں پولیس کی آنکھوں کے سامنے پبلک کی ہیلتھ اور جیب کے روپیوں پر ڈاکہ نہیں ہے، تو کیا ہے؟ اگر رعیت کے مال اور جان کی رکشا، گورنمنٹ کی ڈیوٹی ہے، تو وہ ان اشتہار باز ٹھگوں کو کیوں نہیں سزا دیتی؟ قانون کے ڈنڈے سے ان زندگی کے شکاری بھیڑیوں کو ہر طرف سے ہنکا کر، جیل کی کوٹھریوں میں کیوں نہیں بند کردیتی؟

(گھبرائی ہوئی کرشنا پرویش کرتی ہے)

کرشنا سندری: (دل میں) نشچے ہی یہی ہیں — (آگے بڑھ کر) کیا آپ ہی کا نام ڈاکٹر گنیش پرشاد ہے؟

ڈاکٹر: ہاں — تم کون ہو؟

کرشنا سندری: آپ کے پڑوس میں رہنے والی دُکھیا، ابھاگنی، بھکارنی۔

ڈاکٹر: کیا چاہتی ہو؟

کرشنا سندری: آپ کی دَیا— اور سہایتا۔

ڈاکٹر: ارتھات؟

کرشنا سندری: میرا بچہ بیمار ہے۔ تھکے ہوئے مسافر کی طرح اس کی سانس رک رک کر چل رہی ہے۔ چل کر بچا لیجیے— دیر کی تو میری گود کی روشنی بجھ جائے گی۔

ڈاکٹر: تمھاری اوستھا، میری آنکھوں سے کہہ رہی ہے کہ تم غریب ہو۔ کیا میری فیس دے سکو گی۔ جانتی ہو، کیا فیس ہے؟ بتیس روپیے؟

کرشنا سندری: ایک دکھیا غریب، جو پڑوسیوں کے کپڑے سی کر، دو وقت میں ایک وقت کھا کر، جیون کے شیش دن پورے کررہی ہے، اتنے روپیے کہاں سے لاسکتی ہے؟ میں بتیس ہزار بار ہاتھ جوڑنے، تیس ہزار آشیرواد اور بتیس جنم کا پنیہ دینے کے لیے تیار ہوں— لیکن روپیہ نہیں ہے۔ میرے پاس کیول پرارتھنا ہے اور آنسو ہیں۔

ڈاکٹر: جب کسان اپنے کھیت کا اناج، مزدور اپنی محنت کا پھل، سوداگر اپنی دوکان کی چیزیں قیمت لیے بغیر نہیں دیتا— جب راجا بھی ٹیکس کے روپ میں پرجا سے پرجا رکشا کی قیمت وصول کرلیتا ہے۔ جب بھکتی اور تپسیا ارپن کیے بنا ایشور سے بھی کرپا نہیں مل سکتی تو ڈاکٹر اپنی وِدّیا اور اپنے انوبھو کا دام کیوں نہ لے؟ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے روپیے کے بدلے پرارتھنا اور آنسو لے کر آئی ہو؟ تو واپس جاؤ— مجھے نہ تو تمھاری پرارتھنا چاہیے نہ آشیرواد— فیس چاہیے۔

کرشنا سندری: بیماری، ایک بچے کی سانسوں کو آخری جھٹکے دے رہی ہے۔ وہ بندھن، جس سے آتما اور شریر بندھے ہوئے ہیں، ٹوٹا چاہتا ہے۔ (پاؤں تھام کر) بچا لو— بچا لو— تمھیں روپیے بہت مل جائیں گے۔ لیکن میرے بچے کو زندگی دوبارہ نہ ملے گی۔

ڈاکٹر: فیس ملنے پر پوری سہانو بھوتی اور محنت کے ساتھ بیمار کو بچانے کی کوشش کرنا اور امیر ہو یا غریب، اپنا ہو یا پرایا، جو فیس نہ دے سکے اُس کی پکار کو ٹھکرا دینا۔ میرے جیون کے یہ دو سدھانت ہیں— میں اپنے سدھانت نہیں بدل سکتا۔ آنسوؤں کے موتی واپس لے جاؤ— چاندی کے گول ٹکڑے لاؤ۔

کرشنا سندری: ہردَے ہین، پاشان، لوبھی!— ایشور، دھرم، دیا کچھ نہیں۔ روپیہ ہی تیرے لیے سب کچھ ہے!!— یہ ہاتھ، جن سے تو دوا دینا نہیں چاہتا، ہمیشہ تجھے، میرے بچے کے خون میں رنگے ہوئے دکھائی دیں گے۔ جلاد نہ بن— دیوتا بن۔

ڈاکٹر: بس چلی جاؤ— مجھے جو ہونا چاہیے، وہ ہوں— اور وہی رہوں گا۔

(دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے)

کرشنا سندری: آہ بتیس روپے کے لیے ظالم ڈاکٹر نے، لاکھوں روپے کی زندگی کی پروا نہ کی۔ بتا۔ آشا، بتا— روپے کے لیے کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں؟ - ایک— ایک— جس دروازے سے نکالی گئی— اب کیول وہی ایک دروازہ دکھائی دے رہا ہے۔

(چلی جاتی ہے)

باب دوسرا— سین ساتواں

ڈرائنگ روم

(مدن موہن ایک خط کے ایڈریس کو اور خط لانے والا مدن کے منہ کی طرف دیکھ رہا ہے)

مدن موہن: شریمتی منورما دیوی۔ مدن موہن لاج، فور— لینٹن روڈ— (نوکر سے) یہ خط کس نے بھیجا ہے؟

نوکر: میرے مالک، بابو پریم ناتھ نے۔

مدن موہن: (چونک کر) پریم ناتھ!!

(مدن کے ہاتھ سے خط گر جاتا ہے۔ نوکر اٹھا لیتا ہے)

نوکر: (دوبارہ خط دے کر) بہت ضروری ہے۔ شریمتی جی کو ابھی دے دیجیے گا۔ سلام۔

(نوکر چلا جاتا ہے)

مدن موہن: جس بدچلن پریم ناتھ کو میں آدمی سے 'بہت کم' اور کتے سے کچھ ہی زیادہ سمجھتا ہوں— جس پریم ناتھ سے کلب میں میرا جھگڑا ہو چکا ہے— ابھی تک منورما اُس کی دوست بنی ہوئی ہے۔ (غصے میں لفافہ پھاڑ کر خط پڑھتا ہے)— مائی ڈیر منورما دیوی— آج انفنسٹن سینما میں جو ٹاکی فلم دکھائی جائے گی۔ اس کا نام ہے ''مائی فرسٹ اینڈ لاسٹ لو' میں نے پہلے شو کے

لیے پانچ نمبر کا بکس ریزرو کرالیا ہے— اس لیے آپ کو شام کی چائے میرے ساتھ پینی ہوگی۔ مس اندو بالا جو میرے نزدیک بیٹھی ہوئی اپنی سفید، لانبی، نازک انگلیوں سے پیانو کے پردوں کے ساتھ کھیل رہی ہیں، سلام کہتی ہیں— آپ کا پریم ناتھ— اتنی نڈر۔ اتنی بے پروا!! بس بس۔ آج مجھے بولنا ہوگا— میں منورما کا پتی ہوں، اس کے کھیلنے کا بے جان کھلونا نہیں ہوں۔

(منورما کا پرویش)

منورما: ڈیئر۔ میں نے ابھی ڈیلی میل میں دیکھا کہ لیڈیز میوزک کلب کی سکریٹری مس سوشیلا۔ بی۔ اے، ہندستانی ناچ کا آرٹ دکھانے کے لیے یورپ جارہی ہیں۔ تم نے یہ بھی خبر پڑھی؟ یہ کیا! تم کچھ اُداس معلوم ہوتے ہو— کیوں اُداس ہو ڈارلنگ؟

مدن موہن: یہ مجھ سے نہیں (چٹھی دے کر) اس چٹھی سے پوچھو۔

منورما: (چٹھی پڑھنے کے بعد) نظر بچا کر کسی کی جیب سے روپے نکال لینا— اور بغیر اجازت لفافہ کھول کر دوسرے کا خط پڑھ لینا، یہ دونوں چوری ہے۔ جنٹل مین چور نہیں ہوتے— تم نے میری پرائیویٹ چٹھی کیوں پڑھی؟

مدن موہن: میں پڑھ سکتا ہوں— کیونکہ میں تمھارا پتی ہوں۔

منورما: تم میرے پتی ہو— لیکن میری آزادی کے جہاز کے کیپٹن اور میرے ہر کام کے سنسر نہیں ہو۔ آج جو مسٹیک کی ہے، یہی مسٹیک پھر کی، تو میں کبھی تمھیں معاف نہ کروں گی۔

مدن موہن: میں پوچھتا ہوں کہ جس پریم ناتھ سے میرا رویاں رویاں نفرت کرتا ہے— اس پریم ناتھ کو دوست سمجھنا، اس کے گھر چائے پینے جانا، اس کے ساتھ سنیما دیکھنا، کیا یہ میری نفرت کا منھ چڑھانا نہیں ہے۔ کیا یہ......

منورما: ٹھہرو۔ جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ میں نے اپنی عزت اور تمھارے بھروسے کو نقصان پہنچایا ہے، تب تک تم مجھے کسی کی دوستی سے نہیں روک

سکتے۔ تم نے یوروپین ایجوکیشن پایا ہے۔ یورپین ایٹی کیٹ سیکھا۔ یوروپین ڈریس، اسٹائل اور سوسائٹی اختیار کی لیکن ابھی تک تمھارے لہو سے ہندستانی پن کا زہر دور نہیں ہوا۔ مسٹر مدن موہن یورپ سے عورت کی عزت کرنا سیکھی ہے تو عورت کا وشواس کرنا بھی سیکھو۔

مدن موہن: پریم ناتھ کے اوپری دکھاؤ پر دھوکا نہ کھاؤ۔ اس کا کیریکٹر دریا کا ٹھہرا ہوا پانی ہے، جس کے نیچے گھڑیال اور مگر مچھ منھ کھولے تیر رہے ہیں۔ میں اس پاجی کے ساتھ تمھاری دوستی پسند نہیں کرتا۔

منورما: تو بیاہ کے دن تم نے مجھ سے یہ اگریمنٹ کیوں نہیں کرا لیا تھا کہ جسے میں پسند کروں، اسی کو تمھیں پسند کرنا ہوگا۔ مجھے دوستی کے بارے میں تمھارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم میرے اٹارنی یا سکریٹری نہیں ہو، پتی ہو۔ پتی کی لِمِٹ سے آگے، نہ بڑھو۔

مدن موہن: اگر بیاہ کے بعد استری اور پُرش کی پسند، مرضی اور رائے ایک نہ ہوئی تو وہ بیاہ نہیں، دو راستہ چلتوں کی اتفاقی ملاقات— اور وہ پتی نہیں، ایک گھر میں ٹھہرے ہوئے دو مسافر ہیں— آج سے میں تمھیں پریم ناتھ کے ساتھ باتیں کرتے اور اس کے گھر کے راستے پر نہ دیکھوں۔ یہ میرا حکم ہے— اور تمھیں میرے اس حکم کی عزت کرنی ہوگی۔

منورما: میں نے لڑکپن میں ماں باپ کا حکم، اسکول اور کالج میں ماسٹروں کا حکم، بڑی ہونے پر اپنے گارجین کا حکم نہیں سنا، تب تمھارا یہ نانسنس حکم کس طرح سن سکتی ہوں۔ پریم ناتھ مجھے انوائٹ کرے تو میں ضرور جاؤں گی۔

مدن موہن: لیکن تم اب نہیں جانے پاؤ گی۔

منورما: نہیں؟— مجھے کون روک سکتا ہے؟— میں ابھی جاتی ہوں۔

(دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ مدن کلائی پکڑ کر کھینچتا ہے)

مدن موہن: خبردار۔

منورما: اس ملک میں ابھی گورنمنٹ ہے۔ لا بھی ہے۔ پولس بھی ہے۔ کیا اپنی حفاظت کے لیے مجھے تھانے میں ٹیلیفون کرنا ہوگا؟ (ہاتھ چھڑا کر) آئی مَسٹ گو۔

(دروازے کی طرف دوڑتی ہے۔ مدن ہاتھ پکڑ کر دوبارہ کھینچتا ہے)

مدن موہن: نہیں جا سکتیں۔

(مدن کے ہاتھ کے جھٹکے سے منورما زمین پر گر پڑتی ہے۔ فوراً اٹھ کر ٹیبل پر رکھا ہوا ٹیلیفون اٹھا لیتی ہے)

منورما: تھری۔ فور۔ ناٹ۔ سکس۔

مدن موہن: یہ کیا؟ تم پولس کو فون کر رہی ہو۔

منورما: ہاں۔ تمھارے حملوں سے بچنے کے لیے۔ دیر از نو اَدر وِے۔

مدن موہن: (آشچریہ سے) کیا تم سچ مچ میری استری ہو؟

منورما: استری ہوں، لیکن تمھاری داسی نہیں ہوں۔

مدن موہن: منورما۔ تم مجھے ہندستانی شوہر بننے کے لیے مجبور نہ کرو— سوچنے کے لیے ٹائم دیتا ہوں۔ میں تمھیں آزادی کے راستے پر آنکھیں بند کرکے دوڑنے کی اجازت کبھی نہ دوں گا۔

(غصے میں گھر سے باہر چلا جاتا ہے)

منورما: جس طرح بوڑھا، بیمار، اپاہج شیر، ہلنے کی شکتی نہ ہونے پر بھی، ہرن کو دیکھ کر غرّا اٹھتا ہے ویسے ہی مردوں کی حکومت ختم ہو چکی— پھر بھی ان کے دل سے عورتوں پر حکومت کرنے کا خیال دور نہیں ہوتا (سامنے دیکھ کر) یہ کون؟— کرشنا!!

(پاگلوں کی طرح کرشنا سندری کا پرویش)

کرشنا سندری: آکاش کے آنچل میں بھرے ہوئے ستاروں کے پھول میری آشاؤں کی طرح

مرجھاجائیں۔ چاند کا چہرہ میرے بیمار بچے کے مَلِن مکھ کی طرح سوکھ کر پیلا ہوتا بن جائے— سورج اپنا تیج کھوکر اس سوارتھی نردئی ڈاکٹر کی آتما کی طرح کالا ہوجائے— کنتو ماں کی ممتا اور پتا کا سینہ نہیں بدل سکتا۔ باپ اپنے لال کو آنکھوں سے دور کرسکتا ہے، دل سے دور نہیں کرسکتا۔ مجھے نشچے ہے کہ پتھر میں سوئی ہوئی آگ کی طرح میرے آنسوؤں کی چوٹ سے سوامی کے ہردے میں سنتان کا پریم ضرور جاگ اُٹھے گا۔

منورما: کیا کہیں بدن ڈھانکنے بھر کپڑا اور پیٹ بھر کھانا نہیں ملا، جو پھر اس گھر کا دروازہ یاد آگیا؟ جہاں سے ذلیل ہوکر نکلیں وہیں بے شرم بن کر دوبارہ آئی ہو؟

کرشنا سندری: مجھے دیکھ کر چونکو نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ عدالت میں کھڑے ہوئے اَپرادھی کی طرح کانپو نہیں۔ تم نے وویک اور ایشور کے سامنے جھوٹ بول کر، میرے سوامی کو دھوکا دے کر، میرے ہردے کا چین، میرے جیون کی شانتی، میرا دیوتا سمان پتی مجھ سے چھین لیا ہے۔ میں اپنا چھن گیا دھن، تمھارا گلا گھونٹ کر واپس لینے، اپنی آنکھوں کے جلتے ہوئے آنسوؤں سے تمھاری سکھ کی دنیا پر آگ برسانے، ایشور کے ہاتھ کا کوڑا بن کر تمھیں تمھارے نیچ پن کی سزا دینے نہیں آئی ہوں۔ میں تمھیں شما کرتی ہوں— اور شما ہی ہندو استری کا دھرم ہے۔ میرے آنے کا کارن سنو— ایک دن یہ گھر میرے سوبھاگیہ کا راج اور میں اس راجیہ کی رانی تھی۔ آج رانی اپنے ہی راجیہ میں بھکارنی بن کر دیا کی بھکشا مانگنے آئی ہے۔

منورما: دیا کی بھکشا مانگنے!— کس سے؟

کرشنا سندری: اپنے سوامی سے۔ میرے کلیجے کا ٹکڑا، میرا پرتاپ، بیماری کے بستر پر پڑا ہوا بجھتے ہوئے دیپک کی طرح آخری ہچکیاں لے رہا ہے— میں سکھ، گہنا، کپڑا، پریم، ادھیکار کچھ نہیں چاہتی۔ دوا کا دام اور ڈاکٹر کی فیس چاہتی ہوں۔ بتاؤ۔ بتاؤ۔ میرے پتی دیو کہاں ہیں؟ مرتیو، ابھاگنی ماں سے بچے کی جان کی قیمت مانگ رہی ہے اور میرے پاس قیمت دے کر اپنے لال کی زندگی خریدنے کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں۔

منورما: (دل میں) مدن اور کرشنا کا سامنا ہونا ٹھیک نہیں۔ کہیں بجھی ہوئی چنگاری دھواں نہ دینے لگے۔ (کرشنا سے) جس سوامی سے دیا مانگنے آئی ہو وہ آج ہی شہر سے باہر گئے ہیں۔ دو دن کے بعد آئیں گے۔

کرشنا سندری: وہ نہیں ہیں! دو دن بعد آئیں گے!! آشا کے آکاش پر ایک تارا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بھی اندھیرے میں ڈوب گیا— اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ منورما۔ سوتیلی ماں بھی ماں ہوتی ہے۔ پرتاپ تمھارے سوامی کا بچہ ہے۔ اس لیے تمھارا بھی بچہ ہے۔ سوامی نہیں ہیں تو تمھیں تھوڑے روپے دے دو کہ میں چاندی کے پانی سے ہردے ہین ڈاکٹر کے لالچ کی پیاس بجھا دوں اور اپنے ہنستے بولتے ہوئے کھلونے کو جسے مرتیو توڑ دینا چاہتی ہے، مرتیو کے ہاتھ سے چھین لوں۔

منورما: (دل میں) میں یہاں اس کا آنا پسند نہیں کرتی۔ روپے دیے تو یہ ہر دکھ کے سے سہایتا مانگنے کے لیے اس گھر میں دکھائی دے گی۔ (کرشنا سے) کرشنا!— پتی سے دیا ملے یا دھکار۔ جو کچھ ملنا ہوگا ان کے آنے پر ملے گا۔ واپس جاؤ۔ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔

کرشنا سندری: کیوں؟ کیا تمھارے پاس ایک ابھاگنی کی مدد کرنے کے لیے روپے نہیں ہیں؟

منورما: روپے ہیں، اشرفیاں ہیں، نوٹ ہیں، بنک کے چک ہیں— ادھر دیکھو۔ اس لوہے کی تجوری میں سب کچھ ہے۔ لیکن اس سب کچھ میں سے تمھارے اور تمھارے بچے کے لیے......

کرشنا سندری: ٹھہرو— یہ سب کچھ جسے تم موٹروں کی خریداری میں، فیشن کے جلسوں میں، پہاڑوں کی سیر میں، تھیٹروں اور گھڑ دوڑ میں پھونک رہی ہو— اپنے ساتھ نہیں لائی— نوکری مزدوری سے پیدا نہیں کیا۔ لاٹری میں نہیں پایا— یہ تمھارا نہیں، میرے سوامی اور میرے بچے کا دھن ہے۔ جتنے روپے میں تم اپنی سادھارن ساڑی کا فیتا اور پاؤں کا جوتا خریدتی ہو، اس سے بھی کم روپیوں میں میرے بچے کی جان بچ جائے گی۔ بچالو— منورما— میرے پرتاپ کو بچالو— ماں کی مامتا، پیروں میں بیٹھ کر تمھاری دیا کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہے۔

منورما: بیوقوفی کا سوپن ابھی تک ختم نہیں ہوا؟ اس گھر سے نکال دیے جانے پر بھی اس گھر اور اس کی دولت کو اپنی چیز سمجھ رہی ہو (ٹھوکر مار کر) نکل جا— نہیں تو میں نوکروں کو بلا کر آرڈر دوں گی کہ گردن میں ہاتھ دے کر دروازے سے باہر کردو۔

کرشنا سندری: (غصے میں اٹھ کر) منورما!— میں یہ جانتی ہوں کہ تو نوین سبھیتا کا نشہ پی کر بہک گئی ہے۔ یورپ کی بیوقوفیاں سیکھ کر پاگل ہوگئی ہے۔ بہن کا دھرم، پتنی کا کرتویہ، استری کے گن اور سوبھاؤ بھول گئی ہے— لیکن یہ نہیں سمجھتی تھی کہ تو اتنی گھِر بت اور اتنی نیچ ہے۔ میری بھول تھی کہ جو تجھ سے اپنے بچے کے لیے دیا مانگی— تجھ سے دیا کی پرارتھنا کرنا، کتے کے آگے موتی پھینکنا ہے۔

منورما: بس۔ میں نے آج تک کسی کی گالی نہیں سنی۔ (ٹیبل کی دراز سے پستول نکال کر) چلی جا۔ ورنہ تیری جگہ دھوئیں کا ڈھیر دکھائی دے گا۔

کرشنا سندری: دیا دھرم کا خون کرچکی۔ اب میرا بھی خون کرے گی (منورما کا پستول والا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) چھوڑ دے۔ پستول۔ چھوڑ دے۔ (ہاتھ مروڑ کر پستول چھین لیتی ہے) بڑھ ادھر۔ کھول تجوری۔

منورما: تجوری؟

کرشنا سندری: ہاں تجوری۔ ہم دونوں کو روپیوں کی ضرورت ہے۔ تجھے فیشن اور پارٹی میں اُڑانے کے لیے اور مجھے اپنے بچے کی جان بچانے کے لیے (پستول دکھا کر) بڑھ

منورما: میں تجوری نہیں کھولوں گی۔

کرشنا سندری: اب تجھ میں نہیں کہنے کی شکتی نہیں رہی— بڑھتی ہے یا نہیں۔

منورما: یہ چوری اور ڈاکا ہے۔ ارے کوئی......

کرشنا سندری: خبردار— کیا ہمیشہ کے لیے چپ ہوجانا چاہتی ہے— بڑھ۔ (منورما ڈرتے ڈرتے تجوری کھولتی ہے) یہ نوٹوں کا بنڈل مجھے دے (بنڈل لے کر) بچ گیا— بچ گیا۔ میرا لال بچ گیا۔ نردئی ڈاکٹر۔ سوارتھی کتے۔ منہ کھلا رکھ— میں تیرے لیے سونے کا نوالہ لارہی ہوں۔

باب دوسرا — سین آٹھواں

ڈاکٹر گنیش کے گھر کا دروازہ

(آنکھوں میں نفرت کی بجلیاں، دل میں غصے کا طوفان، ہاتھ
میں نوٹوں کا پیکٹ لیے کرشنا سندری کا پرویش۔)

کرشنا سندری: اے غریبوں کی محنت کی نسوں سے نچوڑے ہوئے سفید خون۔ اے امیروں کی جیب میں رہنے والی نرک کے دروازے کی کاغذی کنجی۔ اے نوٹ — اے چھپے ہوئے چیتھڑے! جس طرح تیری سفیدی پر چھاپے کی سیاہی پھیلی ہوئی ہے، اُسی طرح تیری لالسا، کالا کوڑا بن کر آتما کی چمک پر ہزاروں پاپ کے دھبے ڈال دیتی ہے (دروازہ ٹھونک کر) ڈاکٹر — ڈاکٹر — ڈاکٹر —

ڈاکٹر: (اندر سے) کون ہے؟

کرشنا سندری: دھن کے پجاری، باہر آؤ۔ تمھارا پیشہ، تمھارا لوبھ، تمھارا سوارتھ جس تجوری اور بینک کے مندر میں رہنے والے دیوتا کی پوجا کرتا ہے، وہ دیوتا بھی میرے ساتھ ہے، باہر آؤ اور کاغذی روپ دھارن کیے ہوئے دیوتا کا سواگت کرو۔

(ڈاکٹر دروازہ کھول کر باہر آتا ہے)

ڈاکٹر: کیا میرے کانوں کو آنسوؤں کی زبان سے پھر کوئی دکھ بھری کہانی سننی ہوگی — مجھے آنسو نہیں فیس چاہیے۔ تم اپنی بکواس سے میرے دھیرج کو گھائل کرنے کے لیے دوبارہ کیوں آئی ہو؟

کرشنا سندری: میں سوکھے کانٹے میں پھول کی سگندھ ڈھونڈھنے، پتھر سے پانی نکالنے، نردئی سے دیا کی بھکشا مانگنے نہیں، دیا خریدنے آئی ہوں۔ بولو اپنی ودیا، اپنا انوبھو، اپنی ڈاکٹری، اپنی رائے کس دام پر بیچنا چاہتے ہو؟ لالچ کے ہونٹوں سے اپنے سوارتھ کا نیلام کرو۔ میں سب سے زیادہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔

ڈاکٹر: (دل میں) اس کی آواز نہ برسنے والے بادل کی گرج نہیں معلوم ہوتی۔ شاید اسے کہیں سے فیس کی رقم مل گئی (کرشنا سے) کیا تم روپے لائی ہو۔

کرشنا سندری: روپیہ!— روپیہ!! نہیں روپیہ نہ کہو— اپنے سوارتھ کے روگ کی دوا کہو۔ میرا بچہ بیمار ہے اور تمھاری آتما دونوں بیمار ہے۔ دونوں کو دوا کی ضرورت ہے۔ چل کر میرے بچے کو دوا دو اور ٹکسال میں تیار کی ہوئی اپنے روگ کی دوا لو۔ یہ تمھاری دوا ہے۔

ڈاکٹر: تم ہوش میں نہیں ہو۔ نوٹ واپس لو— میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

(نوٹ کا بنڈل دیتی ہے)

کرشنا سندری: ہاتھ جوڑنے پر نہیں گئے۔ دھرم کی دُہائی سن کر نہیں گئے۔ دیا کی بھیک مانگنے پر نہیں گئے۔ اب اپنے گھر سے بیمار کے بستر تک چلنے کی قیمت لے کر بھی جانا نہیں چاہتے؟ تمھاری مرضی فیس کے روپیوں پر بک چکی ہے۔ تمھیں چلنا ہوگا— چلو— چلو— مرتیو ڈائن کی طرح چھاتی پر جھکی ہوئی میرے بچے کی سانس گن رہی ہے۔ تم نے نہ بچایا— نہ بچاسکے— تو ہرن کے پیچھے دوڑتے ہوئے خونی بھیڑیے کی طرح میرا شراپ، نرک تک تمھارا پیچھا کرے گا۔ سنسار کا ہر امرت، تمھارے لیے زہر بن جائے گا— اور میں— میں— پاگل ہوجاؤں گی۔

(ڈاکٹر کو کھینچتی ہوئی لے جاتی ہے)

باب دوسرا— سین نواں

شنکری کا گھر

(گھر کی کھڑکی سے باہر کا درشیہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔
رہ رہ کر بجلی چمک اٹھتی ہے۔ کبھی کبھی بادل کی گرج سنائی دیتی ہے۔
شنکری نراش درشٹی سے پرتاپ کی طرف دیکھ رہی ہے)

شنکری: تھوڑی ہی دیر میں چمکتے ہوئے آکاش پر گاڑھے دھویں کی طرح پھیل کر بادلوں نے دن کو رات بنا دیا۔ کتنی جلدی دنیا بدل جاتی ہے۔ بڑھتی ہوئی کڑک اور گرج، ڈر سے کانپتے ہوئے اندھیرے کو سوچنا دے رہی ہے کہ ایک بھیانک طوفان آیا چاہتا ہے۔ ابھی تک کرشنا واپس نہیں آئی— غریب بچے کی حالت بگڑتی جارہی ہے— جب زور سے سانس لیتا ہے تو میں ڈر جاتی ہوں کہ یہ آخری سانس ہے۔

پرتاپ: (آنکھ بند کیے ہوئے بڑبڑاتا ہے) نہیں— پتاجی میں نے چوری نہیں کی— ارے منورما ماں، میری ماتا کو کیوں مار رہی ہو؟

شنکری: باپ کے گھر میں جس ڈائن کو دیکھ کر کانپ اٹھتا تھا، بخار کی بیہوشی میں بھی اسی کو دیکھ کر ڈر رہا ہے۔

پرتاپ: (اِدھر اُدھر ہاتھ پٹک کر) ماں— ماں۔

شنکری: بٹیا، کہو— کیا چاہیے؟

پرتاپ: بجھا دو۔ بجھا دو۔ میری چھاتی میں آگ جل رہی ہے— (بادل گرجتا ہے)

اوہ— اوہ— دیکھو منورما ماں— پھر میری ماتا جی پر غصہ کررہی ہیں۔

شنکری: بٹیا۔ یہ منورما کی آواز نہیں— بادل گرج رہا ہے۔

پرتاپ: یہ کون؟— تم کون ہو؟

شنکری: (جھنجھوڑ کر) پرتاپ— پرتاپ— کیا ہے؟

پرتاپ: اسے ہٹا دو۔ یہ عورت، آنکھیں پھاڑ کر مجھے گھور رہی ہے۔

شنکری: (خود سے) سمجھ گئی کہ یہ کسے دیکھ رہا ہے۔ جا جا۔ مرتیو۔ واپس جا— جو ودھواؤں اور اناتھوں کو دکھ دے رہا ہے۔ ستیوں کا ستیہ لوٹ رہا ہے۔ دھرم اور دیش سے وشواس گھات کررہا ہے۔ دھرتی کا بوجھ کم کرنے کے لیے اس پاپی کو لے جا— اس نربھرانت بالک کو لے جانے کے لیے اس گھر میں کیوں منڈلا رہی ہے؟ تیرے پاس دیا نہیں— تو کیا نیائے بھی نہیں ہے؟

پرتاپ: پتا جی بلا رہے ہیں— تو چلو— چلتا ہوں۔ کھینچو نہیں۔ آہ— میری نسیں ٹوٹی جارہی ہیں— ماں— ماں۔ (مرجاتا ہے)

شنکری: (گھبرا کر) بٹیا! بٹیا!!— یہ کیا!!! نبض نہیں— کچھ نہیں— مرگیا— مرگیا— پنجرا ٹوٹ گیا۔ پنکھی اُڑگیا۔ (چھاتی پیٹ کر) ہائے۔ ارے مرتیو، تونے یہ کیا کیا؟ دوڑو، دوڑو— کرشنا دوڑو— تمھاری کوکھ اجڑ گئی— تمھاری گود لٹ گئی۔ جس نیند سے کوئی نہیں جاگتا۔ تمھارا بچہ اسی سدا کی نیند میں سوگیا— پرتاپ— پرتاپ—

(روتی ہوئی پرتاپ کی چھاتی پر گر پڑتی ہے۔ اسی سے ڈاکٹر کو ساتھ لیے ہوئے کرشنا آتی ہے)

کرشنا سندری: (ڈاکٹر سے) وہ دیکھو— یہی میرا سکھ— یہی میرا سہارا— یہی اس دکھیا کرشنا کا سب کچھ ہے (شنکری کا کندھا ہلا کر) شنکری میں ڈاکٹر بلا لائی۔ ارے تم رو رہی ہو!! نہ رو بہن نہ رو۔ اب میرا پرتاپ بچ جائے گا۔ (بادل

کی گرج کے ساتھ بجلی چمکتی ہے) ڈاکٹر۔ بڑھو— کوشش کرو کہ جس طرح ابھی بادل میں بجلی چمکتی ہے، اسی طرح میرے بچے کی ہنسی سے میری نراشا کا اندھیرا بھی چمک اٹھے۔

ڈاکٹر: (خود سے) میں دیر سے پہنچا— فِنش— یہ بھی اور اس کے ماں کی آشا بھی۔

کرشنا سندری: دیکھ لیا؟ ڈاکٹر— ایسی دوا دو کہ بیماری سے اُٹھ کر ان پیروں میں بیٹھ کر میرے ساتھ یہ بھی تمھیں روم روم سے آشیرواد دے۔

ڈاکٹر: کوشش بیکار ہے۔ اب اس کے لیے نہ ڈاکٹر کی ضرورت ہے— نہ دوا کی۔

کرشنا سندری: کیوں؟

ڈاکٹر: اس سکھ دکھ سے بنی دنیا میں اب اسے نہ ڈھونڈو— اس دنیا سے چلا گیا— مرگیا۔

کرشنا سندری: کیا!— مرگیا!!— نہیں نہیں، یہ جھوٹ ہے— تم نردئی ہو، تمھیں غریبوں کا دل توڑنے میں سکھ ملتا ہے (پرتاپ کی طرف دوڑتی ہے اور اسے گودی میں اٹھا لیتی ہے) پرتاپ۔ پرتاپ آنکھیں کھولو— اس ڈاکٹر کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے، ایک بار ماں کہہ کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دو— ہونٹ بند— آنکھیں بند— سانسیں بند— شنکری یہ کیا ہوا! میں تمھیں سونپ گئی تھی— میرا بچہ مجھے واپس دو۔

شنکری: دیوی۔ دنیا میں کوئی وستو اپنی نہیں۔ جس نے تمھیں یہ سکھ دیا تھا، اُسی نے چھین لیا۔

کرشنا سندری: ایشور— ایشور— کیا یہی تمھارا نیائے ہے— کیا یہی تمھاری دیا ہے— ایک بھکارنی کو دھن دیتے ہو اور واپس لے لیتے ہو— ایک اندھیرے گھر میں چراغ جلاتے ہو اور پھر بجھا دیتے ہو— نہیں، یہ چراغ، جس سے میری دنیا میں اجالا ہورہا تھا، ایشور نے، بیماری نے، مرتیو نے نہیں— اس ڈاکٹر نے بجھایا ہے— اسی کی لالچ کی آگ نے میری کوکھ جلائی ہے—

(غصے میں کھڑی ہوکر) اسے جلا— اس کی گئی ہوئی سانسوں کو واپس بلا— میں تجھے اس کے جان کی قیمت دے چکی ہوں۔ (ڈاکٹر کی طرف نوٹ پھینکتی ہے) لے، یہ لے اور لے۔

ڈاکٹر: میرے پاس مرتے ہوئے کے لیے دوا ہے، مرچکے ہوئے کے لیے جیون نہیں ہے۔ پھل ڈالی سے ٹوٹ کر گرچکا۔ اب یہ دوبارہ ڈالی میں نہیں جڑسکتا۔

کرشنا سندری: لیکن اس کے جیون کی ڈالی کو کس نے جھنجھوڑا؟ اس خوبصورت کچے پھل کو کس نے توڑا؟ تیرے لوبھ نے— تیرے سوارتھ نے— اِسے ڈالی سے جوڑ— اسے پھر ہرا کردے۔ مجھے اس کی جان چاہیے اور تجھے روپیہ چاہیے۔ (پھر نوٹ پھینکتی ہے) اور لے— سمیٹ— اُٹھا۔ (بجلی گرتی ہے اور گھر کی ایک دیوار ٹوٹ جاتی ہے) وہاں نہیں۔ بجلی تیرے گرنے کی جگہ یہ ہے— اس ڈاکٹر کے سر پر ٹوٹ پڑ— اپنی اس آگ سے جو دھواں نہیں دیتی، اسے جلا کر راکھ کردے— پرتاپ— پرتاپ—

(دوڑ کر پرتاپ کو چھاتی سے لگاتی ہے اور اس کا منھ اور آنکھیں چومتی ہے)

ڈاکٹر: (خود سے) نہ اس کے بچے کو دوا دے سکا۔ نہ اسے دھیرج دے سکتا ہوں۔ میرے منھ سے دھیرج کا شبد سن کر اس کا دکھ اور بھی چیخ اٹھے گا۔

(بادل گرجتا ہے)

کرشنا سندری: (اٹھ کر) بادلو، کیا ہوا۔ تم کیوں چھاتی پیٹ رہے ہو؟ کیا تمھاری دنیا بھی دُربھاگیہ کی ٹھوکر سے چور ہوگئی؟— کیا اس ابھاگے کی طرح جسے میں نے ماتا کی گود اور آنچل کی چھایا میں آٹھ برس تک پالا تھا، تمھارا بچہ بھی ڈاکٹر اور دوا کے بنا مرگیا؟ (زور سے پانی برسنے لگتا ہے) یہ کیا ہے— پانی— یا تمھاری آنکھوں کے آنسو— رو۔ رو۔ میں بھی رو رہی ہوں۔ تم بھی رو۔ تم

آکاش کو بہادو— میں اپنے آنسوؤں میں اس دھرتی کو ڈبادوں— آکاش، سورج، چاند، دھرتی، پھل، پھول کچھ نہ رہے— ایشور کو دو ہی وستو دکھائی دیں— ابھاگوں کا دکھ— اور ابھاگوں کے آنسو—

(بے ہوش ہوکر پرتاپ کی لاش پر گر پڑتی ہے)

—پردہ—

باب تیسرا — سین پہلا

شنکری کا گھر

کرشنا سندری: بسنت کی گود پھولوں سے، آکاش کی گود تاروں سے، دن کی گود سوریہ کے پرکاش سے، رات کی گود چندرما کی چاندنی سے بھری ہوتی ہے۔ لیکن ایک ودھوا کے اجڑے، اندھیرے ہردے کی طرح جس میں نہ سکھ ہو نہ شانتی ہو، نہ آشا کی کرن ہو، میری گود خالی ہے۔ پرتاپ— میرے لال۔ سورگ کے پاس ماں کا پیار اور ماں کا دل نہیں ہے۔ پھر تم میری گود چھوڑ کر اس کی گود میں کیوں چلے گئے؟— آؤ۔ آؤ۔ میرے چاند لوٹ آؤ۔ ایک بار پھر میری گود میں اُدے ہوکر، میرے دل کا اندھیرا دور کردو۔ میں کلیوں کے چٹکنے کی مدھر دھونی، دھیمے دھیمے بہتی ہوئی ندیوں کا گانا، پکشیوں کا سنگیت سننا نہیں چاہتی۔ تمھارے ہونٹوں سے ایک بار—پھر ایک بار— ماں۔ ماں۔ سننا چاہتی ہوں۔

(آنکھوں پر ساڑی کا آنچل رکھ کر روتی ہے۔ اُداس چہرے کے ساتھ ڈاکٹر گنیش پرشاد کا پرویش)

ڈاکٹر: (خود سے) ایشور اور نرک سے پہلے پاپی کو اس کا کانشس سزا دیتا ہے۔ وہ بھیانک سزا، جس کی پہلی چوٹ سے ہردے کی شانتی چور ہوجاتی ہے۔ دکھیا کے پاس شرم اور پچھتاوا لے کر آیا ہوں۔ کیا اس کا دکھ اپنے اَپرادھی کی یہ بھینٹ سویکار کرے گا۔

(کرشنا پلٹ کر ڈاکٹر کو دیکھتی اور چونک پڑتی ہے)

کرشنا سندری: یہ کون!— ڈاکٹر!!— ظالم، جلاد۔ اب اس گھر میں تیری کیا ضرورت ہے۔ کیا جان بچانے کی طرح جان لینے کی فیس مانگنے آیا ہے؟— چلا جا— نکل جا— اب میری گود میں کوئی بچہ نہیں ہے جس کے لیے میں تیرے پیروں پر سر رکھ کر، آنسو بہا کر، دہائی دوں اور تو کہے دہائی نہیں روپیہ دو۔ میں دیا مانگوں اور تو دیا کا دام مانگے۔

ڈاکٹر: دیوی، جب تم اپنی گود خالی دیکھ کر چھاتی پیٹ رہی تھیں۔ اُس سے مجھے یہ دکھائی دیا کہ تمھارے مرے ہوئے بچے کے پاس میری مری ہوئی منشیتا بھی مری ہوئی پڑی ہے۔ اس دن مجھے پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ سوارتھ کا نام سدھانت رکھ کر میں اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہوں اور اسی دن سے یہ لمبی چوڑی چمکتی ہوئی دنیا سمٹ کر میرے لیے پھانسی کے قیدی کی کوٹھری بن گئی ہے۔ جب تک تم میرا اَپرادھ شما نہ کرو گی، دُکھ اور افسوس میرے دن کے چین کو اور بھیانک سوپن میری رات کی میٹھی نیند کو ڈستے رہیں گے۔

کرشنا سندری: بس چلے جاؤ۔ ودیا بھی ایک پرکار کا دھن ہے۔ ایشور یہ دھن بھی منشیہ کو اسی لیے دیتا ہے کہ اس سے دنیا کی سیوا کی جائے۔ تم نے یہ سیوا کی کہ فیس کے بتّیس روپیوں پر میرے بچے کی جان، مرتیو کے ہاتھ بیچ دی، یہ سیوا کی کہ میری کوکھ کا اجالا لوٹ کر میری سکھ کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

ڈاکٹر: اسی پاپ کا پشچاتاپ مجھے ان پیروں پر سر جھکانے کے لیے یہاں لایا ہے۔ میرا دکھ، میرے آنسو، میرا پرائشچت، میری کوئی کوشش تمھارے ٹوٹے ہوئے دل کو اب نہیں جوڑ سکتی— لیکن تم دیا کی پرتما ہو— دیا کرو۔ تم سے شما ملے بنا میں ایشور سے شما مانگنے کا ساہس نہیں کرسکتا۔

کرشنا سندری: میں نے آج تک کسی کا برا نہیں چاہا۔ جاؤ۔ میں شما کرتی ہوں۔ غریبوں کے لیے دیا .کے ہاتھوں سے اپنے دل کا بند دروازہ کھول دو— اور اپنی آتما کو بدل ڈالو۔

ڈاکٹر: تم دھنیہ ہو۔ جس کی کٹھورتا نے تمھارے ہنستے کھیلتے بچے کو مار ڈالا۔ تم نے

اسی گھاتک کی مری ہوئی آشا کو دو شبدوں سے جلا دیا۔ میں تمھارے ہردے کی مہانتا کو نمسکار کرتا اور ایشور کو ساکشی کرکے پرتگیا کرتا ہوں کہ آج سے روپے کی جھنکار کو سانپ کی پھنکار جانوں گا اور اپنے دھن اور دیا سے دین دکھیوں کی سہایتا اور سیوا کو اپنے جیون کا پرتھم کرتویہ سمجھوں گا۔ (کرشنا کے پیروں میں بیٹھ کر) دیوی آشیرواد دو کہ اس پاپی کی پرتگیا پوری ہو۔

کرشنا سندری: ایشور اس پرتگیا کی رکشا کریں۔

ڈاکٹر: تمھاری دیا کی جے ہو۔

(چلا جاتا ہے)

کرشنا سندری: پرتاپ، میرے بچے۔ تیری مرتیو نے آج پتھر کو منشیہ بنا دیا۔ مجھے نشچے ہے کہ تو جیتا رہتا تو تیرا پنیہ مے جیون کتنے ہی منشیوں کو دیوتا بنا دیتا۔

(شنکری کا پرویش)

شنکری: تمھارے بھاگیہ میں دُکھ اور رونا ہے، تو جب تک بھاگیہ نہ بدل جائے، کون تمھارے دکھ کو سکھ— اور رونے کو ہنسی بنا سکتا ہے۔

کرشنا سندری: کل سے میری دہنی آنکھ پھڑک رہی ہے۔ میں ڈر رہی تھی شنکری۔ کیا باہر سے کوئی خبر آئی ہے؟

شنکری: چپ بھی نہیں رہ سکتی۔ اور تمھاری دل دکھنے کے ڈر سے کہہ بھی نہیں سکتی— لیکن کہنا ہی ہوگا ابھی راستے میں گھر کے ایک پرانے نوکر سے معلوم ہوا کہ تمھارے سوامی......

کرشنا سندری: (گھبرا کر) کیا!—

شنکری: تم تو سننے سے پہلے ہی کانپ اٹھیں۔

کرشنا سندری: ٹھیرو— سوامی اچھے ہیں، خوش ہیں، سکھی ہیں، اس کے سوا کچھ کہنا ہے تو نہ کہو— لیکن نہیں کہو۔ کہو۔ اس دل پر دُربھاگیہ نے اتنے گھاؤ لگائے ہیں تو ایک

کھاؤ تمھارے ہونٹوں سے بھی سہی۔

شنکری: تمھارے سوامی ایک مہینہ سے بیمار ہیں۔

کرشنا سندری: وہ بیمار ہیں؟

شنکری: ہاں۔ پرانے نوکر چن چن کر نکال دیے گئے۔ تھوڑی دیر پاس کھڑے رہنے کے لیے نئے نوکر ہیں اور دلاسا دینے کے لیے ڈاکٹر۔ ان کے چلے جانے کے بعد بیمار کے پلنگ کے پاس بیماری اور تنہائی کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔

کرشنا سندری: کوئی نہیں!۔۔ اور منورما؟

شنکری: وہ پوچھتی بھی نہیں۔

کرشنا سندری: نہ نوکروں کے پاس پریم، نہ پتنی کے پاس پتی بھگتی۔ نہ سہانو بھوتی، نہ سیوا۔۔ شنکری۔ میں جاؤں گی۔

شنکری: کہاں؟

کرشنا سندری: اُسی گھر میں، جو میرے کرتویہ کا مندر ہے جہاں میرے سہاگ کا دیوتا بیمار پڑا ہوا ہے۔

شنکری: منورما کے چھل اور جھوٹ نے جس گھر سے تمھیں نکلوایا۔۔ کیا منورما، پھر اس کی دھرتی پر تمھیں پاؤں رکھنے دے گی۔

کرشنا سندری: کیوں نہ رکھنے دے گی؟ کیا وہ میرا گھر نہیں ہے؟ کیا وہ میرے پتی نہیں ہیں؟ منورما میرے ادھیکار کی بھاگی دار ہے، اکیلی مالک نہیں ہے۔ میرے اس روپ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں جلنے لگتی ہیں تو میں دوسرا روپ دھارن کر کے جاؤں گی۔ بھگوان، دیا کرو۔ سوامی کی بیماری اور سوامی کا دکھ۔ مجھے دے دو۔

(چلی جاتی ہے)

شنکری: سوامی کے اتیاچار پر بھی اس کے ہردے میں سوامی کا پریم گھٹنے کے بدلے دن بدن بڑھتا ہی جاتا ہے۔۔ آج دیکھو ندی۔۔ کل دیکھو دریا۔۔ دو دن بعد دیکھو تو سمندر۔

باب تیسرا — سین دوسرا

دیوان خانہ

(مدن موہن بیمار ہے۔ ڈاکٹر آلہ لگا کر چھاتی اکزامن کر رہا ہے۔
مردانہ لباس میں کرشنا، پلنگ کے پائتی کھڑی ہوئی ہے۔ اکزامن
کرنے کے بعد ڈاکٹر سر پر ہاتھ رکھ کر سوچتا ہے)

کرشنا سندری: کیا حالت ہے؟

ڈاکٹر گنیش: بلڈ سرکولیشن ٹھیک نہیں ہے۔ بدن میں لہو بہت کم ہو گیا ہے۔ ویک نیس بڑھتی گئی تو بیمار کو کسی تندرست آدمی کے خون کا انجکشن کرنا ہوگا۔

کرشنا سندری: دوا بدلیے گا؟

ڈاکٹر: آج نہیں۔ ایک ڈوز ابھی پلا دو۔

کرشنا سندری: (دوا کا گلاس بڑھا کر) پی لیجیے۔

مدن موہن: (دوا پی کر) ڈاکٹر یہ جو آٹھ دن سے میری سیوا کے سوا، کھانا، پینا، سونا، ہنسنا، دنیا کا ہر کام بھول گیا ہے— پہچانتے ہو کون ہے؟

ڈاکٹر: آپ کا نیا نوکر۔

مدن موہن: تب تم نے نہیں پہچانا— ماں کے آشیرواد، بہن کی پرارتھنا، بھائی کے پریم، متر کی سہانوبھوتی پتی ورتا استری کی سوامی بھکتی نے نوکر کا روپ دھارن کیا ہے— یہ نوکر نہیں، نوکر کے بھیس میں پروپکار ہے۔

کرشنا سندری: میں بہت نراشا کے ساتھ ڈرتا، جھجکتا ہوا نوکری مانگنے آیا تھا— آپ کا منگل

ہو کہ میری غریبی پر دیا کر کے آپ نے مجھے نوکر رکھ لیا۔ میں کسی پرشنسا کے یوگیہ نہیں۔ سوامی کی سیوا نوکر کا کرتویہ ہے۔

مدن موہن: اس بیماری میں میری سیوا کرنا نوکر کا کرتویہ ہے۔ ڈاکٹر کا کرتویہ ہے— دوستوں کا کرتویہ ہے— لیکن جیون سنگنی کا کرتویہ نہیں ہے۔ دو مہینے سے جیون اور مرتیو کے بیچ پڑا ہوا سسک رہا ہوں— ان ساٹھ دنوں میں آدھا دن بھی پتنی کا کرتویہ سمجھ کر منورما میرے پلنگ کے پاس نہیں بیٹھی۔ ایک بار بھی۔ ایک بار بھی۔ میں نے اپنے لیے اس کی آنکھوں میں دیا کے آنسو نہیں دیکھے۔ اس کی نظر میں میرا بیمار ہو جانا، میری بھول اور میرا مر جانا دنیا کا ایک سادھارن اکسیڈنٹ ہے۔

(ہینڈ بیگ لیے ہوئے منورما کا پرویش)

منورما: (مدن سے) فینسی فیر میں جانے کے لیے موٹر میں سوار ہو رہی تھی کہ نوکر نے آ کر کہا، سرکار آپ کو بلا رہے ہیں— کیوں بلایا؟

مدن موہن: فینسی فیر میں، سنیما میں، کلب میں، پارٹیوں میں جانے کے لیے ٹائم ہے— لیکن بیمار پتی کو دلاسا دینے کے لیے ہنسی خوشی کے چوبیس گھنٹوں میں سے تمھارے پاس ایک منٹ بھی نہیں ہے۔ میں نے آخری بار یہی پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ جو کر رہی ہو، کیا یہی تمھیں کرنا چاہیے؟

منورما: پیانو پر گاتے گاتے تمھاری بیماری کا خیال آتے ہی ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو جاتی ہوں۔ دوستوں کے سامنے تمھاری ہیلتھ خراب ہو جانے پر افسوس کرتی ہوں۔ ڈاکٹر سے ہمیشہ تمھارا حال پوچھتی ہوں۔ ودھوا ہو جانے کے ڈر سے بار بار کانپ اٹھتی ہوں۔ اس سے زیادہ مجھے اور کیا کرنا چاہیے؟ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

مدن موہن: پتی کی مرضی اور خوشی کی طرف سے تمھاری بے پروائی، تمھارے کرتویہ کی گراوٹ، تمھاری حد سے بڑھی ہوئی آزادی۔ یہی وہ ٹھنڈی آگ ہے جو

میری تندرسی کو دھیرے دھیرے جلا رہی ہے۔ منورما، میں اب بھی سب کچھ بھول جانے کے لیے تیار ہوں— تم میری جیون سنگنی ہو، اس لیے سکھ ہی میں نہیں، میرے دکھ میں بھی حصہ لو۔ اپنے آپ کو بدل ڈالو۔ آنکھوں میں پریم اور ہونٹوں میں شانتی کے شبد لیے ہوئے میرے پاس آؤ۔ تمھیں میری اصلی بیماری— اور تمھیں میری دوا ہو۔

منورما: اگر تم اچھے ہو سکتے ہو تو میں تمھارے لیے آٹھ دس روز تھیٹر اور کلب جانا بند کرسکتی ہوں۔ دن میں دو تین بار آکر تمھیں دلاسا دے سکتی ہوں۔ لیکن تمھارے پلنگ کے پاس نہیں بیٹھ سکتی۔

مدن موہن: پاس نہیں بیٹھ سکتیں! کیوں؟

منورما: آگ بجھانے کے لیے پانی کی ضرورت ہے۔ آگ میں پھاندنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمھاری بیماری ڈینجرس ہے۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ تمھارے پاس بیٹھ کر میں بھی بیمار ہوجاؤں۔

مدن موہن: منورما!— آشا نہ تھی کہ تمھارے ہونٹوں سے یہ جواب سنوں گا— جانتی ہو۔ آج تمھاری جگہ پرانے وچاروں کی گود میں جنم لینے والی کرشنا ہوتی، تو کیا کرتی؟— میری ایک ٹھنڈی سانس پر اپنے جیون کے سارے سکھ نچھاور کردیتی۔ اس بیماری کے بستر کو، ان پیروں کو، اس پلنگ کی پٹی کو پتی پریم کے آنسوؤں سے بھگو دیتی۔

منورما: اپنی بیماری پر ایک عورت کی زندگی کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو، تو سیوا کرنے کے لیے کرشنا کو بلالو۔ یہ بیوقوفی وہی کرسکتی ہے۔

مدن موہن: گھر سے نکلنے کے بعد وہ میکے نہیں گئی اور آج تک یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ کہاں گئی— میں نے اپنے بیوی بچے پر تمھارے بھڑکانے سے شراب کے نشے میں جو ظلم کیا، اسی ظلم کی سزا آج مجھے تمھارے ہاتھوں سے مل رہی ہے۔ جاؤ، کلب میں جاؤ— پارٹیوں میں جاؤ۔ ہنسی خوشی کی دنیا میں جاؤ اور مجھے بیماری کے بستر پر تنہائی کے اندھیرے میں مرنے دو۔

(منورما کی طرف سے منھ پھیر لیتا ہے)

منورما: ڈاکٹر۔ ان کی عقل بیمار ہو گئی ہے۔ پہلے ان کی ضدی سمجھ کا علاج کرو۔

(جانا چاہتی ہے — ڈاکٹر روکتا ہے)

ڈاکٹر: (الگ لے جا کر) ٹھہریے۔ اس وقت نہ جائیے — بیمار کا ہارٹ بہت ویک ہے — مجھے ڈر ہے کہ آپ کے چلے جانے کا صدمہ، چراغ کے لیے ہوا کا جھونکا ثابت نہ ہو۔

منورما: نہ تندرستی میری سہیلی ہے۔ نہ بیماری میری لونڈی ہے — میں یہاں بیٹھ کر نہ تندرستی کو بلا سکتی ہوں نہ بیماری کو گھر سے نکال سکتی ہوں۔

ڈاکٹر: بے شک آپ یہ نہیں کر سکتیں۔ لیکن ایک کرتویہ پارائنا دیوی کی طرح اپنے دیوتا کی سیوا تو کر سکتی ہیں۔ ایک سچے متر کی طرح بیمار کے جلتے ہوئے دل پر دلاسے کے شبدوں کا امرت تو ٹپکا سکتی ہیں اور کچھ نہیں تو اپنے سوامی کے منگل کے لیے پلنگ کے پاس بیٹھ کر پرارتھنا تو کر سکتی ہیں۔

منورما: زندگی کا ہر منٹ کسی نئی خوشی کو حاصل کرنے میں خرچ کرنا چاہیے۔ میرے پاس ان بیوقوفیوں پر برباد کرنے کے لیے ٹائم نہیں ہے۔

ڈاکٹر: افسوس! — میں دیکھتا ہوں کہ ایجوکیشن اور آزادی پا کر عورت نہ عورت ہی رہتی ہے اور نہ مرد ہی بن سکتی ہے۔ بلکہ دنیا کی ایک نئی چیز ہو جاتی ہے۔

منورما: ویل ڈن — یہ کہو — تم بھی عورت کی آزادی اور ایجوکیشن کے اگینسٹ ہو۔

ڈاکٹر: ہم پسند کریں یا نہ کریں، لیکن ہندستان بدل رہا ہے اور دھیرے دھیرے بدل جائے گا۔ جو لوگ زبان اور قلم سے اس پریورتن کو روکنا چاہتے ہیں، وہ ہوا میں گرہ دے رہے ہیں۔ ماڈرن سیولیزیشن کو کوسنے اور گالیاں دینے کے بدلے انھیں کیول یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یورپ سے آئی ہوئی آزادی کی لہر بھارت کے شریر پر جمے ہوئے میل کے ساتھ بھارت کی آتما کی خوبصورتی کو

بھی نہ بہا لے جائے۔ میں فیمیل ایجوکیشن اور فیمیل فریڈم کے اگینسٹ نہیں ہوں۔ مگر میری یہ اچھا ضرور ہے کہ ایجوکیشن پانے کے بعد بھی بھارت کی عورت کو عورت ہی رہنا چاہیے۔

منورما: یہ نئے شبدوں میں وہی پرانی بکواس ہے۔

(چلی جاتی ہے)

ڈاکٹر: یہی کرتویہ کا راستہ بھولی ہوئی عورتیں ہیں، جو اپنے آچرن سے نوین سبھیتا اور نوین شکشا کو بدنام کر رہی ہیں۔

مدن موہن: (کروٹ بدل کر) اوہ کتنی سوارتھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ منورما کلب جانے اور پیانو بجانے کے ٹائم کو میری زندگی سے زیادہ قیمتی جانے گی۔ پریم اور سیوا سے زیادہ بناؤ سنگار کو پیار کرے گی اور مجھے پتی سمجھنے کے بدلے کیول اپنا بینک سمجھے گی۔

ڈاکٹر: سونا خریدنے سے پہلے کسوٹی پر کس لیا جاتا ہے۔ اس کے دل کی پریکشا لیے بنا آپ نے اس سے بیاہ کیوں کیا؟

مدن موہن: میں آزادی اور فیشن کی جگمگاہٹ کے بغیر عورت کو بھدی، بے رنگ، دھندلی، دل کے فریم سے نکال کر کونے میں پھینک دینے کے قابل تصویر سمجھتا تھا۔ میں گنگا جل میں وہسکی کا نشہ، چاند کی ٹھنڈی چاندنی میں دوپہر کے سورج کی دھوپ کی تیزی اور گھر کے اندر دیا دھرم کا اُجالا پھیلانے والی استری میں یورپ کی روشنی کی چمک دمک دیکھتا تھا۔ کرشنا کے پریم اور سیوا میں، میری بیوقوفی کو لبھانے والی خوبصورتی نہ تھی۔ اس لیے میں نے منورما سے دوسرا بیاہ کیا۔ لیکن اب سمجھا کہ میں اپنے جیون کے لیے سکھ نہیں، سروناش ڈھونڈھ رہا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ میں دل کی پیاس بجھانے کے لیے امرت کے دھوکے میں زہر پی گیا ہوں۔

کرشنا سندری: (دل میں) حال کھل جائے گا۔ آنسوؤ رکے رہو۔

مدن موہن: یہ کیا! میرے لیے اس گھر میں کسی کے پاس آنسو نہیں، پھر تم کیوں رو رہے ہو؟

کرشنا سندری: اس لیے کہ کرشنا کا نام سن کر مجھے اس ابھاگنی کے دکھ یاد آ گئے۔

مدن موہن: تم!— اسے جانتے ہو؟

کرشنا سندری: ہاں وہ میرے ہی گھر کے پاس رہتی اور غریب پڑوسیوں کے کپڑے سی کر، اپنا اور اپنے بچے کا پالن پوشن کرتی تھی— لیکن اب خود اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟

مدن موہن: تو کیا— وہ تمھارے پڑوس سے اپنے دکھ اور اپنے بچے کے ساتھ کہیں اور چلی گئی؟

کرشنا سندری: جب وہ جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ اُس کا دکھ اس کے ساتھ ہے لیکن بچہ ساتھ نہیں ہے۔

مدن موہن: تو اس کا بچہ!— اُس کی گود کا پھول!! اس کا لاڈلا پرتاپ!!!

کرشنا سندری: وہ بیمار تھا۔ غریب ماں کے پاس آنسو اور مامتا کے سوا کچھ نہ تھا— اس لیے وقت پر ڈاکٹر کی مدد اور دوا نہ ملی— اور ابھاگا سسک سسک کر مر گیا—

مدن موہن: مر گیا! ڈاکٹر اور دوا کے بغیر میرا پرتاپ مر گیا!! ایک غریب ماں کی گود کی پونجی چھینتے وقت مرتیو کو شرم نہ آئی۔ دیا کے منھ سے چیخ نہ نکلی— وقت پر مدد نہ دینے والا ڈاکٹر، اپنی کٹھورتا اور اپنی دواؤں کے ساتھ کرشنا کے آنسوؤں میں ڈوب نہ گیا!!! (روتا ہے) پرتاپ— پرتاپ—

ڈاکٹر: میں دکھ اور شرم کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ جس نے فیس کے روپیوں کی جھنکار سے پہلے کبھی کسی بیمار کی دائی نہیں سنی۔ جس نے اپنے سوارتھ سے، اپنے پیشے اور اپنے کرتویہ کو ہمیشہ ذلیل کیا— جس نے مرتیو سے پہلے پہنچ کر ایک بچے کی زندگی، جو دوا اور کوشش سے بچ سکتی تھی، نہیں بچائی— میں دھتکار کے یوگیہ— وہ لالچی، وہ نیچ ڈاکٹر میں ہی ہوں۔ میری آتما ابھی تک پشچاتاپ کی آگ میں جل رہی ہے— مجھے سخت سے سخت سزا دو— مجھے

ٹھوکریں مارو— میرے منھ پر تھوکو— لیکن وہ اَپرادھ، جس کی یاد آتے ہی میرا روم روم کانپ اٹھتا ہے۔ شما کردو۔

مدن موہن: سوارتھ کے غلام، روپیوں کے پجاری شما کیوں مانگتا ہے۔ ماں کا ٹوٹا ہوا دل اور باپ کی روتی ہوئی آنکھیں کیول تجھے شراپ دے سکتی ہیں، شما نہیں دے سکتیں۔ بچے کو مار ڈالا۔ ڈھونڈھ کر اُس کی ماں کو بھی مار ڈال— باپ کا بھی گلا گھونٹ دے۔ پھر دنیا میں تجھے کمینہ کہنے والی کوئی آواز باقی نہیں رہے گی۔ (پاگلوں کی طرح اُٹھ کر ڈاکٹر کا گلا پکڑ لیتا ہے) بولتے ہوئے پتھر— خونی—

(مدن بے ہوش ہوکر پلنگ پر گر پڑتا ہے)

کرشنا سندری: (گھبرا کر) ارے!— یہ کیا ہوا؟

ڈاکٹر: ٹھہرو— دیکھنے دو۔

(منورما کا پھر آنا)

منورما: ڈاکٹر تمھارا بیمار کیسا ہے؟ جاتے وقت ہینڈ بیگ بھول گئی تھی، اسے لینے کے لیے اس بیماری اور موت کے کمرے میں پھر آنا پڑا۔ (مدن کو دیکھ کر) یہ کیا؟

ڈاکٹر: (منورما کے پاس آکر) خون کی کمی اور دل کی کمزوری نے تندرستی پر حملہ کیا ہے۔ جب تک بیمار کو کسی تندرست آدمی کے خون کا انجکشن نہ کیا جائے، یہ حملہ نہیں رکے گا۔

منورما: آدمی کے خون کا انجکشن!— اس زمانے کے لوگ اپنی پیاس بھول کر دوسرے کی پیاس بجھانے کے لیے ایک گلاس پانی نہیں دیتے— پھر اپنی زندگی سے بے پروا ہوکر تمھارے بیمار کی زندگی بچانے کے لیے اپنا خون کون دے گا؟

ڈاکٹر: بیمار کو بوڑھے شریر کا خون فائدہ نہ دے گا— نہیں تو میں اپنی نسوں کا سارا

لہو نچوڑ دیتا—— تم جوان ہو۔ اور تندرست بھی۔ اگر چاہو تو تھوڑا خون دے کر اپنے سوامی کو بچا سکتی ہو۔

منورما: ہیلتھ اور انرجی قائم رکھنے کے لیے جتنے خون کی ضرورت ہے، میری رگوں میں اس سے زیادہ نہیں ہے۔ مجھے تندرستی اور جوانی کے ساتھ ابھی دنیا میں جینا ہے—— میں اپنا خون نہیں دے سکتی۔

ڈاکٹر: لیکن انھیں بچانا تمھارا کرتویہ ہے۔ کیونکہ ان سے تم نے بیاہ کیا ہے۔

منورما: ہاں—— بیاہ کیا ہے۔ لیکن ساتھ جینے کے لیے—— ساتھ مرنے کے لیے نہیں۔

کرشنا سندری: ڈاکٹر!—— اپنے مالک کی سیوا کرنا جس طرح پتنی کا کرتویہ ہے، اسی طرح پربھو بھگت نوکر کا کام بھی دھرم ہے—— کتنا لہو چاہیے؟—— آؤ—— لو—— اپنے دھرم کی رکشا اور اپنے پربھو کی رکشا کے لیے میں اپنا خون دینے کو تیار ہوں۔

ڈاکٹر: تم خون دو گے؟

کرشنا سندری: ہاں—— بڑھو—— چلو—— خون تو بہت تچھ وستو ہے۔ میں اپنے مالک کے لیے پران تک دے سکتا ہوں۔

(کرشنا بیٹھ کر ہاتھ کھول دیتی ہے—— ڈاکٹر خون لینے کا آلہ نکالتا ہے)

ڈاکٹر: (منورما سے) اس پروپکار کے آئینے میں اپنے سوارتھی آتما کا چہرہ دیکھو—— اور شرم کرو۔

(ڈاکٹر کرشنا کے ہاتھ سے خون لیتا ہے اور منورما اس درشیہ کو آشچریہ سے دیکھتی ہے)

باب تیسرا— سین تیسرا

کرم چند کا گھر

کرم چند: پروہت جی، تم جسے دکشنا کہتے ہو، ہم لوگ اسے پروہت جی کا ٹیکس کہتے ہیں۔ اگر کوئی غریب نہ دے سکتا ہو، تو سرکار اپنا ٹیکس معاف کردیتی ہے۔ لیکن تم اپنا ٹیکس نہیں چھوڑتے۔

پروہت: مہاشے— کیسے چھوڑیں۔ بال بچے بھوکے نہ مرجائیں گے؟— دھرم ہتیا، جیو ہتیا کی طرح دان دکشنا نہ لینا بھی پیٹ ہتیا ہے۔

کرم چند: تو اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے کوئی دھندا کرو۔

پروہت: دھندا!— شیو شیو— دھندا کرنا ویش جاتی کا دھرم ہے، برہمن جاتی کا دھرم نہیں ہے۔

کرم چند: تو محنت مزدوری کرو۔

پروہت: آپ نے تو لٹیا ہی ڈوبا دی۔ محنت مزدوری شودر کا کام ہے۔

کرم چند: تب تمھارے لائق دنیا میں کوئی کام نہیں ہے؟

پروہت: ہے کیوں نہیں!— ہمارا کام بس یہی ہے۔ کنیا کے لیے ور اور ور کے لیے کنیا ڈھونڈھنا۔ لگن کا مہورت بتانا— مرے ہوئے ماتا پتا کا شرادھ کرانا— استریوں میں بیٹھ کر ستیہ نارائن کی کتھا بانچنا— جس نے بھرپور دان دیا، اُسے آشیرواد اور جس نے کم دکشنا دی، اُسے شراپ دینا۔

کرم چند: لیکن ہم تو لڑکی کا بیاہ ہوجانے کے بعد کیول پانچ روپے دکشنا دیں گے۔

پروہت: تو سن لیجیے، غریب برہمن کا حق ماریے گا تو لڑکی بھی پونے پانچ ہی مہینے

میں ودھوا ہو جائے گی۔

کرم چند: لڑکی ودھوا ہو گئی تو کورٹ میں دعویٰ کر کے دی ہوئی دکشنا واپس لے لوں گا۔

(کملا کا ہنستے ہوئے پرویش)

کملا: ہاہاہا۔ پاپا، آج اس گھر میں میرا بیاہ ہوگا یا ناٹک کا تماشا— یہ بانس اور کیلے کے پتوں کا تھیٹر کیوں بنایا گیا ہے؟

پروہت: پتری، تمھاری دادی، نانی، ماسی، چاچی، سب کا بیاہ اسی طرح ہوا ہے۔ یہ تھیٹر نہیں لگن منڈپ ہے۔

کملا: نو نو۔ دیٹ از اولڈسٹ سسٹم۔ آئی ڈونٹ وانٹ لگن منڈپ (کرم چند سے) پاپا۔ پرانے فیشن کا بیاہ ہوا تو سیولائزڈ سوسائٹی ہم پر ہنسے گی۔ کہے گی کہ لڑکی بھی بیوقوف ہے اور باپ بھی اُلّو ہے۔

کرم چند: یو آر رائٹ۔ پروہت جی، کملا ٹھیک کہتی ہے۔ منڈپ کی کیا ضرورت ہے؟ ایک کرسی پر کنیا بیٹھے گی، دوسرے پر وَر بیٹھے گا۔ تم منتر پڑھ کر ہاتھ ملا دینا۔ سمجھ گئے۔ یہ پہلا نمونہ ہے۔ اب سے نوین سماج میں اسی طرح بیاہ ہوا کرے گا۔

پروہت: منڈپ نہیں، گٹھ بندھن نہیں، پھیرے نہیں، کچھ نہیں، لیکن کنیا دان تو کیجیے گا؟

کرم چند: او، کیپ کوائٹ۔ ہماری سوسائٹی میں کسی سمجھ دار باپ کو کنیا دان شبد بولنے کا ادھیکار نہیں ہے۔

کملا: پروہت جی، یہ کیا بک گئے!— ذرا ان بوڑھی آنکھوں سے میری طرف دیکھو۔ کیا میں دان دینے کی وستو ہوں۔ میری جیسی استری، ہر پُرش کو نہیں مل سکتی۔ میں تو بیاہ کر کے اپنے پتی پر اُپکار کر رہی ہوں۔

کرم چند: اوہ۔ کتنی دیر! ابھی تک دولھا نہیں آیا!! چار بجے کا ٹائم فکسڈ اور ساڑھے چار ہو گئے!!!

کملا: پاپا۔ یہ ہندستانی کبھی کوئی کام ٹھیک ٹائم پر نہیں کرتے۔ بارہ بجے بلاؤ تو

اٹھارہ بجے آئیں گے۔ ان کی جیب میں جاکر ولایتی گھڑی بھی دیسی ہوجاتی ہے۔

پروہت: لیکن ہم ہندستانی گھڑی کے ٹائم کی کیوں پروا کریں؟ گھڑی ہم نے خریدی ہے، گھڑی نے ہم کو نہیں خریدا ہے۔

(اندر جاتا ہے۔ راجا لال کے ساتھ چچی کے بھیس میں من سکھ کا پرویش)

من سکھ: لیجیے مہاشے، میں اپنے سپوت کو لے کر آگئی۔

راجا لال: فادر، گڈ آفٹر نون۔

من سکھ: اے! یہ نون اور مرچ چھوڑ دے۔ دیسی چچی کے سامنے سسر کو دیسی ریت سے سلام کرو۔

راجا لال: دیسی سلام کروں (دونوں ہاتھ جوڑ کر) جے جے۔

من سکھ: ارے! یہ تو متھرا کے چوبوں کا سلام ہوا!!

راجا لال: نموشکار۔

من سکھ: یہ لو، چوبے سے کالی چرن چٹرجی بن گیا۔

راجا لال: یہ بھی نہیں۔ اچھا آداب اَرض ہے۔

من سکھ: پہلے اردو بولنا سیکھ، پھر آداب عرض کر۔

راجا لال: تو اور کس طرح سلام کروں؟

من سکھ: پیروں میں بیٹھ کے۔ سر جھکا کے۔ پرنام کر۔ (کھینچ کر پیروں میں بٹھاتا ہے) جھکا گردن۔ اور جھکا (ہاتھ سے گردن جھکاتا ہے) نہیں جھکتی۔

(گردن پر پاؤں رکھ دیتا ہے)

کرم چند: بس بس۔ لائق بھتیجے نے چچی کی بات رکھ لی۔

راجا لال: بیاہ ہونے تک نہ جانے یہ پاجی پن کی ڈفلی مجھے کون کون سا ناچ نچائے گی؟

من سکھ: اوہ ہو! میری پیاری بہو بھی کھڑی ہے!! میرے کلیجے کی کلیجی۔

(دوڑ کر کملا کو گلے لگا لیتا ہے)

راجا لال: پھر چچی کو پرانی بیماری شروع ہوگئی— میری پیاری چچی۔

من سکھ: کیوں، میرے پیارے بھتیجے؟

راجا لال: (من سکھ سے) ایک درجن بار گلے لگا چکا۔ اب اور کتنے بار چیونٹا بن کر اس سفید گڑ کو چمٹے گا؟

من سکھ: (راجا سے) ارے دوست، تیرا کیا ہرج ہورہا ہے؟ میرا تو آج ہی بھر کا سہاگ کا ہے۔ تو تو زندگی بھر اسے گلے لگائے گا۔

کرم چند: دیوی، اب تک کملا میری ہے۔ بیاہ کے بعد تمھاری ہوجائے گی۔ دھیان رکھنا کہ اس کے ساتھ تمھارے بھتیجے کا برتاؤ ہمیشہ اچھا رہے۔

من سکھ: سن رہا ہے لونڈے۔ سسر کا احسان نہ بھولنا۔ ہمیشہ جورو کو بہن کی طرح پیار کرنا۔

کرم چند: کیا پوچھ رہی ہیں؟— جواب دو۔

راجا لال: مہاشے، پیار کرنا تو میرا کرتویہ ہے۔ میں پیار نہیں کروں گا تو کیا دیا کرکے میری جورو کو دوسرے پیار کریں گے؟

کرم چند: (من سکھ سے) کملا ابھی ناسمجھ ہے۔ اس سے کوئی بھول ہو تو معاف کردینا۔

من سکھ: بچے کی بھول کا کیا خیال کروں گی! اس سفید کبوتری کی عمر ہی کیا ہے۔ بہت ہوگی تو بارہ برس۔

کملا: نہیں چچی۔ میری عمر اٹھارہ برس ہے۔

من سکھ: اٹھارہ برس!— ہاہا— پرانے وچار والے، نو برس میں لڑکی کا بیاہ کردیتے ہیں۔ نو دونی اٹھارہ۔ اس حساب سے تو اب تک تمھارا بیاہ دو مرتبہ ہوجانا چاہیے تھا۔

کملا: چچی، کونسل میں شاردا ایکٹ پاس ہوچکا۔ اب نو برس کی عمر میں کسی لڑکی کا بیاہ نہیں ہوسکتا۔

من سکھ: ٹھیک کہہ رہی ہو بہو۔ نو برس کی عمر میں تو لڑکی جورو شبد کا ارتھ بھی نہیں سمجھ سکتی۔ میرا تو خیال ہے کہ لڑکیوں کا بیاہ ساٹھ برس کی عمر میں ہونا چاہیے۔

راجا لال: لیکن چچی ساٹھ برس کی عمر والی کنیا تو جورو کے بدلے اپنے پتی کی ماں معلوم ہوگی۔

من سکھ: تو کیا برائی ہے۔ فائدہ ہی ہوا، نقصان تو نہیں ہوا۔ ساٹھ برس کی کنیا سے بیاہ کرنے میں جورو کا پریم اور ماں کی سیوا، دونوں سکھ ملیں گے۔

(غصے میں بھری ہوئی راجا کی چچی سبھدرا آتی ہے)

سبھدرا: واہ رے کلجگ! واہ رے آج کل کے سپوتو!! میری آگیا نہیں، مرضی نہیں— اور بھتیجا بیاہ کر رہا ہے!!! جھاڑو مارو اس بھتیجے کو—

راجا لال: (چونک کر) ہائیں! یہ کاشی سے آٹھ ہی دن میں لوٹ آئی!! (من سکھ کا ہاتھ کھینچ کر) ارے یہ تو میری اصلی چچی آگئی۔

من سکھ: بس۔ تو اب تیرے بیاہ کی تیاری کے بدلے مجھے اپنے شرادھ کی تیاری کرنی چاہیے۔

(دونوں منھ پھیر لیتے ہیں)

کرم چند: یہ کون عورت ہے! دیوی، تم کسے پوچھتی ہو؟

سبھدرا: پہلے یہ بتاؤ کہ تم ابھی تک لڑکی کے باپ ہی ہو یا سسر بن چکے۔

کرم چند: دیوی۔ میں تمھاری بات سمجھتا نہیں۔

سبھدرا: دودھ پیتے بچے ہو نا، کیسے سمجھو گے؟ (کملا کو دیکھ کر) یہی اس کی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ واہ، ہاتھ میں چوڑی نہیں، مانگ میں سندور نہیں، منھ پر گھونگھٹ نہیں— یہ لونڈیا ہے یا ساڑی چولی پہنے ہوئے لونڈا؟

کملا: واٹ ڈو یو مین! پاگل عورت کیا بکتی ہے؟

من سکھ: مار منھ پر طمانچہ۔ اسے بھی تو معلوم ہو کہ نئے فیشن کی بہو کیسی ہوتی ہے؟

کرم چند: میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ یہاں آنے سے تمھارا مطلب کیا ہے؟

سبھدرا: میں پندرہ دن کے لیے کاشی گئی تھی۔ ایک آوشیکتا کے کارن، آٹھ ہی دن میں لوٹ آئی اور آتے ہی نوکروں سے سنا کہ راجا لال کا کرم چند وکیل کی لڑکی کملا سے بیاہ ہورہا ہے۔

راجا لال: (من سکھ سے) بات بڑھ چلی۔ اب کیا ہوگا؟

من سکھ: ہوگا کیا— نئے فیشن کا بیاہ ہے۔ جوتوں کا حلوہ کھانا ہوگا۔

سبھدرا: دیکھو میں نے دعویٰ کردیا تو یہ وکالت دھری رہ جائے گی۔ تم ایک جج کا پالا پوسا بھتیجا چرا رہے ہو۔

کرم چند: نہ جانے کیا جھک مار رہی ہے! راجا لال۔ تم اس عورت کو جانتے ہو؟

سبھدرا: اب دیکھا۔ موا منھ پھیر کر کھڑا ہے (راجا کو کھینچ کر) کیوں رے کس کی آگیا سے بیاہ ہورہا ہے؟

کرم چند: اس کی چچی کی آگیا سے۔

سبھدرا: تمھاری چچی نے آگیا دی ہوگی، اس کی چچی نے نہیں دی۔ اس کی چچی تو میں ہوں۔

کرم چند: چچی بنا تھا تو آنکھوں میں جھونکنے کے لیے تھوڑی دھول بھی ساتھ لاتیں۔ ارے اس کی چچی تو یہ کھڑی ہیں۔

سبھدرا: چچی!— ارے وکیل مہاشے، میرے تو کنبے بھر میں اتنی لمبی اور اتنی موٹی چچی کسی کی نہیں ہے (من سکھ کا ہاتھ کھینچ کر) کیوں رے! تو کون ہے؟

من سکھ: ان کی سدھی— اس کی ساس— اور اس کی چچی۔

سبھدرا: ارے واہ۔ بھتیجا میرا، اور چچی تو بن گئی۔

من سکھ: اگر تمھیں ایک بھتیجے کی ضرورت ہے، تو میں دان میں دے دیتی ہوں— لے جاؤ۔ لیکن جہاں تک یاد پڑتا ہے، چچی میں ہی ہوں۔

کرم چند: اجی تم منھ میں گھنگھنیاں بھرے ہو؟ بتاؤ، ان دونوں میں سے کون تمھاری چچی ہیں؟

راجا لال: مہاشے۔ میں بھی اسی چکر میں پڑ گیا ہوں کہ دونوں میں کون میری چچی ہے؟ دس نمبر کے سلیپر کی طرح دونوں چچی معلوم ہوتی ہیں۔

من سکھ: اجی ان چچیوں کے جھگڑے سے پھر نپٹ لیجیے گا۔ جلدی کیجیے، نہیں تو بیاہ کی مہورت ٹل جائے گی۔

سبھدرا: اس بیاہ کے لیے میری آگیا نہیں ہے۔

من سکھ: اس کی نہ سنیے۔ یہ ودھوا ہے۔ اس لیے کنواری کا بیاہ دیکھ کر جلتی ہے۔

سبھدرا: چپ رہ۔ نہیں تو میں تیرا منھ نوچ ڈالوں گی۔ چچی کی بچی...... (لڑتی ہے۔ من سکھ کے سر کا بال اس کے ہاتھ میں آجاتا ہے) او ماں!— یہ کون!!

کملا: ارے!— مرد!!— اور ایک دو تین مرتبہ نہیں، اس نے مجھے چار چار پانچ پانچ بار گلے لگایا!!!

کرم چند: اُف! دھوکا!!— جو سات برس کے لیے جیل بھجوا سکتا ہے، اس وکیل سے دھوکا!!! کیوں جی یہ کیا پاجی پن تھا؟

من سکھ: میرے پیارے بھتیجے۔ اپنے پیارے سسر کو جواب دو۔ تمھارا بیاہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ میرا بیاہ جیل کی چکی سے ضرور کرا دے گا۔

راجا لال: چچی، میں نشچے کر چکا تھا کہ کملا کے سوا دوسری لڑکی سے بیاہ نہ کروں گا۔ اگر تم ہاں کہہ دیتیں تو مجھے نقلی چچی بنانی نہ پڑتی۔ یہ میرے دوست کا نہیں، میرا اَپرادھ ہے۔ شریمتی اور شریمان دونوں مجھے شما کریں۔

سبھدرا: میں نہ شما کروں گی۔ نہ بیاہ کی آگیا دوں گی۔

راجا لال: تو چچا کو رو رہی ہو اب بھتیجے کو بھی رو۔ میں پریم کی جے کہہ کر ندی میں پھاند پڑتا ہوں— چلا ڈوبنے۔

سبھدرا: ارے ٹھہر ٹھہر۔ ڈوب نہیں۔ اگر اس لڑکی کے بنا تو جی ہی نہیں سکتا، تو اچھا میں بیاہ کی آگیا دیتی ہوں۔

کرم چند: آپ نے آگیا دے دی تو میں بھی اپنے جنوائی اور اس کے متر کو شما کرتا ہوں۔

من سکھ: دھنیہ ہے آپ کو۔ بڑے آدمی کا دل بھی بڑا ہونا چاہیے۔ آپ شما نہ کرتے تو لوگ کہتے کہ لڑکے کی چچی بہت اچھی ہے مگر لڑکے کا سسر پاجی ہے۔

کرم چند: دیوی اندر بیاہ کا سب سامان تیار ہے۔ چلیے بیٹی، پیتل کی جگہ سونا آگیا— اب اصلی چچی سے گلے ملو۔

کملا: میری پیاری......

من سکھ: (روک کر) ٹھہرو۔ پہلے دیکھ لو— کہیں چچی کے بھیس میں پھر کوئی مرد نہ ہو۔

باب تیسرا— سین چوتھا

منورما کا کمرا

منورما: روپ اور جوانی کی خوشامد، محبت اور نباہ کے وعدے، لالچ کی راگنی، دھمکی کی گرج، سوسائٹی میں ہر طرح کی آوازیں میرے کانوں سے ٹکرائیں، لیکن میں نے ہر آواز کو بکواس سمجھا۔ اپنے پتی کو پیار نہیں کیا۔ تو اُن کے وشواس کو دھوکا بھی نہیں دیا— لیکن جب سے اس نئے نوکر کو دیکھا ہے، مجھے اپنے دل کی مضبوطی پر بھروسا نہیں رہا۔ نہیں چاہتی کہ اس کی آواز سنوں— لیکن نہ جانے اس کی آنکھوں میں کون سا جادو ہے کہ نظر ملتے ہی، میں اپنا ارادہ بھول جاتی ہوں— اسی طرح جیسے شرابی نشے میں کیے ہوئے وعدے بھول جاتا ہے۔

(کرشنا کا پرویش)

کرشنا سندری: ڈرائیور پوچھتا ہے کہ موٹر حاضر رکھوں یا واپس لے جاؤں۔

منورما: کہہ دو کہ باہر نہیں جاؤں گی۔ میں اس وقت بہت بے چین ہوں۔ دنیا زور سے گھومتا ہوا آگ کا چکر معلوم ہورہی ہے۔

کرشنا سندری: کیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟

منورما: ایسا معلوم ہورہا ہے کہ میرا دل بیمار ہوگیا ہے۔

کرشنا سندری: تو ڈاکٹر کو بلاؤں؟

منورما: مجھے وشواس نہیں کہ ڈاکٹر کے پاس اس بیماری کی دوا ہے۔

کرشنا سندری: تو کسی وید یا حکیم......

منورما: وہ اس بیماری کو سمجھ بھی نہیں سکتے— تم کنوارے ہو؟

کرشنا سندری: نہیں۔

منورما: تمھارا بیاہ ہو چکا ہے؟

کرشنا سندری: ہاں۔

منورما: تب تم یہ خوبصورت چہرہ لے کر دوسری عورتوں کے سامنے کیوں جاتے ہو؟ کیا یہ چاہتے ہو کہ ان کی پسند بھی اس خوبصورتی کی آگ کا ایندھن بن جائے؟— چلے جاؤ— اب میرے سامنے کبھی نہ آنا— تم ڈر کی وستو ہو۔

کرشنا سندری: میں ان شبدوں کا ارتھ نہیں سمجھا۔

منورما: (بگڑ کر) جاؤ— (کرشنا جانا چاہتی ہے) نہیں ٹھہرو— منھ سے آگ اور دھواں باہر پھینکنے کے لیے جوالا مکھی پہاڑ کانپ رہا ہے— میں— میں— تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں— جانتے ہو— پریم کیا ہے؟

کرشنا سندری: جو بندھن، استری اور پُرش کے جیون اور ہردے کو ہمیشہ کے لیے باندھ دے، اسی پوتر بندھن کو پریم کہتے ہیں۔

منورما: اس بندھن کا نام کرتویہ ہے، پریم نہیں ہے۔ پریم دل میں آپ سے آپ اُگتا ہے، بویا نہیں جاتا— اوہ یہ میں کیا بَک رہی ہوں!!— جاؤ— جاؤ— میں منورما نہیں، اب ایک پاگل عورت ہوں۔

کرشنا سندری: اسے کیا ہوگیا؟

(چلی جاتی ہے)

منورما: آشچریہ سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔ کتنی خوبصورت آنکھیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جادو کی دنیا میں، شراب سے بھیگی ہوئی رات میں نشہ پیے ہوئے دو ستارے چمک رہے ہیں۔ دنیا کے لیے ستارے اور میرے وواہت جیون کی پوترتا کے لیے دو آگ کی چنگاریاں۔

(پرستھان)

باب تیسرا — سین پانچواں

باغ، شام کا وقت

(شنکری اور مرد کے لباس میں کرشنا)

کرشنا سندری: جب تم دکھ کی تپتی ہوئی مرو بھومی میں سکھ کے ٹھنڈے جھونکے کی طرح اچانک سامنے گئی ہوگی تو نشچے سوامی چونک پڑے ہوں گے— تم نے کیا کہا؟

شنکری: میں نے کہا بیماری کی خبر سن کر آپ کو دیکھنے آئی ہوں۔ انھوں نے اس آدمی کی طرح جس نے اپنی دولت چرانے والے چور کو پکڑ لیا ہو، میرا ہاتھ تھام لیا اور پوچھا، کرشنا کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا، نہیں جانتی۔ یہ سن کر ان کا سر چھاتی پر جھک گیا اور جس طرح مولسری کے ورکش سے پھول گرتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

کرشنا سندری: آہ! اُس سے میں وہاں ہوتی تو اپنے دل کے گلے کا ہار بنانے کے لیے ان آنسوؤں کو موتی سمجھ کر ان پلکوں سے چن لیتی۔

شنکری: ڈاکٹر کی دوا اور تمھاری سیوا اور پرارتھنا سے تمھارے سوامی اب اچھے ہوگئے اور پہلے کی طرح چلنے پھرنے لگے ہیں— ان کی کوئی سانس تمھاری یاد اور اپنی بھول کے پچھتاوے سے خالی نہیں ہوتی۔ وہ یہاں رہنے کے لیے مجھ سے انورودھ کررہے ہیں۔ اب تمھیں بھی کرشنا کا روپ دھارن کرلینا چاہیے۔ کب تک نوکر بن کر اُن آنکھوں کو، جو تمھیں ڈھونڈھ رہی ہیں دھوکا

دیتی رہو گی؟

کرشنا سندری: چاہتی تو ہوں کہ اس دھوکے کی شما مانگنے کے لیے پران ناتھ کے پیروں پر گر پڑوں۔ لیکن ساہس نہیں ہوتا۔ سوامی یہاں رہنے کے لیے تم سے کہتے ہیں، تو یہیں رہو۔ لیکن منورما کے ڈنک سے بچی رہنا۔

شنکری: میں اپنے بچاؤ کے لیے تیار ہوکر آئی ہوں۔ (چھپائی ہوئی چھری نکال کر) یہ دیکھو۔

کرشنا سندری: یہ کیا!— چھری!! نہیں نہیں۔ اسے پھینک دو۔ میرا وشواس، دَیا اور شما کی شکتی پر ہے۔ غصہ خود ایک چھری ہے۔ میں تو چاہتی ہوں کہ منشیہ کے ہاتھ کی یہ چھری بھی ٹوٹ جائے۔

شنکری: یہ اُس دن ہوگا جب اس دنیا میں منشیوں کی جگہ دیوتا آکر بسیں گے۔

کرشنا سندری: میرے کمرے میں چل کر بیٹھو۔ میں پھول چن کر ابھی آتی ہوں۔

(شنکری گھر کی طرف اور کرشنا پھول چننے باغ کے اندر جاتی ہے۔ منورما سوچتے ہوئے پرویش)

منورما: نہیں۔ میں نہیں سننا چاہتی۔ بند کر، بند کر— پریم اپنا ستار بند کر— اس کے تاروں پر سروناش انگلیاں دوڑ رہی ہیں— نہیں بند کرتا— کہاں جاؤں، کتنی دور جاؤں کہ یہ زہر میں بھگوئی ہوئی، مٹھاس میں لپٹی ہوئی آواز نہ سن سکوں (بنچ پر بیٹھ کر) آہ، کس طرح آنکھوں سے دور کردوں— اس نوکر کا چہرا میرے جاگرت کا سوپن بن گیا ہے (بنچ کے تکیے پر سر رکھ کر سوچتے سوچتے آنکھیں بند کرلیتی ہیں۔ ایک سانپ نکل کر رینگتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہے اور نزدیک پہنچ کر حملہ کرنا چاہتا ہے— منورما ٹھنڈی سانسیں لے کر آنکھیں کھولتی ہے اور سانپ کو دیکھ کر چیخ اٹھتی ہے) سانپ— او— کوئی— بچاؤ۔ (کرشنا پھول چن کر واپس آتی ہے۔ یہ درشیہ دیکھ کر گھبراتی ہے اور دوڑ کر دُم پکڑ کے سانپ کو دور پھینک دیتی ہے) بچ گئی— کڑکتی

بجلی کی طرح جیون کے اوپر سے مرتیو گرجتی ہوئی نکل گئی۔ (کرشنا سے) اپنے ڈوب جانے کا وشواس ہونے پر بھی، ایک ڈوبتی ہوئی ناری کو بچانے کے لیے بھنور میں پھاند پڑے!— تم اس سوارتھ میں گری ہوئی دنیا سے کتنے اونچے ہو!!

کرشنا سندری: پشو بھی دوسروں کی سیوا کرتے ہیں— میں تو منشیہ ہوں۔

(جانا چاہتی ہے— منورما روکتی ہے)

منورما: ٹھہرو۔ میں بہت دنوں سے ایک بھاری طوفان کو اپنی چھاتی کے اندر روکے ہوئے ہوں۔ لیکن اب وہ مجھ سے نہیں رکتا۔ جانتے ہو تم نے کس عورت کو سانپ سے بچایا ہے؟ اُسے جس کے دل کو تمھاری خوبصورت آنکھیں پہلے ہی ڈس چکی ہیں— جب تم نے یہ چھن گئی ہوئی دنیا مجھے واپس دی ہے، تو اس دنیا کے لیے روشنی اور سکھ بھی دو۔ وہ روشنی تم ہو اور وہ سکھ تمھارا پریم ہے۔

کرشنا سندری: جو شبد اپنے سوامی سے کہنا چاہیے، وہ آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں— سانپ دیکھ کر ڈر گئی ہوئی آنکھوں نے گھبراہٹ میں دھوکا تو نہیں کھایا؟ مجھے پہچانیے۔ میں آپ کا نوکر ہوں۔

منورما: پہچانتی ہوں— جب تم سامنے آتے ہو تو تمھیں دیکھنے کے لیے میرا روم روم آنکھیں بن جاتا ہے۔ تم نوکر نہیں، میرے دل کے مالک ہو۔

کرشنا سندری: مجھے آشچریہ ہے کہ ناری مریادا کو گھائل کرنے والی باتیں، میں اُس استری سے سن رہا ہوں جو ابودھ اور اشکشِت نہیں، سمجھدار اور ودوان ہے۔ کنواری نہیں، بیاہی ہوئی ہے۔ جو اندھی نہیں، پاپ کو اس کے بھیانک پرینام کے ساتھ دیکھ سکتی ہے۔ ابھی گری نہیں، گرنے جارہی ہو۔ سنبھل جاؤ۔ تم پڑھی لکھی استریوں کو، سدھرے ہوئے سماج کو، کالج کی شکشا کو، بی اے کی ڈگری کو ذلیل کررہی ہو۔

منورما: پریم کا دیوتا اپنے کمان سے تیر چلاتے وقت یہ نہیں دیکھتا کہ یہ اَن پڑھ

عورت کا دل ہے یا پڑھی لکھی استری کا۔ اس کے وار کو نہ پراچین شکشا روک سکتی ہے اور نہ کالج کی ڈگری۔ میں تو ڈربل استری ہوں، پریم نے تو بڑے بڑے مہاتماؤں کے تیاگ اور یوگیوں کی تپسیا کو گھائل کردیا ہے۔

کرشنا سندری: دیکھو۔ سوکھ جانے کے بعد ندی میں پھر باڑھ آسکتی ہے۔ پرلے کے بعد پھر دنیا کی سرشٹی ہوسکتی ہے۔ لیکن استری کے ستیہ کا سورج ڈوبنے کے بعد پھر اُدے نہیں ہوسکتا۔ سوامی بھکتی کی تلوار لے کر اس اپوتر پریم کے ساتھ یدھ کرو اور اس دل کو جو پتی کو دھوکا دینے کے لیے تیار ہے، چھاتی سے نکال کر پھینک دو۔

منورما: میرے پیارے، میں ابھی جوانی کے دروازے سے دنیا کے باغ میں داخل ہوئی ہوں۔ دل میں پریم کا کانٹا چبھ گیا ہے۔ میں مر رہی ہوں— اس باغ کی بہار دیکھنے سے پہلے مجھے مرنے نہ دو— (گھٹنے ٹیک کر) تمھارے پیار کی نظروں میں میرے دل کے گھاؤ کا مرہم اور تمھارے ہونٹوں کے امرت میں میرے درد کی دوا ہے۔

(مدن آتا ہے اور کرشنا کے چرنوں میں منورما کو دیکھ کر چونکتا ہے)

مدن موہن: (اپنے آپ سے) یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔

(آڑ میں کھڑے ہوکر دونوں کی باتیں سنتا ہے)

کرشنا سندری: جو تم مجھ سے مانگتی ہو وہ پریم نہیں لالسا ہے۔ پریم وہ ہے جس کے تیج اور خوشبو سے آتما چمک اٹھتی اور جیون مہکنے لگتا ہے۔ پریم ایک آشیرواد ہے۔ یہ آشیرواد استری کو پر پُرش سے نہیں اپنے دیوتا سے ملتا ہے— اور وہ دیوتا استری کا پتی ہے۔

منورما: دیکھو۔ میری طرف دیکھو۔ کیا میں پھول کی مسکراہٹ کی طرح خوبصورت اور چودھویں کے چاند کی طرح جوان نہیں ہوں؟ کیا میں جوانی کے باغ میں

روپ کے گہنوں سے سجی ہوئی بسنت رتو نہیں معلوم ہوتی ہوں؟ پھر مجھ سے کیوں نفرت کرتے ہو؟ میرے پاس آؤ۔ میں پریتم کہوں، تم پریے کہو۔ میں روپ دوں تم پریم دو۔ پریم کی قیمت چاہیے تو وہ بھی دینے کو تیار ہوں۔ میں تمھاری غریبی کو، امیری سے بدل دوں گی— مانگو، کیا چاہتے ہو؟ میرے پاس روپ بھی ہے اور روپیہ بھی۔

کرشنا سندری: تم اپنے روپیے سے ایشور کی دھکار اور اپنے روپ سے نرک خرید سکتی ہو۔ پاپ سے ڈرنے والے کا دل اور آنکھیں نہیں خرید سکتیں۔ جس روپیے میں پنیہ کی آواز نہیں، جس روپ کے تیج میں ستیہ اور لاج کی چمک نہیں، میں اُس روپیے کو ٹھوکر مارتا اور اس بھرشٹ روپ پر تھوکتا ہوں۔

منورما: دیکھ۔ نوکری بھی جائے گی اور عزت بھی۔ اب بھی مان جا۔ نہیں تو میں شور کرکے نوکروں کو بلاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ یہ ڈاکو میرا روپ اور ستیہ لوٹ لینا چاہتا ہے۔

کرشنا سندری: اگر دھرم کی رکشا کے لیے جیل بھی جانا ہوا تو میں اسے جیل نہیں، جیون کا سورگ سمجھوں گا۔

منورما: اچھی بات ہے۔ تونے میرا دل توڑا ہے۔ تو میں تیرا ابھیمان چور کرتی ہوں (دوڑتی اور شور کرتی ہے) دوڑو— دوڑو— دوڑو— آؤ— مجھے بچاؤ۔ یہ نمکِ حرام نوکر میری عزت پر حملہ کررہا ہے۔

(شور سن کر شنکری اور دو نوکر آتے ہیں)

مدن موہن: (سامنے آکر) نوکروں کو کیوں پکار رہی ہے؟ بے شرمی کو پکار، جو تیری آتما کی سہیلی ہے۔ نرک کو پکار، جو تجھ جیسی کمینی اور دغاباز عورتوں کا آخری ٹھکانا ہے۔ آشچریہ سے کیا دیکھتی ہے؟ میں نے سب کچھ سن لیا اور جو سنا، اس سے ثابت ہوگیا کہ مرد کے لیے عورت ہی آشیرواد ہے اور عورت ہی شراپ ہے۔ عورت ہی پریم پرتما کا روپ دھارن کرکے مرے ہوئے سکھوں کو جلا

دیتی— اور عورت ہی ڈائن بن کر مرد کے ہنستے جیتے ہوئے سکھوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے— میری بھول تھی کہ بیاہ کے پہلے میں نے یہ نہیں دیکھا کہ تیرا اصلی روپ کیا ہے؟ یہ نہیں معلوم کیا کہ ماں باپ کے پربھاؤ اور کالج کی شکشا نے تیرے چرتر کو کس سانچے میں ڈھالا ہے؟— دھکار ہے تیری صورت پر— اور دھکار ہے میری سمجھ پر۔

منورما: جب تم سب کچھ سن چکے ہو، تو اب میرا بھی جواب سن لو— تمھاری پہلی جیون سنگنی کرشنا کے پاس روپ بھی تھا، پریم بھی تھا، دھرم بھی تھا، ستیہ بھی تھا، سوامی بھکتی اور جیون کی پوترتا بھی تھی— تمھیں ان چیزوں کی ضرورت ہوتی تو مجھ سے دوسرا بیاہ نہ کرتے— میرا اور تمھارا بیاہ— بیاہ نہیں، دو بیوپاریوں میں ایک سودا تھا— تم ایک ایجوکیٹڈ، فری، فیشنبل عورت چاہتے تھے— اور میں فیشنبل سوسائٹی میں اپنے کو سب سے اونچا رکھنے کے لیے دولت چاہتی تھی۔ ہماری ضرورتوں نے ہم کو ایک دوسرے سے ملا دیا۔ لیکن ہمارے دل کبھی نہیں ملے— دل کو دل کے ساتھ پریم جوڑتا ہے۔ دولت اور فیشن نہیں جوڑ سکتے۔

مدن موہن: بس— میرے کانوں میں اپنے دل کی گندگی نہ انڈیل۔ نہیں تو میرا غصہ……

منورما: مجھے نہ تمھاری پروا ہے اور نہ تمھارے غصے کی— میں منورما ہوں— پتی کے پیروں میں سر جھکانے والی کرشنا نہیں ہوں۔

مدن موہن: ان اپوتر ہونٹوں سے کرشنا کا پوتر نام نہ لے— میری آتما کی کنگالی دور کرنے کے لیے ایشور نے کرشنا کے روپ میں، مجھے ایک دولت دی تھی— منورما روپی ڈاکو، تو نے ہی وہ دولت مجھ سے چھین لی۔ نہ جانے وہ جیتی ہے یا مرگئی— اوہ— میں تجھے بھی مار ڈالوں گا—

(گلا دبانے کے لیے بڑھتا— کرشنا روکتی ہے)

کرشنا سندری: (ہاتھ تھام کر) پربھو، کیا کرتے ہو؟

مدن موہن: ہٹ جاؤ—— مجھے چھوڑ دو۔

(کرشنا کو کہنی سے دھکا دیتا ہے۔ کرشنا لڑکھڑاتی، سر سے پگڑی گر پڑتی ہے اور بال بکھر جاتے ہیں—— منورما، مدن موہن، نوکر، سب اُسے آشچریہ سے دیکھتے ہیں)

مدن موہن: یہ کون؟

منورما: کرشنا؟

مدن موہن: مل گئی۔ مل گئی۔ میری کھوئی ہوئی دولت مجھے مل گئی۔ (دوڑ کر کرشنا کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے) آہ، میں کیسا اندھا تھا کہ پریم کو نہ پتنی کے روپ میں پہچان سکا، نہ نوکر کے روپ میں۔

کرشنا سندری: (مدن کے پیروں میں بیٹھ کر) سوامی۔

منورما: اب کسی کا وشواس نہ کروں گی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میری ہی آنکھیں مجھے اس طرح دھوکا دیں گی۔

مدن موہن: کرشنا، تم دنیا کے ماتھے پر پنیہ کا تلک ہو اور یہ دنیا کی چھاتی پر رینگتا ہوا سانپ ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس جیتے جاگتے پاپ کو کیا سزا دوں؟

کرشنا سندری: کیول، ایک سزا—— یدی منشیہ پاگل نہیں ہے تو اُس کی بند آنکھیں ٹھوکر سے کھل جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو بدلنے کے لیے اُنھیں سمے دیجیے - اور پہلی بھول، جو نشچے ہے کہ آخری بھول ہوگی، شما کر دیجیے۔

مدن موہن: اِس نے پہلے میرے دل میں—— اور آج میری عزت کے کلیجے میں چھری ماری ہے۔ (نوکروں سے) نکال دو اسے—— اب اس کے لیے نہ میرے پاس شما ہے، نہ گھر کی چھت کے نیچے رہنے کی جگہ ہے۔

منورما: کیا تم مجھے بے عزت کر کے گھر سے نکالنا چاہتے ہو؟

مدن موہن: ہاں۔ تجھے گھر سے۔ تیری صورت کو آنکھوں سے اور تیرے دھیان کو دل سے۔ (نوکروں سے) نہیں سنا! کیا میں پتھر کے پتلوں کو حکم دے رہا ہوں؟

شنکری: (منورما کے سامنے جاکر) منورما، تم نے دھرم کو نہیں پہچانا۔ لیکن نشچے ہے کہ مجھے پہچان لیا ہوگا— سنو، اس گھر میں تین پیاسے تھے۔ تمھیں ان کے دولت کی پیاس تھی۔ انھیں تمھارے فیشن کی— اور اس دیوی کو پتی بھگتی کی— تینوں کی پیاس آج بجھ گئی۔ تمھاری پیاس دھکار کے کڑوے گھونٹ سے۔ ان کی پیاس پچھتاوے کے آنسوؤں سے اور اس کے دل کی پیاس پتی ملن کے امرت سے— جاؤ نکلو— تمھارے ہی ہاتھوں سے، تمھارے لیے پتی کے گھر کا دروازہ بھی بند ہوگیا اور سورگ کا دروازہ بھی۔

منورما: کیا بک رہی ہے!— کمینی!!— کتیا!!!

شنکری: آشچریہ ہے کہ اتنے دنوں کے بعد میرے چہرے کے آئینے میں تجھے اپنی صورت دکھائی دی۔ نکل— بڑھ دروازے کی طرف۔

(منورما کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہے۔ کرشنا بچانے کے لیے لپکتی ہے)

کرشنا سندری: شنکری— ٹھہرو۔

مدن موہن: (کرشنا کو روک کر) اَپمان کے ساتھ نکال دینا، اس کے پاپ کی کم سے کم سزا ہے۔

منورما: امیروں کی جوتیوں کی خاک!— غریب گھر کا کوڑا!!— تیرا اتنا ساہس؟ (غصے میں شنکری کا گلا دباتی۔ شنکری چھپائی ہوئی چھری نکالتی— منورما ڈر کر گلا چھوڑ دیتی ہے)۔ چھری!

شنکری: یہ رہا راستہ— چل— نکل— میں دیا نہیں— پرتی ہنسا ہوں۔

(شنکری کی چھری کی دھمکی سے منورما جانے کے لیے مجبور ہوجاتی ہے)

—پردہ—

تمام شد